ظاہری وباطنی اصلاح کا بہترین ذریعہ

مجموعہ

تالیفاتِ مصلح الامۃ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ

قال اللہ تعالیٰ

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

اور

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے کہ
مشائخ کی وفات کے بعد طالبین کی اصلاح کے سلسلہ میں ان حضرات کی تصانیف بھی
انکی قائم مقام ہوا کرتی ہیں ـــــ بناءً علیہ

مجموعۂ تالیفاتِ مصلح الامۃ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ

حصہ اول

ناشر

مکتبہ اشرفیہ

۳۶ محمد علی روڈ، بمبئی ۳

احمد حسین لکھنوی الہ آباد

فہرست مضامین

مجموعۂ تالیفاتِ مصلح الامۃ

حصۂ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

پیش نظر کتاب کوئی جدید یا مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا و مرشدنا شاہ وصی اللہ صاحب قدس اللہ سرہ کی تالیفات قدیمہ ہی کا ایک جدید مجموعہ ہے جیسا کہ اسکے نام سے بھی ظاہر ہے۔

حضرتؒ کی تالیفات علیحدہ علیحدہ مختلف مقامات سے شائع ہوئیں اور ہاتھوں ہاتھ ختم ہوگئیں اس سے اندازہ ہوا کہ الحمدللہ امت حاضرہ کو حضرت اقدسؒ کا طرز اصلاح پسند ہوا۔ اور اللہ کے نیک بندوں نے انکو اپنے درد کا درماں پایا اور طالبین راہ مولیٰ نے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی زبان فیض ترجمان سے نکلی ہوئی معرفت حق اور محبت نبی برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتوں کو اپنے قلبی طمانینت اور روحانی سکون کا سامان جانا۔

طالبین کی طلب اور رسائل کی افادیت اور مقبولیت کو دیکھتے ہوئے بعض مخلصین کو یہ خیال ہوا کہ حضرتؒ کی تمام تصانیف کو معرفت حق ہی کے سائز پر یکجا شائع کیا جائے تاکہ کتابت کی شکایت۔ سائز کی عدم یکسانیت کی الجھن۔ نایابی کا غم اور فی الجملہ اغلاط کا گلہ ختم ہو جائے۔ چنانچہ جملہ تالیفات کو چار حصوں میں شائع کرنا تجویز ہوا ہے۔ جس کا حصہ اول آپ کے سامنے ہے۔ یہ صرف ۲۰ رسالوں کا مجموعہ ہے جن کی فہرست صفحہ گذشتہ پر درج ہے۔

اس کے فوراً ہی بعد انشاء اللہ تعالیٰ حصہ دوم بھی منظر عام پر آرہا ہے وہ بھی اسی قدر ضخیم ہوگا مگر وہ صرف ۱۴ کتب کا مجموعہ ہوگا۔ پھر حصہ سوم بھی طبع ہوگا۔ لیکن ابھی اس میں قدرے تاخیر ہے۔ اور اس مجموعہ میں ۸ کتابیں ہوں گی۔ اور اس کے حصہ چہارم انشاء اللہ تعالیٰ۔ امید ہے کہ ہمارے اس اقدام کو ناظرین بنظر استحسان دیکھیں گے۔ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے حضرتؒ کی جملہ تصانیف کو ہر وقت پاس رہنے کی آسان صورت پیدا فرمادی۔ اب اسکے نفع کو بھی عام و تام فرمائے۔

والسلام طالب دعا

عبدالرحمٰن جامی عفی عنہ۔ دسمبر ۱۹۷۴ء الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"اصلاحی مضمون"

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیکھا جاتا ہے کہ آج مدارس کی کمی نہیں ہے۔ گاؤں گاؤں مدرسے کھلے ہیں۔ ہر ہر بستی میں اہل علم موجود ہیں۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ علم عام ہوتا عمل عام ہوتا لوگوں کے دینی اور دنیوی حالات درست ہوتے لیکن باوجود اس کے لوگوں میں دین کا نام نہیں ہے۔ کوئی بستی ٹھیک نہیں ہے اور یہی نہیں کہ دین درست نہیں دنیا بھی برباد ہی ہے اور عام حالت یہی ہے۔ اور یہ حالت روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

میری سمجھ میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ اول تو ایسے مصلحین جو کتاب وسنت پر قوم کے حالات کو مطابق کرنے کی اہلیت اور فکر رکھتے ہوں نہیں ہیں اور جنہیں یہ بات ہوتی ہے وہی جانتا ہے کہ قوم کتنی اپنے مرکز سے ہٹی ہوئی ہے اور انکو کتنا بُعد اپنے مرکز سے ہوگیا ہے اور انکو کس طرح سے مرکز کے قریب کیا جاسکتا ہے اور یہ کام کتنا دشوار ہے اور اسمیں کس قدر اہمیت ہے اور اس میں صرف علم کی ضرورت ہی یا عمل کی بھی اور اگر عمل کی ضرورت ہے تو صرف ظاہری یا باطنی بھی اور اگر باطنی بھی درکار ہے تو ناقص یا کامل، یہ چیزیں اہلیت ہی سے معلوم ہوسکتی ہیں ورنہ صرف صوری وظاہری نماز وروزہ کو لوگ دین سمجھتے ہیں اور ہر ایک کے پاس دین کی ایک ناتمام حقیقت موجود ہوتی ہے جس کو وہ کل دین سمجھتا ہے۔ بس انکی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے کہ اندھوں کے پاس کوئی ہاتھی آگیا تھا جس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سب نے اپنی اپنی تحقیق بگھاری جس کا ہاتھ اس کی دُم پر پڑا اس نے کہا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے مورچھل۔ اور دوسرے نے اسکے کان ٹٹول کر کہا کہ نہیں ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے سوپ، اور جس نے اسکی

بیٹھ پر ہاتھ پھیرا اس نے کہا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے تخت، اور ایک نے اُس کے پیر پکڑ پائے تو کہا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے کھمبا۔

دیکھئے اندھا پن بھی کتنی بُری بلا ہے کہ اتنا بڑا صحیح وسالم ہاتھی کتنے ناتمام جزؤں میں تقسیم ہوگیا۔ اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

اشقیارا دیدۂ بینا نہ بود　　نیک و بد در دیدشاں یکساں نمود

یعنی اشقیاء کے لئے چشم بینا نہیں تھی اس لئے نیک و بد دونوں انکی نگاہوں میں یکساں معلوم ہوتے تھے۔

ہمسری با انبیاء بر داشتند　　اولیا را ہمچو خود پنداشتند

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کیساتھ برابری کا دعویٰ کرتے تھے اور اولیا کو بھی اپنی ہی طرح سمجھتے تھے۔

پس جس طرح ان اندھوں نے ہاتھی کے صرف ایک ہی عضو کو لیا اور اسی پر کل کا حکم لگا دیا جو صحیح نہ تھا اسی طرح آج دین کے بارے میں لوگوں کا حال ہے کہ اُس کی حقیقت سے تو ہیں ناآشنا اور بعض ظاہری چیزوں کو لے کر اسی کو کل دین سمجھتے ہیں اور جو اصلی دین کی راہ دکھاتے ہیں انکی نہیں سنتے بلکہ اُنکی مخالفت پر آمادہ ہوجاتے ہیں اسکا سبب اُن کا اصلی راہ کو چھوڑ دینا ہوتا ہے اور اپنی بداعمالیوں اور قلبی امراض میں ابتلا اور انہماک سبب بنتا ہے اصلی راہ کو چھوڑنے کا۔ اور جب اصل راہ کو چھوڑ چکتے ہیں تو اسکے بعد پھر صحیح راہ پر لگنا انکے لئے نہایت دشوار ہوتا ہے اور یہی نہیں کہ اس پر آنا نہیں چاہتے بلکہ جو لوگ انکے سامنے اصل دین پیش کرتے ہیں ان سے انھیں نفرت اور ان کی باتوں سے وحشت ہونے لگتی ہے اور اس کے مصداق ہوجاتے ہیں کہ ؎

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے　　میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

اصلی راہ دکھانے والے چونکہ کم ہیں اس لئے یہ گمراہی بڑھتی جارہی ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کہیں کوئی اللہ کا بندہ کچھ کام کرنے والا ہوا بھی تو عوام کو انکا جہل انکی تعلیم کے اثر کو قبول کرنے سے مانع ہوتا ہے یہ اپنے جہل کو مرض ہی نہیں سمجھتے اور اس کو دور کرنا ہی نہیں چاہتے۔ جیسے عالم علم کو کمال سمجھتا ہے یہ جہل کو کمال سمجھتے ہیں اور اپنے جہل میں عناد کی حد تک پہونچ جاتے ہیں اور ارباب جہل و عناد کی تقلید فطرت کو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اصلاحی مضمون"

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیکھا جاتا ہے کہ آج مدارس کی کمی نہیں ہے۔ گاؤں گاؤں مدرسے کھلے ہیں۔ ہر ہر بستی میں اہل علم موجود ہیں۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ علم عام ہوتا عمل عام ہوتا لوگوں کے دینی اور دنیوی حالات درست ہوتے لیکن باوجود اس کے لوگوں میں دین کا نام نہیں ہے۔ کوئی بستی ٹھیک نہیں ہے اور یہی نہیں کہ دین درست نہیں دنیا بھی برباد ہی ہے اور عام حالت یہی ہے۔ اور یہ حالت روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

میری سمجھ میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ اول تو ایسے مصلحین جو کتاب وسنت پر قوم کے حالات کو مطابق کرنے کی اہلیت اور فکر رکھتے ہوں نہیں ہیں اور جنہیں یہ بات ہوتی ہے وہی جانتا ہے کہ قوم کتنی اپنے مرکز سے ہٹی ہوئی ہے اور انکو کتنا بُعد اپنے مرکز سے ہوگیا ہے اور انکو کس طرح سے مرکز کے قریب کیا جاسکتا ہے اور یہ کام کتنا دشوار ہے اور اسمیں کس قدر اہمیت ہے اور اس میں صرف علم کی ضرورت ہے یا عمل کی بھی اور اگر عمل کی ضرورت ہے تو صرف ظاہری یا باطنی بھی اور اگر باطنی بھی درکار ہے تو ناقص یا کامل' یہ چیزیں اہلیت ہی سے معلوم ہوسکتی ہیں ورنہ صرف صوری و ظاہری نماز و روزہ کو لوگ دین سمجھتے ہیں اور ہر ایک کے پاس دین کی ایک ناتمام حقیقت موجود ہوتی ہے جس کو وہ کل دین سمجھتا ہے۔ پس انکی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے کہ اندھوں کے پاس کوئی ہاتھی آگیا تھا جس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سب نے اپنی اپنی تحقیق بگھاری جس کا ہاتھ اُس کی دُم پر پڑا اس نے کہا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے مورچھل۔ اور دوسرے نے اسکے کان ٹٹول کر کہا کہ نہیں ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے سوپ' اور جس نے اسکی

پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اس نے کہا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے تخت، اور ایک نے اُس کے پیر پکڑ پائے تو کہا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے کھمبا۔

دیکھئے اندھا پن بھی کتنی بُری بلا ہے کہ اتنا بڑا صحیح وسالم ہاتھی کتنے ناتمام جزؤں میں تقسیم ہوگیا۔ اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

اشقیا را دیدۂ بینا نہ بود نیک و بد در دیدشاں یکساں نمود

یعنی اشقیاء کے لئے چشم بینا نہیں تھی اس لئے نیک و بد دونوں انکی نگاہوں میں یکساں معلوم ہوتے تھے۔

ہمسری با انبیاء بر داشتند اولیا را ہمچو خود پنداشتند

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کیساتھ برابری کا دعویٰ کرتے تھے اور اولیا کو بھی اپنی ہی طرح سمجھتے تھے۔

پس جس طرح ان اندھوں نے ہاتھی کے صرف ایک ہی عضو کو لیا اور اسی پر کل کا حکم لگا دیا جو صحیح نہ تھا اسی طرح آج دین کے بارے میں لوگوں کا حال ہے کہ اُس کی حقیقت سے تو ہیں ناآشنا اور بعض ظاہری چیزوں کو لے کر اسی کو کل دین سمجھتے ہیں اور جو اصلی دین کی راہ دکھاتے ہیں انکی نہیں سنتے بلکہ اُنکی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں انکا سبب اُن کا اصلی راہ کو چھوڑ دینا ہوتا ہے اور اپنی بداعمالیوں اور قلبی امراض میں ابتلا اور انہماک سبب بنتا ہے اصلی راہ کو چھوڑنے کا۔ اور جب اصل راہ کو چھوڑ چکتے ہیں تو اسکے بعد پھر صحیح راہ پر لگنا انکے لئے نہایت دشوار ہوتا ہے اور یہی نہیں کہ اس پر آنا نہیں چاہتے بلکہ جو لوگ انکے سامنے اصل دین پیش کرتے ہیں ان سے انھیں نفرت اور ان کی باتوں سے وحشت ہونے لگتی ہے اور اس کے مصداق ہو جاتے ہیں کہ ؎

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

اصلی راہ دکھانے والے چونکہ کم ہیں اس لئے یہ گمراہی بڑھتی جا رہی ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کہیں کوئی اللہ کا بندہ کچھ کام کرنے والا ہوا بھی تو عوام کو انکا جہل انکی تعلیم کے اثر کو قبول کرنے سے مانع ہوتا ہے یہ اپنے جہل کو مرض ہی نہیں سمجھتے اور اس کو دور کرنا ہی نہیں چاہتے۔ جیسے عالم علم کو کمال سمجھتا ہے یہ جہل کو کمال سمجھتے ہیں اور اپنے جہل میں عناد کی حد تک پہونچ جاتے ہیں اور ارباب جہل و عناد کی تقلید فطرت کو

فاسد کر دیتی ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی اہل علم کے کہنے کے مطابق راستہ نہیں چلتا تو قوم کے جو سردار ہوتے ہیں جو اپنے ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی بالکل پروا نہیں کرتے ان کے چھوٹے انکی تقلید کرتے ہیں چھوٹے اور بڑے دونوں فاسد الاخلاق اور فاسد الطبیعۃ ہوجاتے ہیں اس حالت پر پہونچ کر علماء کا کہنا کیسے سُن سکتے ہیں۔ اصلاح بالکل ختم ہوجاتی ہے۔

اس جہل کے نتائج اور ثمرات میں سے یہ ہے کہ آج جاہلوں میں کبر استنکاف اور عار وغیرہ وہ تمام امراض پیدا ہوگئے ہیں جو کسی زمانہ میں کفار کے اندر موجود تھے اور جس طرح سے انھوں نے اپنی انھیں بداخلاقیوں کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ اور انکا انکار کیا اسی طرح جہلا بھی اپنی انھیں صفات بد کی وجہ سے عالم دین اور عالم شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں اور یہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے اور یہ سمجھتے بھی نہیں کہ ہم یہاں تک پہونچ گئے ہیں کیا اس حالت میں ایمان سالم ہے؛ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ غلط ہے؛ کیا آج مسلمانوں کے عوام میں یہ چیزیں موجود نہیں ہیں؛ اور کیا یہ بات ٹھکرا دینے کی ہے؛ اور اس آواز کی طرف التفات نہ کرنا انصاف و دیانت ہے؟

میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اسکا سبب اُنکا اصلی راہ چھوڑ دینا ہوتا ہے اور اپنی بداعمالیوں اور قلبی امراض میں ابتلا اور انہماک۔ سبب ہوتا ہے اصلی راہ کو چھوڑنے کا۔ ان بداعمالیوں اور قلبی امراض میں حُبّ دنیا کا استیلاء قلوب پر (اسطرح سے کہ اسمیں دوسرے کی گنجائش بھی باقی نہ رہے) یہ بھی داخل ہے۔

محبت کی یہ خاصیت ہے کہ اسمیں محبوب کے علاوہ دوسرے کی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی جس کو ذرا بصیرت سے حصہ ملا ہے وہ ان کے حالات میں غور کرکے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اسی حُب دنیا کے استیلاء نے انکو آخرت سے بالکل بیگانہ بنا دیا ہے کہ اسکی ان کے قلوب میں گنجائش ہی باقی نہیں رہی انمیں یہ ہمت باقی نہیں رہ گئی کہ دنیا کے ساتھ آخرت کا تعلق باقی رکھ سکیں اسقدر دَنی الہمت و پست حوصلہ ہوگئے ہیں۔

یہ علو ہمتی کی بات ہے کہ دنیا کے ساتھ آخرت کا تعلق بھی قائم و باقی رکھا جائے اور اسکے حقوق میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے دیجائے کہ عظیم کے سامنے حقیر کی حیثیت ہی کیا ہے اسکا مقتضا یہ تھا کہ دنیا کا گذر ہی انکے دل میں نہ ہوتا کہ آخرت کریم ہے اور دنیا لئیم،

آخرت اس دل میں آنا نہیں چاہتی جس دل میں دنیا ہو کیونکہ یہ کریم ہے اور کریم لئیم کے یہاں نہیں جاتا۔ یہ بزرگوں کا ارشاد ہے۔

آخرت باقی ہے اور دائم ہے اور دنیا فانی اور زائل ہے فانی اور باقی میں نسبت ہی کیا ہے؟ ان میں تو ایسی نسبت بھی نہیں ہے کہ دریا میں سوئی ڈالنے سے اس میں پانی کا جو قطرہ لگ جائے اس کو جو نسبت دریا کے ساتھ ہے دنیا کو آخرت کے ساتھ یہ نسبت بھی نہیں کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی اور قطرہ سمندر دونوں کے دونوں فانی ہیں اور فانی کو فانی کے ساتھ تو کچھ نسبت ہوتی بھی ہے اور یہاں ایک فانی ہے دوسری باقی اس لئے یہاں تو وہ نسبت بھی نہیں اور جب یہ نسبت نہیں ہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں موجود اور معدوم کی نسبت ہے یعنی ایک موجود ہے دوسری معدوم۔

اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس نسبت کو نہ سمجھا جائے ایک تو دُنیا قلیل پھر اس کی عمر کے مقابلہ میں آدمی کی عمر اقل قلیل۔ لہٰذا اسکے تمتعات بھی اس دُنیا میں جو ہیں وہ بھی اقل قلیل ہیں تو اس تمتع پر نظر کر کے تمتعات آخرت کو نظر انداز کر دینا کس قدر ضعف ایمان ہے۔

فکر آخرت جو مومن کے دل میں ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے عصائے موسیٰ علیہ السلام کہ اس نے ساحرین کے سب عصا کو یکدم نگل لیا تھا اور اس کے آگے سب ختم ہو گئے تھے۔

اسی طرح مومن کے قلب میں جب فکر آخرت پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا کے سب ہموم و غموم اس کے قلب کے آس پاس بھی نہیں آنے پاتے اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

آسکے غیر مرے خانۂ دل میں کیسے
کہ خیالِ رخِ دلدار ہے درباں اپنا

یہ فکر لوازم ایمان سے ہے اب خیال فرمائیے کہ ایسا شخص کیسے دُنیا میں منہمک ہو سکتا ہے اور کیسے اس کے شہوات و لذات کو ترجیح دے سکتا ہے؟ اب جو ترجیح ہو رہی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ فکر آخرت دل میں نہیں ہے اور نہ اس کو پیدا کرنا چاہتے ہیں اسی وجہ سے کسی کام کے نہیں رہ گئے۔ خدا کی نظر

اعتبار سے ساقط ہوگئے۔ دنیا بھی چاہتے ہیں تو وہ بھی نہیں ملتی کیونکہ انھوں نے اپنے خدا کو ناراض کر لیا ہے جس کے قبضہ میں دُنیا اور آخرت دونوں ہے اور مومن جب آخرت کو چھوڑتا ہے تو اس کی دُنیا بھی چلی جاتی ہے اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوجاتا ہے۔

بس اب اسی پر کلام کو ختم کرتا ہوں کہ آخرت باقی ہے اسکا بیان کما حقہ تو وہی ذات کرسکتی ہے جو باقی ہے۔ فانی سے اسکا کیا ذکر ہوسکے۔

ختم شد

(نصیحت)

فرمایا کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس بڑھاپے میں جب کہ کسی چیز کی تحصیل کا وقت باقی نہیں رہا یہ بات سمجھ میں آئی کہ انسان کو کسی کمال کی تحصیل سے جو چیز مانع ہوتی ہے وہ اس کا کبر و عار ہے کیونکہ یہی چیز اس کو کسی کامل کے آگے جھکنے سے منع کرتی ہے، ورنہ ہر زمانہ میں اہل کمال رہتے ہیں جن سے کمال حاصل کیا جاسکتا ہے مگر اسی عار و استکبار کی بنا پر ان کے سامنے جھکتے نہیں اس لئے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا کورے کے کورے ہی رہ جاتے ہیں۔ آدمی جب اپنی خودی و تکبر کو چھوڑتا ہے تب کچھ حاصل ہوتا ہے ؎ ہر کجا پستیت آب آنجا رود

میں حضرات اہل علم کو خصوصاً اس جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج علماء اور طلباء کو کوئی کمال جو نہیں حاصل ہورہا ہے تو اس کی وجہ یہی ان کا عار اور تکبر ہے، یہی ان کی راہ مارے رہتا ہے اس کو اگر سمجھ لیں اور ہمت کرکے اس کو ترک کردیں تو کمال کے درجہ کو پہونچ سکتے ہیں چنانچہ جن لوگوں کو کمال حاصل ہوا ہے وہ اپنے کو مٹانے اور کسی کے آگے خود کو گرانے اور اپنے کبر و عار کو ختم کرنے ہی سے حاصل ہوا ہے!

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰہ

وصی اللہ عفی عنہ

از افادات

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فوائد الصحبۃ

اہلِ کمال کی صحبت کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا بیان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب اخبار الاخیار کے مقدمہ میں اسطرح کیا ہے فرماتے ہیں کہ :۔

اما بعد فقیر حقیر اضعف عباد اللہ القوی الباری عبدالحق بن سیف الدین الترک الدہلوی البخاری معروض می گرداند کہ بر ارباب الباب واصحاب ابصار کہ زمرۂ اہلِ خبرت واعتبار اند محقق ومقرر است کہ مؤثر ترین حالات بلکہ افضل عبادات مصاحبت اہل کمال ومجالست مقربان درگاہ ذوالجلال است زیرا کہ بمشاہدۂ استقامت احوال ایشان سالک را ہمتے دست دہد کہ تحمل اعبای عبادت وبرداشت مشاقِ ریاضت کہ لازم سلوک ایں طریق است آسان شود بلکہ بمعائنۂ جمال ایشان نورے در دل افتد کہ ظلمت ریب وارتیاب کہ علت بُعد وحجاب است

بعد حمد وصلوٰۃ کے فقیر حقیر اللہ قوی و باری کا یہ نحیف ترین بندہ عبدالحق بن سیف الدین ترک دہلوی بخاری عرض پرداز ہے کہ تمام آن اربابِ فہم اور ارباب بصیرت کے نزدیک جن کا شمار باخبر اور قابلِ اعتبار ہستیوں میں کیا جاتا ہے یہ امر محقق اور مسلّم ہے کہ موثر ترین حالات بلکہ افضل ترین عبادات، اہل اللہ کی صحبت، اور مقربانِ خدا کی ہمنشینی ہے اسلئے کہ ان حضرات کی استقامت اور انکے ثبات واستقلال کو دیکھ کر سالک کے اندر بھی ایک قوت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عبادت کا تعب اور ریاضت کی مشقت کا برداشت کرنا جو کہ اس طریق پر چلنے کے لئے لازم ہے اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے بلکہ ان حضرات کے جمال کے مشاہدے سے اسکے قلب میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے شک و

زائل گردد۔		شبہات ی تاریکیاں کہ دراصل وہی بعد و حجاب ہوتی
(اخبار الاخیار صہ ۶)		ہیں اسکے قلب سے زائل ہوجاتی ہیں۔

دیکھئے یہاں حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے مصاحبت اہل کمال کو افضل عبادت فرمایا ہے اور اس کی دلیل بھی بیان فرمائی ہے (یعنی یہ کہ سالک کے قلب میں اُن حضرات کے ثبات واستقامت کو دیکھ کر ہمت و قوت اور انکے جمال کی زیارت سے ایک نور پیدا ہوجاتا ہے پس ہمت کے سبب سے تو اُس سے عبادت وریاضت کی دشواریاں دور ہوجاتی ہیں اور نور کی وجہ سے اس کے دل سے شک وشبہات کی تاریکیاں کافور ہوجاتی ہیں اور جب آدمی کے قلب میں ہمت اور نور پڑگیا تو پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ کا راستہ اس کے لئے بالکل روشن اور آسان ہوجاتا ہے۔ از ناقل) جو بالکل صحیح ہے لیکن میں اسکی ایک اور دلیل بیان کرتا ہوں سنئے:۔

اہل کمال کی مصاحبت اسلئے افضل عبادت ہے کہ یہ مصاحبت ومجالست موجبِ جذب ہے اور یہ جذب (جو کسی کامل کے واسطے سے ہو) باتفاق صوفیہ رحمہم اللہ عبادات کے جذب سے افضل ہے کیونکہ تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین مصنفہ قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی میں ہے کہ "قرب الٰہی کا سبب جذب ہے (یعنی خدا تعالیٰ کا اپنے بندہ کو کھینچ لینا) جذب کبھی بلا واسطے کے ہوتا ہے اس کو اجتبا کہتے ہیں اور اکثر کسی امر کے توسط سے ہوتا ہے اور وہ متوسط بحکم استقراء دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔

ایک عبادت (جو جذب اس کے واسطے سے ہوتا ہے اس کو ثمرۂ عبادت کہتے ہیں) دوسری انسان کامل کی صحبت (اور جو جذب اس کے توسط سے ہوتا ہے اس کو تاثیر شیخ کہتے ہیں) یہ تاثیر، تاثیر عبادت سے بڑھ کر ہے لہٰذا جو جذب شیخ کامل کے توسط سے ہوتا ہے وہ بڑھا ہوا ہوتا ہے اس جذب سے جو کہ عبادات کے واسطہ سے ہوتا ہے کیونکہ عبادت کے ذریعہ انسان کسی ایک مقام پر پہنچکر رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ فرشتوں کے باب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اور شیخ کامل سے جو جذب ملتا ہے وہ ترقی کرتی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ شیخ کے مقام تک پہنچا سکتا ہے۔

نیز تحفۃ السالکین میں مشائخ کی تاثیر کے بیان میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

مسئلہ:۔ ناقصوں کو ولایت حاصل نہیں ہوتی مگر کاملوں کی تاثیر صحبت سے کیونکہ صرف

بنا انکی عبادات، ولایت کا ثمرہ نہیں لاسکتیں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ جذب مطلق یعنی اجتبا انکے حق میں خدا تعالیٰ کے ساتھ مناسبت نہ رکھنے کے باعث متصور نہیں ہے اس لئے حق سبحانہ تعالیٰ سے حصول فیض عوام الناس کے حق میں متصور نہیں ہے مگر کسی ایسے شخص کے توسط سے جو باطن میں خدا سے اور ظاہر میں بندوں سے مناسبت رکھتا ہو اور وہ (متوسط) اللہ کا رسول یا اُسکا نائب ہے۔ انتھیٰ کلامہ (تحفۃ السالکین)

اور اہل کمال کی مصاحبت اسلئے بھی ضروری ہے کہ وہ موجب ہے محبت کی اور محبت موجب ہے تمام احکام شرعیہ کے اتباع کا۔ محبت خود بھی فرض ہے اور تمام فرائض و واجبات وغیرہ کا ذریعہ بھی ہے۔

اور محبت الٰہی کی فرضیت کی تصریح علمائے ظاہر نے بھی کی ہے۔ چنانچہ صاحب فتح الباری نے بخاری شریف کی حدیث ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ الحدیث کی شرح کرتے ہوئے فائدہ کے تحت لکھا ہے کہ:۔

ومحبۃ اللہ تعالیٰ علی قسمین فرض و ندب۔ فالفرض المحبۃ التی تبعث علی امتثال اوامرہ والانتھاء عن معاصیہ والرضا بما یقدرہ فمن وقع فی معصیۃ من فعل محرم اوترک واجب فلتقصیرہ فی محبۃ اللہ حیث قدم ھوی نفسہ۔ (فتح الباری ص۱۱)

اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے دو درجے ہیں فرض اور مستحب پس فرض تو وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کے امتثال اور اس کے معاصی سے اجتناب اور اس کی تقدیر پر راضی رہنے پر انسان کو اُبھارے اور آمادہ کرے لہذا جو شخص بھی کوئی گناہ کرتا ہے خواہ محرمات میں سے کسی کا ارتکاب کرکے یا واجبات میں سے کسی کو ترک کرکے تو یہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی کی کمی کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ اس طور پر کہ اس نے اپنی خواہش کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر مقدم کرلیا (اور یہ بدون محبت کی کمی کے نہیں ہوسکتا)۔

صاحب فتح الباری کے کلام سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی محبت کا ایک درجہ فرض ہے اور یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ محبت اہل محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اسکا محل اہل اللہ کا سینہ ہے سفینہ نہیں ہے۔ اسی کی بابت کہا جاتا ہے کہ بزرگوں سے یہ سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہے اور اسکے حصول کا طریق صحبت ہی ہے اس سے اس کی ضرورت کا اندازہ لگالیجئے کہ

تاثیرِ صحبت کے متعلق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

تو ہمی دانی کہ قربِ اولیا صد کرامت دارد و کار د کیا

نیز مثنوی ہی کا ایک بہت معروف شعر اور ہے ؎

یک زمانے صحبتے با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

آج تو اس شعر کو لوگ مجمع میں پڑھتے ہوئے گھبراتے ہیں اور اگر کسی اہل علم سے اس کے معنی دریافت کئے جائیں تو وہ کسی تاویل کے بعد ہی اسکا مفہوم واضح کرسکے گا حالانکہ محققین کا کلام اس پر دال ہے کہ یہ شعر اپنے مضمون میں عین حقیقت ہے اور اسمیں کسی توجیہ و تاویل کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے۔

اس شعر کا مطلب بیان کرتے ہوئے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "یک زمانہ" سے مراد ایک مخصوص ساعۃ ہے یعنی جس کو کسی بزرگ کی مصاحبت اس خاص وقت میں میسر ہو جائے تو وہ اس کے لئے بلاشبہہ صد سالہ طاعتِ بے ریا سے بہتر ہے کیونکہ اسمیں تو اسکا کام ہی بن جائے گا۔ یہی مطلب ہے حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس عبارت کا کہ "ولایت نظری کے یہ معنی ہیں کہ بعض وقت بدون اختیار عارف کے ایسا ...... آجاتا ہے کہ عارف کی نظر میں اور توجہ میں اثر ہوتا ہے جس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس پر ایک اثر پڑتا ہے جس سے وہ ملون ہو جاتا ہے مثل آفتاب کے کہ جب وہ نمایاں ہوتا ہے تو ہر شئے پر اس کی شعاع ہوتی ہے مگر جو طبع مصفی قابل ہوتی ہے تو ...... انوار کا عکس آتا ہے اور نہیں تو حرارت کا اثر ہوتا ہے اسمیں بھی تفاوت استعداد ہے۔ آئینہ پر نور زیادہ ہوتا ہے اور عاج پر کم۔ پتھر پر گرمی زیادہ اور گارے پر کم۔ علیٰ ہذا۔"

(مکتوبات رشیدیہ ص۵۹)

لیکن ایک دوسرے مقام پر خود حضرت گنگوہیؒ نے ہی تصریح کی ہے کہ شیخ سے مُرید کو ایمان اور فرائض ملتے ہیں مگر اس جگہ کسی خاص ساعۃ کی قید نہیں ہے۔ بلکہ مطلق تاثیر صحبت کا بیان کیا ہے۔ مکتوبات ص۱ میں ہے کہ شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "اصل یہ ہے کہ شیخ مرید کو لیجاتا ہے اور فضل یہ ہے کہ مرید شیخ کو لیجاوے پدر مفلس کو اگرچہ زکوٰۃ درست نہیں مگر صدقہ نافلہ جائز ہے علیٰ ہذا۔" اصل اور فرائض تو مرید سے شیخ کو ملنا محال ہے مگر ترقی حالات ملنا عجب نہیں۔ انتہیٰ کلامہ

اسی طرح تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین میں حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

العزلۃ خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من العزلۃ۔ یعنی گوشہ نشینی بُرے ہم نشین سے اچھی ہے اور نیک ہم نشین گوشہ نشینی سے اچھا ہے جاہلوں اور فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جو دنیا میں مستغرق رہتے ہیں۔ کارخانۂ باطن کو خراب کر دیتی ہے خصوصاً مبتدی صوفیوں کے حق میں سخت مضر ہے جیسا کہ تھوڑے سے پانی کو نجاست پلید کر دیتی ہے صوفیوں اور صاحب دلوں اور ولیوں کی ہم نشینی و صحبت اللہ کے ذکر و عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے اجلس بنا نومن ساعۃ یعنی ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم آپس میں ایمان تازہ کر لیا کریں۔

اسی طرح اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ فرمود "صحبت نیکاں بہ از کار نیک و صحبت بداں بدتر از کار بد" یعنی نیک صحبت نیک اعمال سے بہتر ہے اور بُری صحبت بُرے افعال سے بدتر ہے۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ یہ مسئلہ جس طرح نقول صوفیہ سے ثابت ہے اسی طرح عقلی بھی ہے۔ کیونکہ نیکی فرع ہے نیک کی جس طرح بدی فرع ہے بد کی۔ یعنی نیکی جب بھی کسی کو حاصل ہوگی تو کسی نیک ہی سے حاصل ہوگی۔ اس طرح کہ صحبت کی برکت سے پہلے وہ خود نیک ہوا ہوگا اسکے بعد اسکو نیکی یعنی طاعت کی توفیق ہوئی ہوگی۔ یہی حال بدی کا ہے کہ انسان اولاً بد ہوتا ہے بُروں کی صحبت سے پھر جب وہ بد ہو لیتا ہے تو اُس سے اور بھی طرح طرح کی بُرائیاں (معاصی) صادر ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جس فرد یا جماعت کو نیک اور مرد صالح دیکھینگے تو تحقیق کرنے پر ضرور انکا تعلق کسی نہ کسی مرد صالح سے پائیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کسی کو ذکر کی یا دوام ذکر کی توفیق ہوتی ہے وہ اس کی کسی بزرگ سے صحبت یا دوام صحبت کا نتیجہ ہوتی ہے +

اسی طرح شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل میں صحبت کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ پانچویں شرط یہ ہے کہ بیعت لینے والا مرشد کامل کی صحبت میں رہا ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو زمانہ دراز تک ان سے باطنی نور اور اطمینان حاصل کیا ہو اور یہ یعنی صحبت کاملین اس واسطے شرط ہوئی کہ عادت الٰہی یوں ہی جاری ہوئی ہے کہ مراد

نہیں ملتی جب تک کہ مراد پانے والوں کو نہ دیکھے جیسے انسان کو علم نہیں حاصل ہوتا مگر علماء کی صحبت سے۔ اور اسی قیاس پر ہیں اور پیشے جیسے آہنگری بدون صحبت آہنگر کے یا نجاری[۵۸] بدون صحبت نجار کے نہیں آتی۔"

مترجم لکھتے ہیں کہ مولانا (شاہ ولی اللہ صاحبؒ) نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ جریان سنۃ اللہ کا بھید یہ ہے کہ انسان اسی نہج پر مخلوق ہوا ہے کہ یہ کمالات کو حاصل نہیں کرسکتا بدون اپنے ابناء جنس کی شرکت اور معاونت کے۔ بخلاف اور حیوانات کے کہ ان کے کمالات پیدائشی ہیں اور کسبی نہایت کم۔ چنانچہ تیرنا حیوانات میں پیدائشی کمال ہے اور انسان کو بغیر سیکھے نہیں آتا (انتہیٰ کلام المحشی)۔

(شفاء العلیل ص۲۱)

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کلک کا قلم استعمال فرماتے تھے جب اسکو بنوانے کی ضرورت ہوتی تو دوسروں سے بنواتے تھے اور اسی موقعہ پر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو میں نے قلم بنانا استاد سے نہیں سیکھا اس لئے مجھے خود بنانا نہ آسکا۔

میں کہتا ہوں کہ صحبت کاملین کو افضل العبادت کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں جب کبھی ہدایت ہوئی ہے تو ہمیشہ کسی نبی یا نائب نبی (یعنی کسی ولی) ہی کی بدولت ہوئی ہے کیونکہ عبادت کے عبادت ہونے کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے اور علم حاصل ہوتا ہے۔ صحبت کامل اور اُستاد سے پس جب عبادت کا عبادت ہونا ہی صحبت کامل پر موقوف ہوا تو صحبت کامل بھی افضل العبادت ہوئی صحبت کامل نہ ہو تو دنیا میں عبادت کا نہ علم رہ جائے نہ عمل۔

حضرت اقدس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر باعمل سکھانے والے نہ ہوتے تو محض کتب فقہ کو دیکھ کر لوگوں میں ساری نماز تو درکنار اُس کے ایک رُکن مثلاً رکوع ہی کے بارے میں نہ جانے کتنا اختلاف ہوتا۔ کوئی کہتا کہ رکوع یوں ہونا چاہیئے۔ کوئی کہتا کہ نہیں بلکہ یوں ہونا چاہیئے آج جو اُمت رکوع و سجود کی کیفیت وغیرہ میں باہم متفق ہے تو یہ سب علماء اور کاملین کی صحبت ہی کی برکت ہے۔

حاصل یہ کہ اسی مختصر سے بیان سے آپکو مصاحبت کامل کی ضرورت اور اسکی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا۔ پس اسی سے سمجھ لیجئے کہ آج عوام جو محروم ہیں اس کی یہی وجہ ہے

[۵۸] بڑھئی کا کام۔

کہ جو چیز اس درجہ ضروری بلکہ انکے لئے حصول دین کا موقوف علیہ تھی وہ گیا۔ اسی کے منکر ہو رہے ہیں عام طور پر لوگوں کو علماء عاملین اور مشائخ کاملین سے وحشت اور اعراض ہے مگر اللہ والوں سے دور رہ کر بھلا کوئی شخص کیونکر فلاح پا سکتا ہے جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے صحبت صلحاء کی ضرورت بیان فرمادی ہے ارشاد ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۞ یعنی صادقین کی صحبت اختیار کرو تب ہی تقویٰ پا سکو گے۔

نیز تحفۃ السالکین میں ہے کہ :۔

مسئلہ :۔ پیغمبروں کے بھیجنے سے اصل مدعا یہی تاثیر صحبت ہے۔ کیونکہ فقہ اور عقائد کے مسئلے ملائکہ سے بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں جیسا کہ جبرئیلؑ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

هٰذَا جِبْرِيلُ جَاءَكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ دِينَكُمْ ۔ یعنی یہ جبرئیل ہیں جو تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں اسلئے ثابت ہوا کہ مناسبت تامہ ہی پر تاثیر صحبت موقوف ہے جس کا ثمرہ ولایت ہے اور اسی لئے پیغمبر نوع انسانی میں سے آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ بیشک تمہارے پاس رسول آئے تمہاری جنس سے اور فرمایا لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ الآیۃ ۔ (تحفہ ص۳۵)

مسئلہ :۔ صرف ریاضت بغیر تاثیر صحبت کے نفس کی برائیاں دور کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی اور انبیاء جن کو بالاصالت کمالات ولایت اور کمالات نبوت حاصل ہیں انکی صحبت کی تاثیر اور نیک لوگوں کی صحبت کی تاثیر (جو تبعاً کمالات نبوت رکھتے ہیں جیسے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رذائل نفس دور کرنے کے لیے اور نیز ولایت حاصل کرنے کے لئے کافی ہیں لیکن نہ اتنی جلدی کہ دو ایک صحبتیں کافی ہوں بلکہ بڑی مدت میں۔ دوسرے اولیاء کی تاثیر صحبت مرید کی ریاضت کے بغیر کافی نہیں ہو سکتی۔ اگر فقط جذب کسی ولی سے حاصل ہوا ہو تو بلا ریاضت اور سلوک کے ہوتا ہے۔ (ص۳۵)

مسئلہ :۔ جذب الٰہی جو انبیاء علیہم السّلام کے واسطہ کے بغیر ہوتا ہے وہ خالص اجتباء ہے اور ایسے ہی وہ جو انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ہے اور جو اولیاء کے واسطے سے ہے

وہ خالص ہدایت ہے جو نیابت پر موقوف ہے اور جو ارباب کمالات نبوت یعنی اصحاب رضی اللہ عنہم یا دوسرے لوگوں کے واسطے سے ہو وہ ایسا اجتباء ہے کہ جس میں ہدایت کی بو ہے یا ایسی ہدایت ہے جسمیں اجتباء کی بو ہے۔ پہلی قسم کو مرادیت اور دوسری قسم کو مریدیت کہنا مناسب ہے۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ؀ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اجتباء کرتا ہے۔ یعنی بلا کوشش کے انتخاب فرما لیتا ہے اور جو رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت کرتا ہے۔ (تحفہ ص۳)

نیز تحفۃ السالکین میں عبادات کی برکات کے بیان میں ہے کہ:۔

مشائخ نے کہا ہے کہ ناقص کی عبادت سے صرف اس قدر قرب حاصل ہوتا ہے کہ اگر بالفرض کوئی شخص پچاس ہزار سال عبادت کرے تو اولیاء کے ادنیٰ درجہ کو پہونچے گا اور رتبۂ ولایت پاوے گا۔

خدائے تعالیٰ کا یہ قول گویا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ ؀ یعنی فرشتے اور جبرئیلؑ ایک دن میں جسکی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں۔۔ اور چونکہ دنیا کی ساری عمر بھی اس قدر نہیں ہوتی اس لئے ولایت کا حصول صرف ریاضت اور مجاہدہ سے متصور نہیں ہو سکتا۔

مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ سیر عارف یک دمے تا تخت شاہ

اسلئے واضح رہے کہ مشائخ جو مریدوں کو ریاضت و مجاہدہ کا حکم دیتے ہیں اس سے مقصود تصفیۂ عناصر اور تزکیۂ نفس ہے نہ کہ حصول قرب۔ بلکہ تصفیہ اور تزکیہ بھی صرف عبادت سے نہیں ہوتا جب تک کہ صحبت مشائخ کی تاثیر اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔

(تحفہ ص۳۲)

نیز علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جو شخص بزرگوں کی صحبت کی دولت سے محروم ہو اسکو چاہیئے کہ وہ ان حضرات کے حالات ملفوظات انکے قصص و حکایات کا مطالعہ کرے کیونکہ ان حضرات کا کلام بھی تاثیر میں انکی صحبت ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

بعد از حرمانِ دولتِ صحبتِ کاملان و اور کاملین کی صحبت کی دولت اور عارفین کی زیارت

مشاہدہ جمال عارفان استماع اخبار و تتبع آثار ایشان در ہمت فسر بائی و در ظلمت زدائی ہماں تاثیر دارد کہ صحبت و مجالست بلکہ ایں نیز نوعے از صحبت است کہ جمال وقت در دے، از غبار کدورت بشری و حجاب صورت عنصری مصفیٰ است، صفائے حسن عقیدت از مشاہدہ عادات و اطلاع بر زلات منزہ و معرا۔ (اخبار الاخیار)

کی نعمت سے محروم ہونے کی حالت میں ان حضرات کے اقوال و حکایات کا سننا اور انکے حالات کا تتبع کرنا بھی سالک کی ہمت کو بڑھانے اور اسکے قلب سے ظلمت کو دور کرنے میں وہی تاثیر رکھتا ہے جو ان کی صحبت اور ہم نشینی رکھتی ہے بلکہ یہ بھی ایک قسم کی صحبت ہی ہے (وہ بھی ایسی کہ) وقت اور شکل کا جمال، بشری کدورتوں کے غبار اور صورت عنصری کے حجاب سے بالکل صاف ہوتا ہے اور حسن عقیدت کی صفائی طبعی امور کے مشاہدہ نیز ان کی لغزشوں پر اطلاع پانے سے منزہ ہوتی ہے۔

یعنی جسمانی مصاحبت میں تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالک کے لئے کسی بزرگ کی بشریت اور اس کی انسانی کمزوریاں حصول فیض کے لئے اس طالب کے حق میں حجاب بن سکتی ہیں یا بعض طبعی امور یا انکی کوئی لغزش دیکھ کر سالک کی عقیدت میں تغیر ہو سکتا ہے لیکن ان کے حالات اور قصص میں تو صرف ان کے جمال و کمال ہی کا پہلو ہوگا لہذا اسکا نافع ہونا اور احتمال ضرر سے خالی ہونا ظاہر ہے۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ بزرگوں کے حالات اور ان کے مقالات کا سننا اور دیکھنا بھی گویا ان کی صحبت ہی میں بیٹھنا ہے اور تاثیر کی رو سے صحبت کا نعم البدل ہے۔

جس طرح یہاں سے بزرگوں اور کاملین کے کلام کا مثل انکی صحبت کے نافع ہونا معلوم ہوا اسی طرح سمجھئے کہ بروں کی صحبت کا (مانند ان کے کلام کے) بھی اثر دوسروں پر برا ہی پڑتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنی گفتگو کیسے ہی عمدہ اور خوشنما پیرایہ میں کیوں نہ پیش کریں مگر صاحب ذوق پر اس کی تلخی مخفی نہیں رہتی۔ چنانچہ مولانا رومؒ نے وزیر خادع کے قصہ میں بیان فرمایا ہے کہ :- ؎

ہاں مشو مغرور زاں گفت نکو | زانکہ باشد صد بدی در زیر او
ہر کہ باشد زشت گفتش زشت داں | ہر چہ گوید مردہ آنرا نیست جاں
گفت انساں پارۂ انساں بود | پارۂ از ناں یقیں ہم ناں بود

(مولانا رومؒ بطور نصیحت کے فرماتے ہیں) کہ

ایسے مکاروں کے ظاہری کلام دلپسند پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کے باطن میں صدہا خرابیاں ہوتی ہیں جو شخص خود اخلاق ذمیمہ رکھتا ہوگا اسکا کلام ضرور بُرا اثر رکھے گا اور مردہ دل جو کہے گا اس میں بھی جان یعنی تاثیر نہ ہوگی۔ کیونکہ انسان کا کلام مثل جُزو انسان کے ہے (تابع ہونے میں پس جیسا متکلم ہوگا ویسا ہی اس کا کلام بھی ہوگا) جس طرح مردو ٹی کاٹکڑا روٹی ہوتا ہے۔ (کلید مثنوی ص۸۵ ج۱)

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے شرح وصیت نامہ (شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ) میں صحبت کاملین کو کبریت احمر فرمایا ہے

چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

شرع وعقل حاکم است کہ دفع ضرر از جلب منفعت اہم ومقصود باید داشت پس جائیکہ احتمال ضرر باشد از آنجا باید گریخت وشخصے کہ او متقی دریافتہ شود بادے صحبت داشتن ودست در دست او دادن قباحتے ندارد واحتمال ضرر آنجا مفقود است فائدہ از او رسد یا نہ رسد پس اگر صحبتش تاثیر کند وآں تاثیر نزد علماء ظاہر وباطن معتبر باشد صحبت ایں چنیں مرد کبریت احمر داند وغنیمت شمارد واگر صحبتش تاثیر ندارد یا آں تاثیر نزد اکابر معتبر نیست حسن ظن باآں شخص داشتہ صحبت او را ترک دہد واز جائے دیگر راہ خدا طلب کند کہ مقصود خداست نہ آں مرد۔

(حاشیہ بالا بدمنہ)

شرع اور عقل ہر دو کا فیصلہ ہے کہ دفع ضرر (یعنی نقصان کے دفع کرنیکو) جلب منفعت (نفع کے حاصل کرنے) سے زیادہ اہم اور مقصود سمجھنا چاہئے لہٰذا جس جگہ ضرر کا احتمال ہو وہاں سے دور بھاگنا چاہئے اور جو شخص بظاہر متقی معلوم ہوتا ہو اسکی صحبت میں بیٹھنے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (کیونکہ) وہاں ضرر کا احتمال (تو بہر حال) نہیں ہے خواہ اس سے اسکو فائدہ بھی پہونچے یا نہ پہنچے پس اگر اسکی صحبت مُؤثر ہو اور وہ تاثیر علماء ظاہر وباطن کے نزدیک معتبر بھی ہو تو ایسے شخص کی صحبت کو کبریت احمر (اکسیر) سمجھنا چاہئے اور ایسا غنیمت شمار کرنا چاہئے اور اگر اسکی صحبت موثر نہ ہو یا وہ تاثیر اکابر کے نزدیک معتبر نہ ہو تو اس شخص سے حسن ظن رکھتے ہوئے اسکی صحبت کو ترک کر دینا چاہئے اور خدا کا راستہ کسی اور جگہ سے تلاش کرنا چاہئے۔ کیونکہ مقصود حق تعالیٰ ہے نہ کہ وہ شخص۔

آگے تاثیر معتبرہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

وتاثیرے کہ اکابر آنرا معتبر داشتہ اند آنست کہ در صحبتش حالے پیدا شود کہ دل از دنیا سرد شود ومحبت خدا و دوستاں خدا واعمال صالحہ و توفیق حسنات واجتناب و بیزاری از سیات دست دہد و از صحبتش بمقتضائے "اذا رؤوا ذکر اللہ" خدا یاد آید ودوام حضور حاصل گردد و دریاد الٰہی اطمینان وجمعیت دست دہد ہر قدر کہ اعمال صالحہ کند نسبتے وحالتے کہ ازاں بوے رسیدہ است درآں قوت بیند وہر قدر کہ از معصیت پدید آید تنگ دلی وبے آرامی اورا درگیرد ونسبتے وحالتے کہ ازاں بزرگ اورا رسیدہ بود نقصان پذیرد و قال علیہ السلام اذا سرتک حسنتک وساء تک سیئتک فانت مومن کنایت از ہمیں اطمینان وتنگی است ۔

اور جس تاثیر کو اکابر نے معتبر قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان بزرگ کی صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے (سالک میں) ایک ایسا حال پیدا ہو جائے کہ (جس کی وجہ سے) دل دنیا سے سرد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نیز اللہ والوں اور اعمال صالحہ سے محبت ہو جائے۔ نیز نیکیوں کے کرنے کی اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جانے کی اور اس سے بچنے کی توفیق ہو جائے اور انکی صحبت سے بمقتضائے حدیث انکو دیکھ کر اللہ تعالیٰ انکو یاد آئے اور دائمی حضور نصیب ہو اور حق تعالیٰ کی یاد میں محبت اور طمانیت محسوس ہو اور جس قدر کہ اعمال صالحہ کرتا جائے تو اس نسبت میں جو اس بزرگ سے اس کو حاصل ہوئی ہے قوت مشاہدہ کرے اور جس قدر کہ اس سے معاصی کا صدور ہو اس کی وجہ سے اسکا دل تنگ ہو اور اپنے اندر ایک بیکلی محسوس کرے اور اس نسبت وحالت میں جو ان بزرگ (کی صحبت) سے اس کو حاصل ہوئی ہے کمی ہونے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں کہ جب اپنی نیکیوں سے تم کو خوشی اور اطمینان حاصل ہو اور اپنی برائی سے تم خود تنگی محسوس کرو اور تم کو اس سے تکلیف پہونچے تو سمجھو کہ تم مومن ہو۔ اسی اطمینان اور تنگی کیطرف اشارہ ہے۔

(حاشیہ بالا بدمنہ ص۱۳۲)

اسی طرح تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین میں ثبوت ولایت اور اسکے متعلقات کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

چوتھی دلیل :- یہ ہے کہ بیشمار لوگوں کی ایک جماعت جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عقل محال سمجھتی ہے اور وہ اس قسم کی جماعت ہے کہ اسکا ہر ایک فرد بشر تقویٰ و علم کے

باعث ایسا درجہ رکھتا ہے کہ اس پر جھوٹ کی تہمت لگانا جائز نہیں ہے زبان قلم سے اور قلمِ زبان سے خبر دیتی ہے کہ ہم کو مشائخ کی صحبت کی وجہ سے جن کی صحبت کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے عقائدِ حقہ اور فقہ کے سوا جن سے وہ انکی صحبت سے پیشتر بھی بہرہ یاب تھے۔ باطن میں ایک نئی حالت پیدا ہو گئی ہے اور اس حاصل شدہ حالت سے ان کے دل میں خدا اور خدا کے دوستوں سے محبت اور اعمال صالحہ کا شوق اور نیکیوں کی توفیق اور سچے اعتقادات اور زیادہ راسخ ہو گئے ہیں یہی حالت ہے جس کو کمال کہنا چاہئے اور یہی حالت بہت سے کمال کی موجب ہے۔ (تحفۃ السالکین صہ ۴)

اس سے بھی صحبت اہل کمال کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح مولانا رومؒ کے ذیل کے اشعار بھی ضرورت صحبت اہل کمال کی بیّن دلیل ہے ؎

روئے ہر یک می نگر می دار پاس | بو کہ گردی تو ز خدمت روشناس
دیدن دانا عبادت ایں بود | فتح ابوابِ سعادت ایں بود

یعنی اوپر کے شعر میں جو اہل اللہ کی قسمیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک کی زیارت کیا کرو اور ادب کا لحاظ رکھا کرو۔ شاید انکی خدمت کی برکت سے تم کو بھی اہل حق اور اہل باطل کی روشناسی کا سلیقہ ہو جائے۔

آگے فرماتے ہیں کہ یہ جو منقول ہے کہ عالم کا دیکھنا عبادت ہے اُس عالم سے بھی اہل اللہ مراد ہیں ان ہی کا دیکھنا عبادت اور ان ہی کی خدمت سے ابوابِ سعادت مفتوح ہوتے ہیں۔ (کلید مثنوی صہ ۶۲)

ایک اور مقام پر مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

در فضائے عرصۂ آں پاک جاں | تنگ آمد عرصۂ ہفت آسماں
گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است | من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در زمین و آسمان و عرش نیز | من نگنجم ایں یقیں داں اے عزیز
در دلِ مومن بگنجم اے عجب | گر مرا جوئی دراں دلہا طلب

یعنی وسعتِ میدان روح پاک کے مقابلہ میں ساتوں آسمان کا میدان تنگ ہے (یعنی آدم علیہ السلام میں کمالات روحانی تھے اور روح میں بڑی وسعت ہے جس کی وجہ سے اسکا مجرد ہونا اور صفات میں حق تعالیٰ سے مناسبت ہونا ہے۔ بخلاف آسمان کے کہ اولاً تو اس میں

یہ روح مجرد نہیں پھر باری تعالیٰ کے ساتھ جو منزہ ہیں اتنی مناسبت نہیں اسلئے اُس قدر وسعت کمالات کی نہ ہوگی آگے اس کی تائید ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (یعنی حدیث قدسی ہے) کہ میں کہیں بالا و پست میں نہیں سما سکتا ہوں یعنی نہ زمین نہ آسمان میں بلکہ عرش میں بھی نہیں سما سکتا اس کو یقین سمجھو مگر عجب بات ہے کہ مومن کے قلب میں سما جاتا ہوں۔ (کما قیل فی ہذا المعنی)

در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ	یہ تو حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں

(از ناقل)

لہٰذا اگر تو مجھ کو طلب کرنا چاہتا ہے تو ان کاملین کے قلوب میں طلب کر، مراد یہ ہے کہ ان سے فیض باطنی حاصل کرو تو وہی کمالات محبت و معرفت وغیرہ تم میں پیدا ہو جائیں گے اور یہی وصول الی اللہ ہے۔ وقال فی موضع آخر ؎

ہست معذور ریش معذوری من	ہست رنجوریش رنجوری من
گو نشیند در حضور اولیا	ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
تو ہلاکی زانکہ جزوی نہ کلی	از حضورِ اولیاء گر بگسلی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

ہست دانا رحمۃ للعالمیں	جملہ دانایاں ہمیں گفتہ ہمیں
تا وہ خندہ ز دانہ او خبر	گر انارے می خری خنداں بخر
بنماید دل چو دُر از دُرجِ جان	اے مبارک خندہ اش کو از دہاں

اور کمال باطن حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا تھا کہ اولیاء اللہ کی خدمت و صحبت اختیار کرنا چاہئے۔ اب اولیاء اللہ کی شناخت بتلاتے ہیں اور مدعیان مزوّرہ سے بچاتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ تمام داناؤں کا یہی قول ہے کہ اگر انار خریدنا ہو تو کھلا ہوا دیکھ کر خریدو تاکہ اسکا خندہ اس کے دانے کا حال بتلا دے اور بیچ میں کہہ دیا کہ واقعی دانا آدمی بھی لوگوں کے حق میں موجب رحمت ہوتا ہے پھر انار کا ذکر فرماتے ہیں کہ اس کا خندہ بھی کیسا مبارک ہوتا ہے کہ اپنے دہن سے (یعنی باہر سے) اپنا دل (یعنی دانہ) جو مشابہ موتی کے ہے دکھلا دیتا ہے اور دہن سے نظر آنا ایسا ہے جیسے صندوقچہ جالی سے نظر آرہا ہو۔

اسی طرح سے عارفین نے کہ رحمت الہٰی ہیں فرمایا ہے کہ اگر پیر بناؤ تو اس کی شناخت کرو کہ اسکے انوار و برکات باطنی ظاہر میں نمایاں ہوتے ہیں یعنی ان میں اخلاق حمیدہ وصفات مرضیہ ہوں اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر قلب میں حلاوت ولایت و نور و سرور و جمعیت و سکون و محبت الہٰی و بے رغبتی دنیا معلوم ہوتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ وقال علیہ السلام إِذَا رُءُوا ذُكِرَ اللهُ اور چونکہ بعض مکار اور مدعی بھی بتکلف اخلاق حمیدہ اختیار کرتے ہیں اسلئے امتیاز کا طریقہ بتلاتے ہیں اور ان کو لالہ سے تشبیہ دیتے ہیں ؎

نامبارک خندہ آں لالہ بود کز دہانِ او سوادِ دل نمود

یعنی بے برکت لالہ کا خنداں ہونا ہے کہ اس کے دہن ہی سے دل کی سیاہی نظر آتی ہے اسی طرح گو مدعی بتکلف اخلاق و افعال حمیدہ اختیار کرتے ہیں مگر چونکہ اس میں اخلاص نہیں ہوتا ہے اس لئے اس کا اثر طالب کے قلب پر نور و سرور نہیں ہوتا بلکہ وحشت و ظلمت اور پرگندگی قلب پر معلوم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اوصاف حمیدہ و برکات قلبیہ سے کاملیت کی پہچان ہو سکتی ہے۔ آگے ان کی صحبت کے برکات بتلاتے ہیں ؎

نارِ خنداں باغ را خنداں کند صحبت مردانت از مرداں کند
یک زمانے صحبتے با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

یعنی جس طرح انار خنداں تمام باغ کو رونق دار و پُر بہار کر دیتا ہے اسی طرح مردانِ خدا کی صحبت تم کو مردِ خدا بنا دیتی ہے۔ تھوڑی دیر تمہارا اولیاء اللہ کے پاس بیٹھ جانا صد سالہ طاعتِ بے ریا سے بہتر ہوتا ہے۔ اگر تم سنگِ خارہ یا سنگ مرمر بھی (یعنی ناقص) ہوگے مگر صاحب دل کی صحبت میں پہونچ جاؤگے تو گوہر (یعنی کامل) بن جاؤگے۔ ؎

مہر پاکاں درمیانِ جاں نشاں دل مدہ الا بمہرِ دلخوشاں
کوئے نومیدی مرو کامیدہاست سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست
دل ترا در کوئے اہل دل کشد تن ترا در حبس آب و گل کشد

اس لئے پاک لوگوں کی محبت کو دل میں جگہ دینی چاہئے (مگر ہر شخص پر فریفتہ مت ہوجانا بلکہ) جو لوگ نیک باطن ہیں انھیں کی محبت کرنا (اور یہ سمجھنا کہ ایسے کامل کہاں ہیں پھر کس کے پاس جائیں یہ تو ناامیدی کی بات ہے اور) ناامیدی کی راہ مت چلو کیونکہ خدائے تعالیٰ کے فضل سے بہت امیدیں ہیں (اور اللہ تعالےٰ کاملین کو ہر زمانہ میں پیدا کرتے رہتے ہیں) ظلمت یعنی مدعیان مزور کی طرف مت جاؤ۔ خورشید یعنی منور باطن لوگ موجود ہیں تمہارا دل تم کو ان اہلِ دل کے پاس پہنچاوے گا اور (طلب میں کاہلی مت کرو) یہ جسم تم کو زندان آب و گل یعنی لذات نفسانیہ کی طرف کھینچے گا (جس کا انجام برا ہوگا) ؎

ہیں غذائے دل بدہ از ہمدمے رو بجو اقبال را از مقبلے
دست زن در ذیل صاحب دولتے تاز افضالش بیابی رفعتے
صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

(یعنی ہم تم کو متنبہ کرتے ہیں کہ دل کو اس کی غذا یعنی محبت و معرفت کسی ہمدل سے دے کر دینا چاہئے اور اقبال کو کسی صاحبِ اقبال سے لینا چاہئے اور کسی صاحبِ دولت یعنی صاحبِ باطن کا دامن ہاتھ میں لانا چاہئے تاکہ اس کی عنایات سے تم کو رفعت باطنی حاصل ہوجائے کیونکہ صحبت ہی وہ تاثیر ہے کہ صالح کی صحبت تم کو صالح بنادیتی ہے۔ اسی طرح طالح (بدبخت) کی صحبت تم کو طالح بنادیتی ہے۔

(کلید مثنوی دفتر اول صفحہ ۱۴۱)

میرے خیال میں ضرورت (صحبت) کا اثبات ہوگیا اس لئے اب میں اس کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ علم و عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ختم شد
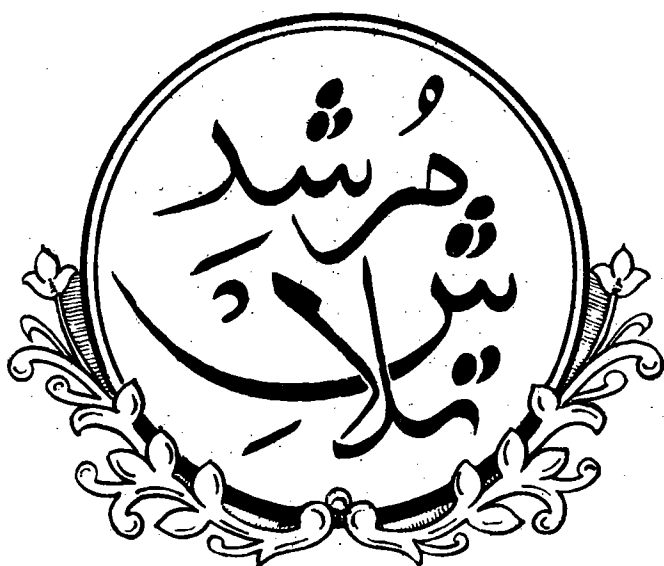
رسالہ

از افادات

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تلاش مُرشد

نحمدہٗ ونصلے علٰی رسولہ الکریم۔ اللہ تعالیٰ کی طلب اس دار دنیا میں ایمان کے لوازم سے ہے جس قدر ایمان ہوگا اسی قدر یہ طلب ہوگی اور جس طرح سے یہ طلب ایمان کے لوازم سے ہے اسی طرح حیرانی و سرگرانی بھی طلب کے لوازم سے ہے۔

چنانچہ ووجدک ضآلًّا فھدیٰ کی ایک تفسیر اسی حیرانی سے بھی کی گئی ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اور اس کو صوفیاء اپنے کلام میں حیرت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حیرت محمود ہے۔ ان حضرات کے یہاں حیرت کی دو قسمیں ہیں ایک محمود ہے اور ایک مذموم، حیرت محمود تو یہی ہے جو بیان ہوئی اور مذموم یہ ہے کہ انسان کو محبوب کی طلب سے غفلت ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ راستہ کو چھوڑ دیتا ہے اور راستہ کو چھوڑ دینے کے لئے حیرانی و سرگردانی لازم ہے، اسی کے سبب وہ حیران رہتا ہے، یہ حیرانی مذموم ہے اور کل دنیا داروں کو حاصل ہوتی ہے بلکہ انکے لازم حال رہتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اپنے مستقل مرکز یعنی اللہ تعالیٰ سے ہٹ جاتے ہیں اور پھر انکا کوئی مستقل مرکز نہیں رہ جاتا۔ یہی سبب بنتا ہے انکی حیراتی و پریشانی کا کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

رہے نہ دل کے لئے کوئی مستقل مرکز　　　یہی ہے عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا

اور ایک حیرانی اللہ تعالیٰ کی طلب میں ہوتی ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام، مومنین اور صالحین کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ ادھر کا راستہ اس قدر وسیع ہے کہ یہ حضرات اس میں حیران رہ جاتے ہیں اور یہ حیرانی کیوں نہ ہو یہ راہ بھی تو کس کی ہے؟ یہ محبوب حقیقی کی راہ ہے! اس راہ میں جب کسی کو ذرا سی بھی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو بس وہ حیران رہ جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض بعض اسی مرتبہ میں

مجذوب ہو جاتے ہیں پس اسی حیرانی میں کبھی ان حضرات سے بظاہر کچھ خلاف ادر خطا کا صدور بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ مذموم نہیں۔

چنانچہ حضرت امیر خسروؒ جو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ؎

حیراں شدہ ام در آرزویت اے چشم جہانیاں بسویت

(میں تیری آرزو میں حیران ہو گیا ہوں۔ اے وہ ذات کہ دنیا کی نظریں تیری ہی جانب لگی ہوئی ہیں)۔

ماایم و تحیر و خموشی آفاق ہمہ بگفتگویت

(ہم ہیں اور حیرانی و خموشی ہے اور سارا جہان تیری گفتگو کر رہا ہے)

خسرو بکمند تو اسیر است بیچارہ کجا رود ز کویت

(خسرو تیری کمند میں قید ہے۔ یہ بیچارہ تیری گلی کو چھوڑ کر کہاں جائے)

اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

کاملاں کز سر تحقیق آگہند بیخود و حیران و مست و والہ اند

نے چنیں حیراں کہ پشتش سوئے اوست بل چنیں حیراں کہ غرق مست دوست

یعنی کاملین چونکہ راز حقیقت سے آگاہ ہیں وہ تو ہر معاملہ قدرت و حکمت کو دیکھ دیکھ کر خواہ وہ خود ان کے ساتھ پیش آویں یا دوسروں میں معائنہ کریں۔ ہر وقت حیران و مست رہتے ہیں لیکن ایسے شخص کی طرح حیران نہیں ہیں جس کی پشت دوست کی طرف ہو یعنی حق تعالیٰ سے غافل و محجوب ہو بلکہ وہ ایسے حیران ہیں کہ علوم الہٰیہ میں مستغرق اور مست ہیں۔

مطلب یہ کہ ان کی حیرت مذمومہ نہیں بلکہ محمودہ ہے۔ اس کے بعد حیرت محمودہ کے دو مرتبے بتلاتے ہیں ؎

آں یکے را روی او شد سوئے دوست دیں یکے را روی او خود روی اوست

(یعنی ایک حیرت زدہ وہ ہے کہ اس کی توجہ دوست (حضرت حق) کی طرف ہے دوسرا وہ ہے کہ اس کی توجہ عین دوست کی توجہ ہے۔)

اب اس حیرانی کے اسباب کا بیان کرنا کچھ آسان نہیں یہ وہ حیرانی ہے جو محبوب حقیقی کی طرف سے پیش آتی ہے اور ہر ایک کو اسکے حال کے مناسب پیش آتی ہے وہ غنی ہیں طالب سے بھی

اور طالبین کی طلب سے بھی، اس لئے اپنے طالبین سے بھی غنا ظاہر کرتے ہیں اب جبکہ محبوب ہی غنا ظاہر کرے تو ایک طالب و محب بیچارہ کیا کرے اور کہاں جائے حیران و ششدر رہ جاتا ہے اور بالکل اسکا مصداق ہو جاتا ہے کہ ؎

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

اور اس وقت زبان حال و قال سے کہتا ہے کہ ؎

اشاهد من اهوى بغير وسيلة فيلحقني شان اضل طريقا

يؤجج نارا ثم يطفئ برشة لذاك تراني محرقاً وغريقا

(یعنی میں اپنے محبوب کو بغیر کسی وسیلہ کے براہ راست دیکھتا ہوں تو مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ میں راستہ بھٹک جاتا ہوں وہ محبوب دل کی آگ بھڑکاتا ہے اور پھر اس پر چھینٹے ڈال کر بجھاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جس کی بنا پر تم مجھ کو آگ میں جلتا ہوا اور پانی میں ڈوبا ہوا دیکھتے ہو۔ ۱۲ احقر رومی)

اور اسی حال میں کہتا ہے کہ ؎

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

اور محبوب کے لئے تو بے نیازی لازم ہے جیسے عشاق کے لئے نیاز و طلب لازم ہے وہ اپنے عشاق کا اسی میں امتحان کرتے ہیں ؎

مزہ آتا ہے اکو چھیڑنے میں اپنے عاشق کے کبھی مسرور کرتے ہیں کبھی رنجور کرتے ہیں

کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے بے نیازی تری عادت ہی سہی

یہی وجہ ہے جو سالکین کو قبض پیش آتا ہے۔ جب حیرانی اس طریق کے لوازم سے ہے۔ تو ہر طالب میں اسکا کم و بیش ہونا لازم ہے اسی لئے کسی طالب کو کوئی اصول یا طریقہ جب سکھایا جائیگا تو بصیرت حاصل ہونے سے پہلے کسی اصول پر وہ رہیگا نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی اس کے شامل حال ہو جائے اور وہ اپنے طلب کے امتحان میں کامیاب ہو جائے اسمیں سب سے زیادہ مفید چیز ان حضرات کا اتباع ہے جو ان حالات سے گذر چکے ہیں جو لوگ ان گھاٹیوں سے پار ہو چکے ہیں وہی دوسروں کو ان گھاٹیوں سے نکال سکتے ہیں اور انھیں سے کچھ راستہ مل سکتا ہے۔ لیکن شامت اعمال سے آج اہل اللہ ہی پر اعتماد نہیں رہا اس واسطے کہ اس (جماعت) میں بہت سے

ایسے لوگ داخل ہوگئے ہیں جن سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ چکا ہے اس کی وجہ سے اب وہ کسی کا بھی اعتماد نہیں کرتے۔

ہماری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ زمانہ بد دینی کا ہے (اول تو لوگوں کو دین کا خیال ہی نہیں اور) اگر کسی کو کچھ خیال ہوا بھی تو وہ اہل اللہ اور بزرگ کے انتخاب ہی میں حیران و پریشان رہ جاتا ہے اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کس کے پاس جائے اور کس کے پاس نہ جائے اور اسمیں وہ کسی قدر معذور بھی ہے۔ لہذا اب اس حال میں بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ جس کی راہ میں قدم رکھنا چاہتا ہے اسی سے التجا کرے اور اپنی کوشش پر بالکل اعتماد نہ کرے کیونکہ اب اس زمانہ میں جب کہ رہبر اور رہزن باہم مخلوط ہوگئے ہیں تو کس پر اعتماد کیا جائے اور کس کا اعتبار کیا جائے۔ لہذا اب طریق یہ ہے کہ وہ دعا جو "سمجھ بوجھ" کے حاشیہ پر درج ہے اس پر عمل کرے جس کا حاصل یہ ہے کہ جناب باری میں صدق وخلوص نیت کے ساتھ خوب الحاح وزاری کرے اور دو ایک بار نہیں بلکہ ایک مدت تک اس کا معمول رکھے۔

وہ دعا یہ ہے:-

کہ اے معبود برحق اے مرے رب	کوئی بندہ جو ہو تیرا مقرب
بس اس عاصی کو تو اس سے ملادے	جمال پاک تو اس کا دکھادے
کہ میں صحبت سے اسکے بہرہ ور ہوں	وسیلہ سے بس اس کے تجھ کو پاؤں

انشاء اللہ تعالیٰ مطلوب حقیقی اپنے طالب کی مدد فرمائیں گے اور اس کی طلب کو ضائع نہ فرمائیں گے، کوئی اللہ کا بندہ اس کو مل ہی جائیگا۔ عادۃ اللہ ایسی ہی جاری ہے اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر اس زمانہ میں طالبین حق کے لئے اور کوئی طریقہ بے غل وغش نہیں ہے کیونکہ بزرگان دین نے اور طریقے بھی لکھے ہیں مگر اس میں طالبین کو کچھ اشکال ہو جاتا ہے کچھ تو بصیرت کی کمی کی وجہ سے اور کچھ طلب کی کمی کی وجہ سے۔

باقی یہ طریقہ جو ابھی میں نے بتایا ہے سمجھ بوجھ کے بتایا ہے اور یہ طریقہ اللہ تعالیٰ سے استخارے کا ہے جو کہ ایسے اُمور میں مسنون ہے چونکہ اس میں کامیابی کا وعدہ ہے لہذا انشاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔

اس مناجات کی یہ جو تاثیر بیان کی گئی کہ کسی بزرگ تک پہنچنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ نکل

آویگا اور کسی اللہ کے بندے سے ملاقات ہو ہی جائے گی۔ تو اس کے متعلق ایک واقعہ سُنئے!

ہمارے قبلہ و کعبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے حضرت حاجی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر ایک بزرگ کے ہاتھ میں دیدیا جس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھا کہ اشارہ اس طرف فرمایا جارہا ہے کہ ان سے بیعت ہو۔ اس سے آپ کو اس کا علم تو ہوگیا کہ مجھ کو ان سے استفادہ کرنا چاہئے لیکن ان بزرگ کا پتہ و نشان کچھ معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہیں اور کون ہیں۔ قریب ہیں یا دور ہیں۔ ایک بار حضرت کا جلال آباد جانا ہوا وہاں کوئی بزرگ تھے۔ جو حضوری کہلاتے تھے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انھیں زیارت ہوتی تھی) ان سے اس خواب کا ذکر کیا انھوں نے فرمایا کہ ذرا لوہاری تو جاؤ اور وہاں جاکر تو دیکھو وہاں ایک بزرگ رہتے تھے جو بچوں کو قرآن شریف وغیرہ پڑھاتے تھے اور عام طور پر لوگوں کو ان کی جانب کوئی توجہ نہ تھی۔ حضرت حاجی صاحب رح لوہاری تشریف لے گئے جاکر دیکھا تو بعینہٖ وہی شکل پائی جو خواب میں دیکھی تھی۔ بس دیکھکر قدموں پر گر پڑے اور ابھی حضرت حاجی صاحب نے کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں خواب و خیال کا کیا اعتبار ہے حضرت قبلہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں حضرت بیعت فرما لیجئے فرمایا اچھا جاؤ وضو کرکے آؤ۔ اس کے بعد بیعت فرمالیا۔ اسی طرح اس مناجات کی تاثیر کا دوسرا واقعہ سنئے:۔

ایک صاحب تھے محمد قاسم نیانگری جو پہلے ایک شیخ محمد امیر علی صاحب سے بیعت تھے لیکن ان سے طریق کا کچھ نفع نہ ہوا تھا کہ وہ بزرگ کہیں لاپتہ ہوگئے تھے اس لئے وہ کسی دوسرے شیخ کے جویا ہوئے۔ چنانچہ وہ اپنا واقعہ خود لکھتے ہیں کہ چند رسالہ علم سلوک کے مثل القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل و معمولات مظہریہ و تفہیم بوجھ اس عاجز کے مطالعہ میں آئے ان کے مطالعہ سے کچھ طبیعت پر ایک طرح کی ہوس شوق پیدا ہوئی اور جب مطلب معلوم نہ ہوتا تو دل گھبرانے لگتا اور جو دعا حاشیہ سمجھ بوجھ اور متن میں سات مرتبہ سورہ الحمد و چند ابیات التجا بجناب باری تعالیٰ کے درج ہیں ایک مدت تک معمول رکھا اس مناجات کی یہ تاثیر ہوئی کہ جو محبت قلبی وروحی حضرت فضیلت پناہ، حقیقت آگاہ کرامات دستگاہ

امام السالکین پیشوائے عارفین جناب مولانا و مرشد نا مولوی حافظ حاجی محمد یعقوب صاحب ادام اللہ فیضہم و برکاتہم سے تھی اب اثر اس کا ہونے لگا اور جوش محبت حضرت ممدوح دل بیتاب پر بڑھنے لگا۔ یہاں تک غلبہ محبت کا ہوا کہ جناب مولانا صاحب ممدوح بغیر دیکھے بھالے میری آنکھوں کے سامنے رونق افروز ہوتے تھے اور کئی مرتبہ عالم رویا میں زیارت و قدمبوسی حاصل ہوئی۔ (مکتوبات یعقوبیہ مٹ)

اس کے بعد ایک حدیث ملی اسمیں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ راوی نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ کسی جلیس صالح (نیک ہمنشیں) سے ملاقات ہو تو انکی ملاقات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔

چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت حریث بن قبیصہ رضی اللہ عنہ جو راوی حدیث ہیں وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میں نے یہ دعا کی کہ یا اللہ مجھے کوئی جلیس صالح عطا فرما۔ چنانچہ میری ملاقات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ مجھے کوئی جلیس صالح عطا فرما تو آپ مجھ سے ملے ہیں لہذا مجھے کوئی حدیث سنائیے جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس سے نفع عطا فرمائیں اس پر انھوں نے یہ حدیث سنائی۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سب سے پہلے جس کا حساب ہوگا وہ اس کی نماز ہوگی۔ اگر یہ درست ہوگئی تو وہ شخص کامیاب ہوگیا اور جس کا نماز کا حساب صاف نہ ہوا تو وہ خائب و خاسر ہوا، پھر اگر اس کے فریضے میں کچھ کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دیکھو میرے بندے کے پاس کوئی نفل عبادت بھی ہے اگر ہوئی تو اس سے اس کے فریضہ کی تکمیل کر دی جائے گی پھر اس کے بقیہ اعمال بھی اسی طور پر ہوں گے۔

دیکھئے ان واقعات سے معلوم ہوا کہ جس کو جہاں سے کسی دولت کا حصول اور جس سے استفادہ لکھا ہوتا ہے تو منجانب اللہ غیب سے اس کے ذرائع بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ طالبین کو اس بات کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اس لئے بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے اسی سے کامیابی ہوتی ہے۔ باقی یہ خیال کرنا کہ دنیا بزرگوں سے خالی ہو چکی ہے اور اب اہل اللہ اور کاملین موجود ہی نہیں ہیں یہ تو بہت ہی بُرا خیال ہے اور صحیح بھی نہیں ہے۔ اسلئے کہ اہل اللہ

ہر زمانہ میں رہے ہیں اور رہیں گے گو کم رہیں، مگر دنیا کبھی ان سے خالی نہ رہیگی۔ فرق یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں زیادہ ہوتے تھے اور اب کم ہوتے ہیں۔

پس جب کسی کا اہل اللہ میں سے ہونا ثابت ہوجائے گا تو اسکا معاملہ اور اسکی عظمت ضروری ہوگی اور اس طریق میں جس طرح اعتقاد ضروری ہے کہ بدون اس کے نفع نہیں ہوتا اسی طرح کسی کامل کے انکار سے نقصان اور ضرر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہیئے کہ کہیں کسی شیخ کے یہاں جانے سے پہلے اس کی عظمت اور اسکا اعتقاد اپنے قلب میں خوب راسخ کرے تب جائے۔ کیونکہ تحقیق کا محل ابتدا ہی میں ہے کسی کو علی وجہ البصیرت ماننے میں اگر کچھ زمانہ بھی لگ جائے تو کچھ حرج نہیں۔ بعض لوگوں نے شیخ کے پاس جانے سے پہلے دس دس برس صرف کردیے۔ لیکن جب دلیل اور برہان سے کسی کو مان لے تو پھر اپنی تحقیق کو بالائے طاق رکھدے اور تقلید اختیار کرے اور اس کے سامنے پامال ہوجائے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کو انتخاب شیخ کے باب میں تو محقق ہونا چاہیئے اور پھر اسکے بعد اس کی تقلید کرنی چاہیئے۔ آج لوگوں نے ان دونوں باتوں کو ترک کردیا ہے اول تحقیق نہیں کرتے۔ جہاں تحقیق سے کام لینا چاہیئے تھا اور جب تقلید کا وقت ہوتا ہے تو وہاں تحقیق شروع کردیتے ہیں۔

غرض جس طرح اسکا ایک طریقہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے اسی طرح اسکا ایک دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کا صادق ہونا اسکے نزدیک مسلم ہو ان سے دریافت کرے اور جب کوئی صادق کسی کی تصدیق کرے اور اس پر اپنا قلب بھی مطمئن ہوجائے تو پھر اسکے بعد اس کا ماننا ضروری ہے کیونکہ شہادت میں شاہد کے عادل ہونے کا تو لحاظ کیا جائے گا لیکن کسی عادل شاہد کی شہادت کے بعد پھر اسکے خلاف نہیں جاسکتا ورنہ تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ شہادت کوئی چیز ہی نہ ہوئی اسکے دروازہ کا بند کرنا لازم آئیگا۔ حالانکہ دین ودنیا کے کتنے معاملات ہیں کہ جو شہادت سے متعلق ہیں۔ حقوق کا ثبوت شہادت سے ہوتا ہے۔ رویت ہلال میں شہادت عدل کا اعتبار ہے اور اس کی وجہ سے صیام وفطر کا تحقق ہوتا ہے۔ پھر جب تمام امور میں شہادت معتبر ہے تو پھر شیخ کے انتخاب کے معاملہ ہی میں کیوں اسکا اعتبار ساقط کردیا گیا ہے۔

آج لوگوں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ کسی اہل اللہ کی شناخت اگر تم کو ازخود حاصل نہیں ہوتی

تو دوسرے نیک لوگوں سے اسکا حال معلوم کرو اور انکی شہادت پر عمل کرو، تو اس سے بڑھ کتے ہیں میرے خیال میں اسکا منشا جہل ہے۔ حاصل یہ کہ شہادت کے بعد پھر اس کا ماننا ضروری ہے اب اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اور اس کے نصیب میں ہے تو اس سے اسے فائدہ پہونچیگا ورنہ چونکہ وہ شیخ صادق ہے وہ خود ہی کہدیگا کہ تم فلاں کے یہاں جاؤ تمھارا حصہ یہاں نہیں ہے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں بزرگان دین نے ایسا ہی کیا ہے۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک بزرگ تھے مولانا محمد جان صاحب رحؒ جبل ابو قبیس پر رہتے تھے میں نے انکی زیارت کی ہے وہ کہتے تھے کہ میں اور تمہارے دادا پیر حاجی عبد الرحیم صاحب دونوں پہلے مولانا عبد الباری صاحب امروہی کے پاس گئے۔ ایک روز، مثنوی کے مطالعہ سے ان پر کوئی خاص کیفیت طاری تھی کہ مجھ سے فرمایا کہ تمھارا حصہ مولانا غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے وہاں چلے جاؤ یہاں تم کو فائدہ نہ ہوگا اور حاجی عبد الرحیم کو اپنے پاس رکھ لیا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ایک اور بزرگ کا ہے کہ انکی وفات کے بعد جب انکے صاحبزادے مسند خلافت پر بیٹھے تو شیخ کے بڑے بڑے مریدین تھے انکو ان صاحبزادے کی صغرسنی کی وجہ سے ان سے اخذ فیض میں کچھ عار سی محسوس ہوئی۔ چنانچہ وہ لوگ اسی زمانہ میں ایک دوسرے بزرگ تھے ان کے پاس چلے گئے۔ انھوں نے کہا کہ نہیں وہیں جاؤ۔ تم لوگوں کا حصہ وہیں ہے اس کے بعد آئے اور نفع ہوا۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ اور سنئے۔ کانپور میں ایک بزرگ تھے مولوی غلام حسین صاحب میں بھی ان سے ملا ہوں اچھے بزرگ تھے وہ اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں کہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتا تھا لیکن کہ معظمہ میں ایک بزرگ ملے اور وہ کہتے تھے کہ میں دیکھتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحب اپنی نسبت کا القا تمھارے اوپر کرتے ہیں لیکن فلاں بزرگ نقشبندی سلسلہ کے آگر اس کو روک دیتے ہیں (مطلب یہ تھا کہ تم کو نفع اس سلسلہ سے پہونچے گا)۔

لہذا طالب کو چاہئے کہ جب کوئی صادق کسی کی بابت شہادت دے جس پر کہ اپنا قلب بھی مطمئن ہو جائے تو اس کے یہاں جائے اور عظمت و ارادت کے ساتھ جائے اور اپنے ارادت میں صادق ہو ۵

در ارادت باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید
بے رفیقی ہر کہ شد در راہِ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

(یعنی اے فرید تم ارادت و عقیدت میں سچے بنو تاکہ گنج عرفاں کی کنجی حاصل کر لو۔ جو شخص عشق کی راہ میں ساتھی کے بغیر رہا تو اس کی عمر گذر جائے گی عشق سے آگاہ نہ ہوگا۔ ۱۲۔ رومی)

طریق میں بھی ارادت اور ارادت میں بھی بصیرت تو اصل چیز ہے اور یہی کلید کامیابی ہے۔

اسی طرح شیخ کو بھی لازم ہے کہ اگر اسکا حصہ اسکے یہاں نہیں ہے تو صاف کہدے کہ تم فلاں جگہ جاؤ اور فلاں سے طریق اخذ کرو اور جو کوئی سچا ہوگا تو وہ یہ کہہ بھی دیگا۔ کیونکہ اسکا مقصود کام ہوتا ہے اپنا نام کرنا نہیں ہوتا۔

میں محکم برہان اور روشن دلائل پیش کر رہا ہوں اس پر کہ اہل اللہ کے تلاش کرنے کا طریقہ کیا ہے اور اس کی جو دلیل بیان کی گئی ہے وہ ایسی مستحکم ہے کہ کوئی رد اور انکار نہیں کر سکتا۔

مشائخ نے اس مضمون پر بسیط کلام فرمایا ہے جس طرح سے کہ تصوف کے اور دوسرے مضامین و مسائل پر کلام کیا ہے اسی طرح اس پر بھی مفصل بحث فرمائی ہے اور اس کو کسی کی عقل یا رائے پر موقوف نہیں رکھا اور نہ صرف اس زمانہ میں بلکہ پہلے بھی اور ہر زمانہ میں اکابر فن نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور ہمیشہ سے اس پر کلام کرتے چلے آئے ہیں باقی میں نے اس وقت جو مختصر سا کلام کیا ہے وہ بھی بہت کافی وافی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ایک مسلم الثبوت عالم، بالغ نظر مفسر، مستند محدث، بلند پایہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عارف کامل صوفی اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بھی تھے۔ اپنے لاجواب رسالہ تصوف ارشاد الطالبین میں اسی سلسلہ کا ایک عامۃ الورود شبہہ اور اس کا محققانہ جواب تحریر فرماتے ہیں:۔

(ہم اس کے اردو ترجمہ سے قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ضروری عبارتیں اس سلسلہ کی نقل کرتے ہیں:۔

فائدہ۔ یاد رکھو (خدا تم کو سعادت بخشے) کہ خرق عادات، ولایت کے لوازم سے نہیں۔ بعض اولیاء اللہ اور مقربان درگاہ الٰہی ایسے بھی ہیں جن سے خرق عادات ظاہر نہیں ہوئے۔ چنانچہ اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خرق عادات مروی نہیں ہوا۔ حالانکہ ادنیٰ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر اولیاء اللہ سے افضل ہیں۔ (چند سطور کے بعد) اور صاحب عوارف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کو خوارق دیتا ہے اور دوسروں کو نہیں دیتا اور وہ صاحب خوارق سے افضل ہوتے ہیں اور خرق عادات ذکر قلب اور اس کی تجوید سے مرتبہ میں کم ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری نے فرمایا ہے کہ عارفوں کی فراست، طالبوں کی استعداد اور اولیاء کے مقامات دریافت کرنے میں مطلق ہے اور اہل ریاضت کی فراست، صوریں اور ان اشیاء کے حالات دریافت کرنے میں مخصوص ہے جو اس کی نظر سے غائب ہیں چونکہ اکثر مخلوق دُنیا میں مشغول ہیں اور خدا سے بے تعلق ہیں تو ان کے دل غائب اشیاء کے احوال معلوم کرنے کی طرف زیادہ مائل ہیں اور اس کو بہت عمدہ جانتے ہیں۔ یہ لوگ اہل عرفان اور حقیقت کے کشف سے کوئی کام نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہل اللہ ہوتے تو غیب کے حالات سے خبردار ہوتے جب اتنی خبر ان کو نہیں تو دوسری باتیں ان کو کیا معلوم ہوں گی۔

اسی طرح منافق لوگ سیّد المرسلین کے حق میں کہتے تھے۔ ایسے کمینے لوگ ان فاسد خیالات کے باعث دوستان خدا کی برکات سے محروم رہتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے بارے میں غیرت رکھتا ہے کہ ان کو اپنے سوا کسی اور کی طرف مشغول نہیں ہونے دیتا (چار سطور کے بعد) اگر کوئی کہے کہ اگر خوارق عادات ولایت کی شرط نہ ہوں تو کیونکر یہ معلوم کیا جاسکے کہ یہ ولی اللہ ہیں۔ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے اس بات کے دو جواب دئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ولی کی ولایت کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ولایت خدا سے ایک نسبت ہے کوئی اس سے مطلع ہو یا نہ ہو۔ اکثر اولیاء اللہ خود اپنی ولایت سے مطلع نہیں ہیں دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ موت کے بعد اسکا ثمرہ دیکھیں گے۔

خوارق کی ضرورت دراصل انبیاء کو ہے جو مخلوق کو دعوت دیتے ہیں۔ ضروری ہے

کہ وہ مخلوق پر اپنی نبوت ظاہر کریں اور ثبوت مہیا کریں۔ اولیا جو دعوت کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کی شریعت کی ہی دعوت دیتے ہیں۔ اس پیغمبر کا معجزہ اس دعوت کے لئے کافی ہے۔ علماء و فقہاء ظاہر شرع کی دعوت دیتے ہیں اور اولیاء مریدوں کو پہلے ظاہر شریعت کے بجالانے کی دعوت دیتے ہیں پھر ان کو ذکر سکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اپنے اوقات یاد الٰہی میں صرف کیا کرو تاکہ ذکر الٰہی غالب ہوجائے اور خدا کے سوا کسی دوسرے کا خیال دل میں نہ رہے اور اس دعوت میں کرامت کی ضرورت نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مرید رشید جوں جوں اپنے حالات میں تغیر دیکھتا ہے اپنی ہی ذات میں اس کو پیر کی کرامت لحظہ بہ لحظہ نظر آتی ہے جو مردہ دل کو زندہ کرکے مشاہدہ اور مکاشفہ سے سرفراز کردیتا ہے۔ مردہ کا زندہ کردینا عوام کے نزدیک ایک عمدہ کام ہے اور خواص کے نزدیک روح اور قلب کا زندہ ہونا معتبر ہے۔ پس کرامت مرید کی نظر میں موجود ہے اور عوام کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (۱۳۱ و ۱۳۲)
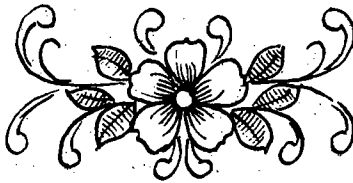
تمام شد

ازافادات

مصلح الاُمّۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد دینی تعلیم کا چرچا ایک عرصہ سے ختم ہوچکا ہے اسوقت مسلمان نہ تو اپنے بچوں کو دین پڑھاتے اور سکھاتے ہیں اور نہ خود ہی حاصل کرتے ہیں اسکا لازمی نتیجہ یہی نکلا اور نکلنا چاہئے بھی تھا کہ مسلمانوں میں دینی معلومات ختم ہوتی جارہی ہیں اسوقت مسلمان دین کی معمولی معمولی باتوں سے بیخبر ہیں اور جب وہ ضروری اور موٹی موٹی باتوں سے ناواقف ہیں تو پھر علماء اور مشائخ کے ادب سے کس طرح واقف ہوسکتے ہیں چنانچہ انکو اسکا مطلقاً علم نہیں کہ علماء و مشائخ کے بھی کچھ آداب ہیں یا نہیں اور انکے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے اور اگر کچھ معلوم بھی ہے تو یہ کہ علماء و مشائخ کو نہایت درجہ وسیع الاخلاق اور نرم خو ہونا چاہئے انکے ساتھ کیسا ہی معاملہ کیا جائے انکی پیشانی پر بل نہ آنا چاہئے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ انھوں نے اپنے سے متعلق آداب شرائط کو تو یاد نہ رکھا کہ خود انکو کیا اور کیسا ہونا چاہئے بلکہ علماء اور مشائخ پر غلط نکتہ چینی کرنے کیلئے اور بیجا طور پر اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے وہ باتیں یاد کرلیں جو علماء و مشائخ سے متعلق تھیں اور انکی یہ حرکت کس درجہ مضحکہ خیز ہے کہ اپنا وہ سبق تو بھلا دیا جس کو یاد رکھنا چاہئے تھا اور علماء و مشائخ کے اس سبق کو یاد کرنے لگے جس کو یاد نہ رکھنا ہی مناسب تھا ؎

بھلا بیٹھے تم اپنا وہ سبق جو یاد رکھنا تھا لگے رٹنے سبق اوروں کا جس کو بھول جانا تھا

کیونکہ جب نیچے کے درجات کا سبق ہی یاد نہیں ہے تو اوپر کے درجوں کا سبق کیا خاک سمجھ میں آئیگا لہٰذا اصل ضرورت اسکی ہے کہ ہم لوگ اپنا سبق ہی یاد کریں اور اس پر عمل کریں چنانچہ ہمارے حال پر شفقت و رحم فرماتے ہوئے مصلح الامۃ مرشدی و مولائی دامت برکاتہم نے ہم کو ہمارا سبق یاد دلایا ہے (جو آئندہ صفحات میں پیش ہے) اور ہم کو بتایا کہ مشائخ کے بھی کچھ آداب و حقوق ہیں منجملہ ان کے ایک حق یہ ہے کہ انکا انکار نہ کرے۔

احقر رومی غفرلہ
شعبان ۱۳۸۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاقبۃ الانکار

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد۔ آج مشائخ کے یہاں لوگ جو آتے جاتے ہیں اور ان سے نفع بھی چاہتے ہیں اور جب نفع نہیں ہوتا تو انکی شکایت کرتے ہیں اور اس فائدہ نہ ہونے کی نسبت اکثر انھیں حضرات کی طرف کرتے ہیں اور اسکا سبب انکا ہی نقص سمجھتے ہیں۔

تو جاننا چاہئے کہ لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ یہ مقبولان الٰہی سے بدگمانی اور ان کی شان میں بدزبانی ہے جو یقیناً ایک بدعت شنیعہ اور معصیت قطیعہ ہے۔ اور میں تو سمجھتا ہوں کہ آج ہم پر جو ادبار ہے اس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں پر اس قسم کا الزام رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ حضرات اس سے بالکل بری ہیں۔

ہم اس وقت اسی مسئلہ کے متعلق کچھ دلیل سے کہنا چاہتے ہیں کہ لوگ اس خیال میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور کیا واقعی یہ مشائخ ہی کا قصور ہے یا خود انھیں لوگوں کی اپنی ہی کوتاہی اور نقص ہے جس کو انکا نفس اور شیطان شیخ کے آئینہ میں دکھاتا ہے۔ اس موقعہ پر اس حکایت کا بیان کرنا بے محل نہ ہوگا جو بخاری شریف کی شرح بہجۃ النفوس میں بعض محققین سے منقول ہے۔ وھی ھذہٖ

حکی عن بعض الفضلاء المحققین بعض مشائخ محققین کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ

انه اتاه شخص یرید السلوك فادخله الخلوة و ترکه ایاما ثم دخل علیه وقال له کیف ترى صورتی عندك فقال صورة خنزیر فقال الشیخ صدقت ثم ترکه فی خلوته ایاماً ثم دخل علیه و سأله مثل الاولى فقال له صورة کلب ثم کذلك الى ان قال له صورة القمر لیلة کما له فقال له صدقت الآن کمل حالك وحینئذٍ اخرجه من الخلوة۔

(بهجة النفوس ص۱۷ ج۱)

ان کے پاس کوئی شخص سلوک کے ارادے سے آیا شیخ نے اس کو خلوت میں رہنے کا حکم فرمایا۔ اور اسکو اسی حال پر کچھ دنوں رکھا پھر (ایک دن شیخ) اس کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ اپنے نزدیک میری صورت کیسی پاتے ہو اس نے کہا جیسے سور کی شیخ نے کہا ٹھیک کہتے ہو اور بدستور اسکو خلوت میں رکھا پھر کچھ دنوں کے بعد اسکے پاس گئے اور وہی پہلا سوال کیا (یعنی مجھ کو کیسا دیکھتے ہو) اس نے جواب دیا کہ آپ (اب) مجھے کتے کی شکل میں نظر آرہے ہیں۔ الغرض اسی طرح شیخ اس سے وقتاً فوقتاً دریافت فرماتے رہے اور وہ ہر بار مختلف جواب دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے آخر میں یہ کہا کہ میں آپکو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا چودھویں رات کا چاند۔ شیخ نے یہ سن کر فرمایا کہ ہاں اب تمہارا حال درست ہوا ہے اور پھر اس کو خلوت سے باہر نکلنے کا حکم فرمادیا۔

دیکھئے اس حکایت سے معلوم ہوا کہ مرید کو اپنی ہی شکل شیخ کے آئینہ میں نظر آتی ہے وہ بزرگ تو اول دن سے بدر کامل تھے مگر یہ سب تطورات (تبدیلیاں) اس مرید ہی کے تھے جنھیں وہ شیخ کی جانب منسوب کر رہا تھا۔ جوں جوں اس کی اصلاح ہوتی گئی وہ حقیقت سے قریب تر ہوتا گیا۔

نیز مشائخ کے علاوہ آج بڑے بڑے علماء و فضلاء۔ فقہا اور محدثین موجود ہیں اور انکے پاس بھی ایک جماعت استفادہ اور استفاضہ کی غرض سے جمع رہتی ہے تو کیا ان پاس رہنے والوں میں سے ہر ایک فاضل و کامل ہی ہو کر نکلتا ہے؟ مشاہدہ تو یہ ہے کہ ان فارغین میں سے کثرت سے نہ صرف قلیل و ناقص الاستعداد بلکہ فاقد الاستعداد ہی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ کہا سکتا ہے کہ آج علماء کی جگہ جاہلوں نے لے لی ہے اور الا ماشاء اللہ کوئی ہی کوئی ان میں سے کام کا ہوتا ہے۔ جب علوم ظاہر میں یہ امر شاہد ہے تو کیا یہاں یہ کہنا صحیح ہے

کہ دراصل وہ فضلاء و محدثین ہی ناقص ہیں۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ اُن کا علم و فضل تو اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ یہ خامی اور کوتاہی پڑھنے والوں کی جانب سے ہے کہ انھوں نے ایسے علماء و فضلاء کو پاکر بھی کچھ سیکھا نہیں۔ جب یہاں یہ بات ہے اور سب کو تسلیم بھی ہے کہ بیشک علماء کا کوئی قصور نہیں تو پھر باطن کے معاملہ میں مشائخ ہی کیوں مورد الزام ٹھہرائے جاتے ہیں اور یہاں بھی یہی کیوں نہیں سمجھ لیا جاتا کہ شاید مریدین کا قصور ہو جس کی وجہ سے اُن کو نفع نہیں ہوتا اور شیخ اپنی جگہ پر کامل و مکمل سب کچھ ہے۔

کیا کسی شیخ کے کامل ہونے کی شرائط میں یہ بھی داخل ہے کہ اُس کے سب کے سب مریدین کامل ہوں؟ یہ تو واقع کے بھی بالکل خلاف ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شیخ کامل ہو لیکن اُس کے پاس آنے جانے والے اپنی خرابیوں کے سبب اس کے فیض سے محروم ہوں دیکھئے اکمل الکاملین جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک اور آپ کی صحبت پانے کے باوجود ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگ محروم ہی رہے علیٰ ہذا منافقین بھی محروم رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استفادہ کے لئے شرائط ہیں اور مستفید میں بھی اُن کا ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ مفید میں۔ اور باطن تو بہت ہی زیادہ نازک چیز ہے۔ پس اس کی شرائط بھی بہت نازک ہیں باطنی فائدہ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے اندر اُس کی شرائط کی تحصیل کرے اور اس کے موانع کو مرتفع کرے تنہا شیخ ہی کامل ہو کر کیا کرلے گا اس کے لئے طالب کا بھی تو صادق و مخلص ہونا ضروری ہے اب اگر کوئی ان حضرات سے طریق کی شرائط کے ماتحت سیکھے ہی نہیں تو پھر اُس میں اُن کا کیا قصور؟

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زمانہ میں آخر کیوں اس قدر خربطہ ہو گیا ہے اور لوگوں سے کیوں عقل و فہم اس درجہ رخصت ہو چکی ہے کہ جس چیز کا خود اپنے روزمرہ کے ظاہری معاملات میں مشاہدہ اور اقرار ہے باطن میں اسی کا انکار ہے۔ نقص اور قصور تو اپنا ہوتا ہے اور اس کو مشائخ کے سر تھوپا جاتا ہے کیا یہ اس کا مصداق نہیں ہے کہ ع

خود فراموشی کند تہمت وہد اسنا درا

اور کیا ایسا کرنا مشائخ کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی نہیں ہے اور اہل اللہ کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کر کے اللہ تعالیٰ سے فلاح کا طالب ہونا کہاں تک قرین قیاس ہے۔ اس کا فیصلہ آپ ہی پر چھوڑتا ہوں۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بجائے اس کے کہ مشائخ پر اس قسم کا الزام رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف واقرار کرتے اور مشائخ کا حد درجہ ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے نقص کو ان کے سامنے پیش کرتے اور اُن کے جملہ حقوق وآداب کی رعایت کرتے ہوئے باطنی فائدہ کی تمام شرائط اختیار کرتے اور اُس کے تمام موانع سے اجتناب کرتے پھر اس کے بعد ان کی جانب سے کسی قسم کے فیض و نفع کے منتظر ہوتے تو البتہ حق بجانب ہوتے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں تمام مشائخ اس میں مجھ سے یقیناً متفق ہوں گے اور میں ان سب کی نصرت کر رہا ہوں کیونکہ اس قسم کے آنے جانے والوں سے سارے ہی مشائخ نالاں ہونگے اور کوئی بھی ان سے خوش نہ ہوگا۔ کون یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے مریدین اچھے ہوں اور ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو ہوں مگر اس قسم کے لوگ انھیں چلنے نہیں دیتے ان کے خلاف طرح طرح کی باتیں بیان کر کے لوگوں کو ان کی جانب سے بہکاتے اور بدظن کرتے ہیں۔ اور اگر اس قسم کے کسی آنے جانے والے کو سمجھ کر یہ حضرات اس کے ساتھ کوئی معاملہ روا رکھتے ہیں یا اُن کو اپنے پاس سے نکالتے ہیں تو پھر یہی لوگ ان کو بداخلاق بھی کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

حاصل یہ کہ اس طریق میں جس طرح شیخ کامل کی طلب و تلاش ضروری ہے اسی طرح طالب میں ارادت وعقیدت خلوص ومناسبت بھی نہایت درجہ ضروری ہے جیسے بدون شیخ کامل کے اس راہ کو قطع نہیں کرسکتے اسی طرح باوجود موجود ہونے شیخ کامل کے بھی اپنی عدم ارادت و عقیدت وعدم خلوص وعدم مناسبت سے بھی حرماں لازم ہے۔ شیوخ کاملین نے جس طرح طریق میں شیخ کامل کو تجویز کیا تھا اسی طرح طالب میں ارادت اور لوازم ارادت کو بھی شرط قرار دیا ہے چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز خلف الرشید وخلیفہ ارشد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی جو کہ اپنے وقت کے ایک نہایت مسلم ومستند بزرگ اور اکابر طریق میں سے گزرے ہیں مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب صد وبیست دیکم میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

پس باعثِ توقف سالک وسدراہ او دریں طریق ہیچ نہ شد غیر از سستیٔ طالب طلب صادق کہ درصحبت کامل افتد وشرائط طلب کہ اکابر قرار دادہ اند بجا آرد امید است کہ البتہ واصل گردد۔ (مکتوبات معصومیہ صفحہ ۱۵۶ جلد ۳)

پس سالک کے توقف کا سبب اور اس طریق میں اس کے لئے سد راہ سوا طالب کی سستی کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جو طالب صادق کہ کسی کامل کی صحبت اختیار کرے اور طلب کی وہ تمام شرائط جنھیں اکابر طریق نے معتبر قرار دیا ہے بجالائے تو امید ہے کہ وہ ضرور واصل ہو جائے گا۔

اگر طالب میں لوازم طلب وارادت نہ ہوں تو یہ حضرات اس کو طالب ہی نہیں کہتے۔ بلکہ بوالہوس کہتے ہیں جیسا کہ حضرت مولینا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں جو آپ نے منشی محمد قاسم صاحب کے نام لکھا تھا حضرت عارف شیرازیؒ کا یہ شعر نقل فرمایا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص بوالہوس کہلاتا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

سعدیا کنگرۂ عشق بلند است بلند　　دست ہر بوالہوس آنجا بہ فضولے نہ رسد

(سعدی عشق کا کنگرہ بلند اور بہت بلند ہے۔ جھوٹے عاشق کا ہاتھ وہاں تک بیکار نہیں پہنچ سکتا۔ ۱۲ رومی)　(مکتوبات یعقوبیہ صـ۱)

نیز حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ قصد السبیل میں طالب کی شان اور طلب کے لوازم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے فرماتے ہیں کہ "(سالک) توبہ کے ساتھ آئندہ کے لئے بھی یہ عزم رکھے کہ اللہ و رسول کی اطاعت میں گو نفس کو کتنی ہی ناگواری اور گو مال کا یا جان کا کتنا ہی بڑا ضرر ہو اور گو کوئی نفسانی دینوی مصلحت کیسی ہی فوت ہوتی ہو اور گو خلق کتنی ہی ملامت کرے برداشت کریں گے اور اللہ و رسول کی اطاعت ہاتھ سے نہ دیں گے اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ طالب حق نہیں ہے بلکہ وہ بوالہوس ہے کیوں کہ طالب کی تو یہ شان ہوتی ہے ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی[ع]　　بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

در رہ منزل لیلی کہ خطرہاست بجاں[ع]　　شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اب ہم اکابر طریق کے نقول اور ان کی تصریحات پیش کرتے ہیں تاکہ اس کا یقین ہو جائے کہ منکر کے لئے حرمان و خذلان لازم ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ طالب راہ حق کے لئے طریق میں

ع اے دل بہتر تو یہی ہے کہ مے گلگوں سے تو خراب ہو جائے اور بغیر خزانہ دولت کے قارون سے زیادہ تو شان والا ہو جائے۔

ع لیلی کی راہ میں جس میں کہ ہزاروں خطرے جان کو ہیں پہلے قدم کی شرط یہی ہے کہ تو مجنوں ہو جائے۔ ۱۲ سد مکی

کیا کیا امور ضروری ہیں اور شیخ کامل کی طلب و تلاش کا کیا طریقہ ہے اور طریق کے کیا شرائط اور اصول ہیں؟ چنانچہ اس طریق میں تو انکار کا تو گزر ہی نہیں۔ اس کے متعلق حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ العزیز اپنے مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

اگر آنجا انکار بود حرمان عظیم باشد کہ منکر بجائے نہ رسد جز مخذول و مطرود نبود صاحب عوارف می گوید "من انکر ھم ضلّ و اعتدیٰ" و مصدق اگرچہ بدرجۂ ایشاں نہ امید است کہ تصدیق ہاکہ در خدمت و صحبت ایشاں آرد او را بکمال مرداں رساند و عارف سبحان گرداند۔ (السنۃ الجلیہ ص۵۴)

اگر وہاں انکار ہوگا تو حرمان عظیم ہوگا کیوں کہ منکر شخص کو کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا وہ تو سوا مخذول اور مطرود ہونے کے کچھ اور پا ہی نہیں سکتا صاحب عوارف المعارف فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ان حضرات (اولیاء اللہ) کا انکار کیا تو وہ گمراہ ہوا اور اس نے حد سے تجاوز کیا اور ان حضرات کی تصدیق کرنے والا اگرچہ ان کے درجہ کو نہ پہونچے تاہم اُمید ہے کہ ان حضرات کی خدمت میں وصحبت میں جس تصدیق کو لے کر وہ آیا ہے وہی اُس کو درجۂ کمال تک پہنچا دے اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کا عارف بنا دے۔

اور علما نے بھی بیان فرمایا ہے کہ غیر مصدق ترقی سے بھی بالکل محروم رہتا ہے چنانچہ مجمع البحار میں ہے کہ:۔

لا یقنع بدرجۃ من الدرجات الا احد الرجلین اما غیر مصدق لتلک النعمۃ الخطیرۃ او سفیہ لا یھتدی للتجارۃ المربحۃ۔ (مجمع البحار ص۶۴ ج۱)

کسی ایک ہی درجہ کو لے کر دیگر درجات سے قناعت صرف دو ہی شخص کر سکتے ہیں ایک تو جو اس نعمت عظیمہ کا مصدق ہی نہ ہو اور دوسرا وہ جو احمق ہو کہ سود مند تجارت کا طریقہ ہی نہ جانتا ہو۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت دالادامت برکاتہم فرمایا کرتے ہیں کہ یہ اما غیر مصدق او سفیہ کہنا بطور مانعۃ الخلو کے ہے یعنی اس ایک درجہ پر قناعت کرنے والے شخص میں ان دونوں باتوں میں سے ایک نہ ایک کا ہونا ضروری ہے وہ ان دونوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ باقی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص میں دونوں وصف جمع ہوں یعنی وہ غیر مصدق بھی ہو اور سفیہ بھی ہو۔ ناقل عفی عنہ)

نیز اکابر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح انکار سبب حرمان ہوتا ہے اسی طرح نفاق اور مشائخ کے ساتھ بے ادبی و گستاخی بھی اس طریق میں سد راہ ہے جیسا کہ تحفۃ السالکین میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں:-

"حضرت ایشان (یعنی حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے) پیر بزرگوار حضرت سید نور محمد بدایونی رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو آنحضرت کے مریدوں میں سے کہتا تھا۔ ایک دن اس شخص نے بدبختی میں آکر آنحضرت کے حضور میں سخت بے ادبی کی اور بہت برا بھلا کہا۔ جس کے جواب میں آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ دوسرے دن وہ شخص حاضر ہوا تاکہ آنحضرت سے توجہ و استفادہ حاصل کرے میں نے چاہا کہ اس کو سزا دوں۔ آنحضرت نے مجھ کو منع کیا اور اس شخص پر اسی طرح متوجہ ہوئے جس طرح دوسرے مخلصوں پر توجہ فرمائی تھی فقیر اس بات سے بہت تنگدل ہوا اور اس کو تمام مخلصوں کے برابر سمجھنے کے باعث آنجناب کی خدمت میں ملتمس ہوا تو فرمایا مرزا صاحب اگر میں اس کی سرزنش اور ملامت کرتا اور توجہ نہ دیتا تو مجھ سے اللہ تعالیٰ پوچھتا کہ میں نے تیرے سینے میں ایک نور امانت رکھا تھا اور میرے بندوں میں سے ایک اس نور کو طلب کرنے آیا تو نے اس کو کیوں محروم رکھا تو اس وقت میں کیا یہ جواب دیتا۔ کہ الٰہی اس آدمی نے مجھ کو گالی دی تھی اس لئے میں نے محروم رکھا۔ اور کیا یہ جواب مقبول ہوتا۔ کچھ مدت تک میں تنگدلی کے ساتھ خاموش رہا تو تھوڑے دنوں کے بعد آنجناب نے فرمایا کہ اے بچہ اگرچہ میں نے اس کو مخلصوں کی طرح توجہ دی ہے مگر حق تعالیٰ منافق کو کب مخلص کے برابر جانتا ہے واللہ یعلم المفسد من المصلح کام کی حقیقت خدا کے ہاتھ ...... میں ہے فیض صرف مخلص اور مؤدب دوستوں کو پہنچتا ہے" اس قصہ ہی کی مثال ہے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق کے جنازہ کے لئے جس نے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی تھی اسکے بیٹے نے جو مومن مخلص تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں التجا کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے نماز جنازہ پڑھیں اور اس کے لئے بخشش کی دعا مانگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہو گئے مگر حضرت عمرؓ مانع ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ وہی شخص ہے جس نے فلاں روز ایسا کہا ویسا کہا اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (یعنی اگر آپ ستر بار بھی منافقوں کیلئے

مغفرت طلب کریں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہیں بخشے گا۔) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کا قول نہ سنا اور فرمایا کہ میں اس کے لئے ستر دفعہ سے بھی زیادہ بخشش طلب کروں گا۔ آخرالامر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس منافق کے حق میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی استغفار قبول نہ کی اور آیت نازل ہوئی:۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ (یعنی منافقوں میں سے کسی کے لئے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیے اور اس کی قبر پر مت کھڑے ہوجیے۔ پھر ایک اور آیت نازل ہوئی اِسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ[ع۵] یعنی آپ منافقین کے لئے استغفار کیجئے یا نہ کیجئے حق تعالیٰ اُن کو ہرگز نہیں بخشے گا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔ (تحفۃ السالکین صہ ۳۰، ۳۱)

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ نفع کے لئے اخلاص شرط ہے فیض صرف مخلص کو ہوتا ہے اور منافق و بے ادب بزرگوں کے فیض سے محروم رہتا ہے۔

نیز علماء کی تصریحات ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مشائخ کی بے ادبی اور گستاخی موجب حرمان ہے اسی طرح ان کے سامنے تکبر و انانیت اور خود بینی بھی اس طریق میں ایک بڑا مانع ہے چنانچہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی ہے اور اُس کی سرخی ہی یہ قائم فرمائی ہے کہ حکایت اندر محرومی خویشتن بیناں" جس کے تحت یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ:۔

یکے در نجوم اندکے دست داشت ولیک از تکبر سر مست داشت

ایک شخص علم نجوم میں کچھ تھوڑا سا دخل رکھتا تھا لیکن تکبر کی وجہ سے مخمور و سرمست تھا

سوئے کوشیار آمد از راہ دور دلے پُر ارادت سر پُر غرور

دور دراز (کا راستہ طے کرکے) کوشیار کے پاس آیا لیکن حال یہ تھا کہ دل میں تو ارادت تھی اور سر پُر غرور تھا

ع۵:۔ اصل کتاب فارسی ارشاد الطالبین میں بھی اسی طرح ہے غالباً یہ سہو کاتب ہے ورنہ تو دوسری آیت سورۂ منافقون میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ سواءٌ علیھم استغفرت لھم اَم لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ الآیۃ۔ ۱۲ عیسیٰ

خردمند از وہ دیدہ در دوختے یکش حرف خدمت نیاموختے

وہ مرد عقلمند اس کی جانب سے اپنی توجہ ہٹائے ہوئے تھا چنانچہ ایک حرف بھی اُس کو نہیں سکھلایا

چو بے بہرہ عزم سفر کردہ باز بدو گفت دانائے گردن فراز

بالآخر جب اس بے بہرہ نے واپسی قصد کیا تو اس سے اونچی گردن والے عقلمند (یعنی ہوشیار) کہا نے

تو خود را گماں بردۂ پُر خرد انائے کہ پُر شد دگر چوں بُرد

کہ تو نے چونکہ اپنے کو عاقل وکامل سمجھ رکھا تھا (اسلئے بے بہرہ واپس ہو رہا ہے کیونکہ) جو برتن بھرا ہوا ہو دوبارہ کیونکر بھرا جاسکتا ہے

ز دعوے تہی آئے تا پر شوی تو از خود پری زاں تہی میروی

جا دعوی سے خالی ہو کر آتا کہ تو بھرا جاسکے اور چوں کہ تو اس وقت خود پہلے سے پُر ہے اسلئے خالی جا رہا ہے

ز ہستی در آفاق سعدی صفت تہی گرد و باز آئے پر معرفت

اپنی ہستی سے دنیا میں سعدی کے مانند خالی ہو جا تو پھر اس کے بعد تو معرفت سے پُر ہو کر آئے گا

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ جس ارادت میں آمیزش کبر و خود بینی کی ہو وہ صحیح ارادت ہی نہیں ہے جو اہل طریق کے نزدیک مدار فیض ہے پس ایسی ناقص ارادت کا ثمرہ بھی محرومی ہی ہے جیسا کہ اس شعر میں کہا گیا ہے کہ ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ہر کہ خود را دید او محروم شد

یعنی جس شخص نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا اور جو خود بینی میں پڑ گیا وہ محروم رہا

اس سے معلوم ہوا کہ خادم ہی ایک دن مخدوم بھی ہو جاتا ہے پس مخدوم ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ انسان پہلے خادم بنے پھر خدمت ہی اس کو مخدومیت کے مرتبہ پر پہنچا دے گی۔ اسی کو حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں کہ ؎

ہر آنکس کہ گردن بفرماں نہد بسے بر نیاید کہ فرماں دہد

(جو شخص خدا کے حکم پر گردن جھکا دیگا تو زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ وہ خود حکم دینے لگیگا)

اس سے معلوم ہوا کہ فرماندہی فرمانبرداری کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ یہی حال اور دوسرے کمالات کا ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آج جو طالب ہے کل کو وہی مطلوب ہوگا، محب ہے تو محبوب ہو جائے گا، قابل ہے تو مقبول ہو جائے گا، اگر عاشق ہے تو کل کو وہی معشوق ہو جائے گا۔ مرید ہے تو مراد ہو جائے گا۔

اسی طرح علمائے فن نے یہ بھی تصریح فرمادی ہے کہ طالب کو راہ حق کی طلب میں کیا کرنا چاہئے

چنانچہ شیخ العرب والعجم سیدنا ومولانا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ سے ایک دن ایک شخص نے سوال کیا کہ طالب راہ حق کو کیا کیا ضرورت ہے فرمایا کہ اول طالب شئی کو لازم ہے کہ وہ حقیقت و ماہیت شئے مطلوبہ دریافت کرے تاکہ رغبت اس کے حاصل کرنے کی دل میں پیدا ہو پس جو شخص کہ ارادہ کرے کہ صوفیوں کے طریق (و راہ حق) پر چلے اولاً ماہیت و حقیقت و غایت تصوف (کہ راہ حق ہے) معلوم کرے بعد ازاں ان کے اعتقادات و آداب ظاہری و باطنی کو سمجھے خصوصاً اطلاقات کو کہ ان کے حال و قال و تصنیفات میں آتے ہیں جانے اور خاص خاص اصطلاحات کہ ان کے کلمات میں پائی جاتی ہیں ان سے واقف ہو تاکہ وہ تابعداری ان کے افعال و اقوال و احوال کی کر سکے کیوں کہ کثرت مدعیان کذاب سے حال محققان باصواب مجہول ہو کر فساد واقع ہوتا ہے

(از امداد المشتاق ص۴۴)

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں محققان باصواب کے ساتھ مدعیان کذاب بھی بکثرت موجود رہے ہیں اور طالب اگر ان کے پہچاننے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ غلطی میں پڑ جاتا ہے جس کا نتیجہ فساد کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اس لئے طالب کے لئے لازم ہے کہ تجویز شیخ میں غایت درجہ اہتمام کرے تاکہ دھوکہ نہ ہو۔

علماء نے فن کی کتابوں میں پیر کے تلاش کرنے کا طریقہ بھی بیان کر دیا ہے چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جن کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ بیہقی وقت فرمایا کرتے تھے اپنی مشہور کتاب ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں کہ جب کمالات باطنی کا طلب کرنا واجبات سے ہے تو پھر ایسے پیر کا تلاش کرنا ضروری ہے جو کامل بھی ہو اور کامل بنا دینے والا بھی ہو کیوں کہ ایسے پیر کے سلسلہ کے بغیر خدا تک رسائی نہایت قلیل اور بہت نادر ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

نفس را نکشد بغیر از ظل پیر دامنِ آں نفس کش محکم بگیر

(نفس کو بس شیخ ہی مار سکتا ہے لہذا اس نفس کش کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ و ۱۲ ناقل)

پیر کامل کے تلاش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اکثر درویشوں سے ملاقات کرتا رہے اور کسی کا انکار اور عیب جوئی نہ کرے لیکن خود بہت سے تجسس اور تامل بغیر بیعت نہ کرے (تحفۃ السالکین ص۱۱)

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ لوگ بزرگوں کے پاس جب جائیں تو ان کا انکار اور عیب جوئی نہ کریں اور آج لوگ اسی پہلی ہی منزل میں ناکام ہو جاتے ہیں یعنی یہ کہ سچے مشائخ کی خدمت میں اگر

پہنچ بھی جاتے ہیں تو ان کا ادب واحترام جیسا کہ اہل طریق کے نزدیک معتبر ہے نہیں کرتے اس لئے محروم رہتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ تو ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ مشائخ کی صحبت کے لائق ہی نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: ؂

حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلس شاہ　　　ہر کرا نیست ادب لائق صحبت نبود

(یعنی اے حافظ تم علم و ادب سیکھو اس لئے کہ بادشاہ کی مجلس میں بیٹھنے کے قابل ہی وہ شخص نہیں جسکو ادب نہیں ہے)

حضرت ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ جو شخص بدون ادب کے بادشاہ کا ہم نشین ہوگا تو اس کی اس جہالت کا انجام ایک نہ ایک دن اس کے قتل کی شکل میں نمودار ہوگا (کیوں کہ ادب نہ ہونے کی وجہ سے کبھی نہ کبھی اس سے ضرور ایسی کوئی بے ادبی صادر ہو جائے گی جو بادشاہ کے خلاف مزاج ہوگی اور وہ اس کی وجہ سے اس کو قتل کرا دے گا۔) رسالہ قشیریہ۔

ادب دنیا میں بڑی چیز ہے اور ہر ایک کا ادب اس کے شایان شان ہوا کرتا ہے چنانچہ ایک ادب ہوتا ہے حق تعالیٰ کا اور ان کے احکام (اوامر و نواہی) کا جس کے متعلق حضرت سعید بن مسیب رضؓ فرماتے ہیں کہ:۔

من لم یعرف ما للہ عزوجل علیہ فی نفسہ ولم یتأدب بامرہ ونھیہ کان من الادب فی عزلۃ۔　　　(قشیریہ)

جس شخص نے یہ بھی نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ کے اس کے نفس پر بھی کیا حقوق ہیں اور حق تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کے ادا سے متادب نہ ہوا تو ایسا شخص تو ادب سے گویا بالکل ہی کنارہ کش ہی ہے۔ (یعنی ادب سے بالکل کورا ہے)

اسی طرح ایک ادب ہوتا ہے اہل اللہ کا جس کے متعلق حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جب مرید ادب ترک کر دے تو وہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس ہو جائے گا (یعنی شیخ کے فیض سے بالکل محروم رہ کر اس کے پاس سے بے نیل مرام واپس جائے گا۔ اور شیخ نوری فرماتے ہیں کہ:۔

من لم یتأدب للوقت فوقتہ مقت (یعنی جس شخص نے وقتی آداب ہی نہیں سیکھے تو سمجھ لو کہ اس کا سارا وقت مقت یعنی ناراضگی ہی میں گذر رہا ہے) بزرگوں کے پاس جانا تو بہت ہی آسان ہے لیکن اُن کا حسن ادب نہایت ہی دشوار امر ہے اور یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو موفق من اللہ ہو چنانچہ اس کے متعلق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک مستقل سرخی قائم فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ:۔

"از خداوند ولی التوفیق درخواست توفیق در رعایت ادب در ہمہ حال و بیان کردن وخامت

وضع رہا ئے بے ادبی" اور اس کے بعد فرماتے ہیں ؎

از خدا جوئیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(ہم خدا تعالیٰ سے ادب کی توفیق طلب کرتے ہیں کیونکہ بے ادب شخص حق تعالیٰ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ بے ادب انسان خود اپنا ہی نقصان نہیں کرتا بلکہ ساری دنیا میں اس کی بے ادبی سے آگ لگ جاتی ہے۔ ۱۲ ناقل)

یہاں اس مقام کے مناسب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کلام نقل کر دیں جسے انھوں نے اپنی کتاب فتاوی حدیثیہ میں بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ پر کس قسم کے لوگ اعتراض کرتے ہیں اور ان کے اعتراض کے وجوہ اور خود ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ وھذا النص:۔

وکثیر من النفوس التی یراد بھا عدم التوفیق اذا رأت من استاذ شدۃ فی التربیۃ تنفر عنہ وترمیہ بالقبائح والنقائص ما ھو عنہ بریٔ ولیحذر الموفق من ذالک فان النفس لا ترید الا ھلاک صاحبھا لا یطیعھا فی الاعتراض علی شیخہ وان راہ علی ادنی حال حیث امکنہ ان یخرج افعالہ علی تاویل صحیح ومقصد مقبول شرعاً۔

ومن فتح باب التاویل للمشائخ واغضی عن احوالھم ووکل امرھم الی اللہ تعالیٰ واعتنیٰ بحال نفسہ وجاھدھا بحسب طاقتہ فانہ یرجی لہ الوصول الی مقاصدہ والظفر بمرادہ فی السر والعلانیۃ فی اسرع زمن ومن فتح باب الاعتراض علی المشائخ والنظر فی افعالھم والبحث عنھا فان ذالک علامۃ حرمانہ وسوء عاقبۃ وانہ لا یفلح۔

(رسائل ابن عابدین ص ۲۸۹ ج ۲)

اور بہت سے وہ نفوس جن سے عدم توفیق کا ارادہ کیا جاتا ہے (یعنی جو بے توفیقے ہوتے ہیں) جب کہ وہ اپنے شیخ سے تربیت کے باب میں کچھ سختی دیکھتے ہیں تو ان کے یہاں سے بھاگ نکلتے ہیں اور ایسے ایسے عیوب اور نقائص کا ان پر الزام لگاتے ہیں جن سے

وہ بالکل بری ہوتے ہیں اور موفق شخص کو تو اس قسم کے امور سے بہت ڈرنا اور خوف کرنا چاہئے کیوں کہ نفس تو اپنے صاحب کو ہلاک ہی کرنا چاہتا ہے (پس) اپنے شیخ پر اعتراض کے بارے میں تو (ہرگز) اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے اور اگر اس کو کسی ادنیٰ حال پر دیکھے بھی تو جہاں تک ہوسکے اس کے افعال کو کسی صحیح محمل پر اور ایسے مقصد پر محمول کرے جو شرعاً مقبول ہو۔ اور جس شخص نے مشائخ کے لئے تاویل کا دروازہ کھولا اور ان کے احوال سے چشم پوشی کی اور ان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیا اور خود اپنے نفس کی فکر میں لگا رہا اور حسب طاقت اس کے ساتھ مجاہدہ کرتا رہا تو ایسے شخص کے لئے بہت ہی تھوڑے زمانہ میں اپنے مقصد کی وصولیابی اور ظاہر و باطن میں اپنی مراد کے پا لینے کی امید کی جاتی ہے اور (برخلاف اس کے) جس شخص نے مشائخ پر اعتراض کا دروازہ کھولا اور ان کے افعال و احوال پر (مخالفانہ و معاندانہ) نظر کی اور اس کی جستجو میں پڑا تو یہ اس کی محرومی کی علامت اور اس کے سوء عاقبت کی نشانی ہے اور ایسا شخص کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ مشائخ پر اعتراض اور انکار وہی شخص کیا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلوب التوفیق ہوتا ہے اور منشا اس کے انکار کا یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص اپنی خواہشات نفس کو تو اچھا سمجھتا ہے اور اس پر راضی رہتا ہے اور ان حضرات کی تعلیم و تربیت کو (جو کہ عین شفقت پر ہوا کرتی ہے) سخت جانتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص نے مشائخ کے افعال کی تاویل کی اور اپنے نفس کے مجاہدہ اور اس کی اصلاح میں لگا رہا وہ اس طریق میں بہت جلد کامیاب ہوتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے کہ جس نے ان پر اعتراض کا دروازہ کھولا اور اپنے کو دیکھنے کے بجائے انھیں حضرات کے افعال کے ادھیڑبن میں لگا رہا تو یہ اس کے عدم فلاح حرمان اور (العیاذ باللہ) سوء خاتمہ کی علامت ہے۔

چنانچہ آج دیکھا بھی یہی جاتا ہے کہ کسی شخص پر اعتراض اور انکار وہی کرتا ہے جس کو اس کے یہاں سے کچھ ملا نہیں ہوتا اور یہ آج کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ لوگوں کی یہ عادت قدیمہ ہے چنانچہ امام غزالیؒ نے اس پر قرآن شریف کی اس آیت سے استدلال کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ نہایت عمدہ استدلال ہے فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ یعنی اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے۔ یعنی جب کفار مکہ کو قرآن کریم سے کوئی ہدایت نہ ملی تو بجائے اس کے کہ اس کو اپنا نقص سمجھتے کیوں کہ:-

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

اور سہ اس کے احسان تو ہیں عام شہیدی سب پر — تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اور سہ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

برعکس اس کے قرآن کریم کے متعلق کہنے لگے کہ ھٰذا افك قدیم (یہ تو قدیمی جھوٹ ہے)

یہی حال لوگوں کا آج مشائخ کے ساتھ ہے کہ جب اپنی خامیوں کی بنا پر اُن سے فیض نہیں پاتے تو یا تو سرے سے انکار ہی کر دیتے ہیں اور یا کوئی نہ کوئی عیب ان میں لگا دیتے ہیں جس طرح کہ لومڑی انگور کے خوشے پر بہت کچھ اچھلی کودی مگر جب اس کو نہ حاصل کر سکی تو یہ کہکر واپس ہوئی کہ نگوڑے انگور ہی کھٹے ہیں اور میں تو اس قسم کے لوگوں کی ایک اور مثال بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک عورت اپنے شوہر کی بالکل معتقد نہیں تھی حالانکہ وہ تھے ولیِ کامل۔ ایک دفعہ رات کو وہ اڑے اور اپنے محلہ کی طرف سے نکلے چنانچہ سب نے دیکھا ان کی بیوی نے بھی دیکھا صبح کو بیوی نے ان سے کہا کہ تم تو ناحق اپنے کو ولی کہتے ہو، ولی تو رات ہم نے دیکھا ہے کہ ہوا پر اڑے جا رہے تھے انھوں نے پوچھا کہ اچھا وہ بزرگ تھے کہا ہاں، پھر پوچھا سچ بتاؤ کہ وہ ولی تھے؟ کہا، اس میں بھی کوئی شک ہے جب اس سے اچھی طرح سے اقرار کرا لیا تو کہا کہ جانتی بھی ہو وہ بزرگ کون تھے؛ وہ میں ہی تھا یہ سن کر اُس نے کہا کہ اچھا تم تھے، جب ہی ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے۔

دیکھا آپ نے جو کسی کا معتقد نہیں ہوتا اس کے لئے انکار کے بہت سے طریقے ہیں کچھ نہ بن پڑا تو یہی عیب لگا دیا کہ ٹیڑھے ٹیڑھے اُڑ رہے تھے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح یہ طریق قدیم ہے اور مشائخ محققین ہمیشہ اور ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں اسی طرح سے ہر زمانہ میں ان حضرات سے دو جماعتوں کا تعلق رہا ہے۔ ان کے ماننے والے بھی ہوئے ہیں اور مخالف بھی ہوئے ہیں۔ لوگوں نے اُن کی تصدیق بھی کی ہے اور کسی کسی نے انکار بھی کیا ہے غرض ان کے ساتھ یہ تصدیق و انکار کا سلسلہ برابر رہا ہے۔ اور جب کہ دونوں قسم کے لوگ موجود رہے تو ان مشائخ نے ان دونوں جماعتوں کے ساتھ مختلف برتاؤ بھی کیا ہے۔ یعنی مخلص اور مصدق کو تو قریب کیا ہے اور منکر و منافق کو اپنے یہاں سے نکالا اور دور کیا ہے بلکہ اگر ان کو ذرا سا شبہہ اس امر کا ہوا ہے کہ یہ شخص ان کو حقیر سمجھ رہا ہے تو اس سے بات تک کرنا گوارا نہیں کیا گیا ہے۔ اس بارے میں مشائخ کے بیشمار واقعات معتبر کتابوں میں موجود ہیں لیکن ہم یہاں صرف چند واقعات تصوف کی معتبر کتاب رسالہ قشیریہ سے (جو امام ابو القاسم عبد الکریم القشیری الشافعی نیشاپوری کی مشہور و

معروف تصنیف ہے) ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں کو جو مشائخ سے اپنی بداخلاقی کے باوجود اخلاق کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کے دار وگیر تنبیہ اور اخراج کو (جو کہ حقیقۃً اخراج نہیں ہوتا بلکہ شرائط داخلہ کی تحصیل کی جانب ملتفت کرنا ہوتا ہے) بداخلاقی سے تعبیر کرتے ہیں فی الجملہ مشائخ مصلحین کے طرز کا علم ہو جائے اور وہ یہ جان لیں کہ یہ کوئی نیا طریقہ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں بزرگوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ افسوس اس زمانہ میں پہلے جیسے بزرگ رہے نہیں ورنہ ان منکرین کی خوب قلعی کھلتی اور جو لوگ اس زمانہ میں کچھ کام کرنا بھی چاہتے ہیں تو وہ بیچارے انھیں منکرین کے ڈر سے کچھ کہتے نہیں کہ یہ لوگ الٹے انھیں حضرات کو بداخلاق کہہ کر بدنام کریں گے۔

صاحب رسالہ قشیریہ باب حفظ قلوب المشائخ وترک الخلاف علیھم میں شیخ کی مخالفت اور انکار کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

سمعت الاستاذ ابا علی الدقاق رحمۃ اللہ علیہ یقول بدء کل فرقۃ المخالفۃ یعنی بہ ان من خالف شیخہ لم یبق علی طریقتہ وانقطعت العلقۃ بینھما وان جمعتھما البقعۃ فمن صحب شیخاً من الشیوخ ثم اعترض علیہ بقلبہ فقد نقض عھد الصحبۃ ووجبت علیہ توبۃ علی ان الشیوخ قالوا حقوق الاستاذین لا توبۃ عنھا۔

(قشیریہ ص۱۶۵)

میں نے اپنے استاد حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر فرقت کی ابتدا مخالفت سے ہوا کرتی ہے یعنی جس شخص نے اپنے شیخ کی مخالفت کی تو وہ اس کے طریقے پر باقی نہیں رہ گیا اور ان دونوں کے درمیان جو رشتہ ہے منقطع ہو گیا اگرچہ (اس کے بعد) وہ دونوں ایک ہی جگہ پر رہیں اس لئے جو شخص بھی مشائخ میں سے کسی شیخ کی خدمت میں رہا پھر اس پر اپنے قلب سے اعتراض بھی کر دیا تو اس نے عہد صحبت فسخ کر دیا اور اس پر توبہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔ اگرچہ مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے مشائخ کے حقوق (تلفی) کی توبہ ہی نہیں ہے۔

پھر آگے امام نے انکار اور اعتراض کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا فرماتے تھے کہ سہل بن عبد اللہ نے ایک شخص کی بزرگی کی تعریف کی جو کہ بصرہ میں روٹی کے پکانے کا کام کرتے تھے، اس تعریف کو سہل بن عبد اللہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے سنا اور ان کی زیارت کا مشتاق ہوا چنانچہ ملاقات کے لئے چلا یہاں تک

کہ بصرہ پہونچ کر اس طباخ کی دوکان پر پہنچا اور ان بزرگ کو دیکھا کہ وہ (تنور میں) روٹی پکا رہے ہیں اور جیسا کہ نان بائیوں کی عادت ہوتی ہے اپنے داڑھی پر ایک کپڑا باندھے ہوئے ہیں (یہ دیکھ کر) اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ ولی ہوتے تو ان کے بال بغیر نقاب کے بھی نہ جلتے (اس طور پر دل میں اُنکا انکار کرکے) پھر ان کو سلام کیا اور ان سے کچھ دریافت کیا ان بزرگ نے فرمایا اے شخص تو نے مجھ کو حقیر جانا ہے پس تجھ کو میرے کلام سے کچھ نفع نہ ہوگا یہ کہا اور (اس کے علاوہ) اس سے کوئی بات کرنا پسند نہ کیا۔

دیکھا آپ نے یہ حضرات منکر کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ فرماتے تھے۔ نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منکر شخص بزرگوں کے فیض سے اور انکے نفع سے محروم رہتا ہے۔

اسی کتاب میں ایک دوسرا واقعہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ:-

”میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عبدالرحمٰن رازی نے ابوعثمان حیری سے سنا کہ وہ محمد بن فضل بلخی کا وصف بیان فرمارہے ہیں اور ان کی تعریف کر رہے ہیں۔ یہ سن کر (عبدالرحمٰن رازی) کو محمد بن فضل کی ملاقات کا اشتیاق ہوا چنانچہ ان کی زیارت کے لئے گئے لیکن محمد بن فضل کے متعلق جیسا اعتقاد (ان کی تعریف وغیرہ سن کر) لے گئے قلب میں ان کو دیکھ کر اس درجہ وقعت نہ ہوئی جب ابوعثمان حیری کے پاس لوٹ کر آئے تو انھوں نے پوچھا کہ تم نے ان کو کیسا پایا؟ ان سے بھی کہہ دیا کہ جیسا سمجھ کر گئے تھے ویسا نہیں پایا۔ یہ سن کر ابوعثمان نے کہا کہ بات یہ ہوئی ہوگی کہ تم نے ان کو حقیر سمجھا ہوگا اور (طریق کا یہ قاعدہ ہے کہ) کسی نے کسی کو نہیں حقیر سمجھا مگر یہ کہ اس کے فائدہ سے محروم کر دیا جاتا ہے (یعنی جو شخص کسی کو حقیر سمجھتا ہے وہ اس کے فیض سے محروم رہتا ہے) لہٰذا تم پھر ان کی خدمت میں جاؤ اور عظمت و احترام کے ساتھ جاؤ (پھر دیکھو کہ نفع ہوتا ہے یا نہیں) چنانچہ عبداللہ (یعنی وہی عبدالرحمٰن رازی) دوبارہ پھر (اس طریقے سے) گئے اور ان کی زیارت سے بہت نفع ہوا۔

دیکھئے اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ کسی بزرگ سے اخذ فیض کے لئے قلب میں ان کا ادب واحترام کا ہونا ضروری ہے بدون اس کے محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک بات یہ سمجھئے کہ علماء یہ جو فرماتے ہیں کہ اس طریق میں انکار کی گنجائش نہیں تو یہ بالکل صحیح ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انکار کی نحوست ہی بہت بری ہوتی ہے جس طرح ایک طرف اس کا اثر منکر پر یہ ہوتا ہے کہ وہ قطعی محروم رہتا ہے اسی طرح بعض مرتبہ

اس کی وجہ سے خود شیخ پر بھی فیض بند ہو جاتا ہے جس کا اثر دوسرے مرید بن پڑتا ہے کہ وہ سب کے سب بھی فیض سے محروم ہو جاتے ہیں۔ روح المعانی میں ہے۔

وصحبۃ المنکر علی اولیاء اللہ تعالیٰ تورث نفقاً یصعب علی الخیاط رتقہ وتوثر خرقاً لیعیی الواعظ رقعہ

ومن الغریب مایحکی ان الجنید قدس سرہ جلس یوماً مع خاصۃ اصحابہ وقد اغلق باب المجلس حذراً من الاغیار وشرعوا یذکرون اللہ تعالیٰ فلم یتم لھم الحضور ولا فتح لھم باب التجلی الذی یعھدونہ عند الذکر فتعجبوا من ذلک فقال الجنید ھل معکم منکر حرمنا بسببہ فقالوا لا ثم اجتھدوا فی معرفۃ المانع فلم یجدوا الا نعلاً لمنکر فقال الجنید من ھھنا اوتینا فانظر یرحمک اللہ تعالیٰ اذا کان ھذا نعل المنکر فما ظنک بہ اذ احضر بلحیتہ۔

(روح المعانی ص ۹۴ جلد ۱۰)

اور اولیاء اللہ کے منکر کی صحبت ایسی دریدگی اور پھٹن پیدا کر دیتی ہے جس کا رفو کرنا درزی کو بھی دشوار ہوتا ہے اور ایسا شگاف پیدا کر دیتی ہے جس میں واعظ بھی پیوند نہیں لگا سکتا۔

حکایات غریبہ میں سے ہے کہ حضرت جنید قدس سرہ ایک دن اپنے خواص اصحاب کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور اپنے کو اغیار سے بچانے کے لئے مکان کا دروازہ بند کر کے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے لیکن جیسا حضور قلب اور جیسی تجلی کہ حسب معمول ذکر کے وقت ہوا کرتی تھی اس دن مفقود تھی۔

چنانچہ سب لوگوں کو اس پر تعجب ہوا (کہ آخر کیا بات ہے) اتنے میں حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تم میں کوئی منکر شخص تو نہیں آگیا ہے جس کے سبب سے ہم آج محروم ہوئے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں حضرت کوئی منکر تو ہم میں معلوم نہیں ہوتا پھر سب کے سب مانع دریافت کرنے کی فکر میں لگے بالآخر کچھ نہ ملا بجز کسی منکر کے ایک پیر کے جوتے کے (جسے کوئی مرید غلطی سے بدل لایا تھا) حضرت جنیدؒ کو جب اس کا پتہ چلا تو فرمایا کہ بس معلوم ہوا اسی کی نحوست ہے اور یہی ہماری محرومی کا سبب ہے۔ بس اے مخاطب اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے دیکھ اور سبق لے کہ جب اتنا اثر صرف منکر کے ایک جوتے کا ہو سکتا ہے تو اگر کہیں خود کوئی منکر ہی اپنی ڈاڑھی سمیت (کسی شیخ کی مجلس میں) حاضر ہو جائے تو تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ (کہ کیسی کچھ محرومی نہ ہو گی)۔

دیکھا آپ نے انکار کی نحوست کہ حضرت جنید جیسا ولی کامل جو اولیاء اللہ کے سردار اور اس

طائفہ کے امام گزرے ہیں جب ان پر فیض منکر کے ایک جوتے کے آجانے سے بند ہو سکتا ہے تو اور دوسرے مشائخ کے یہاں مسلّم منکر پہنچ کر کیا کچھ خلل اندازی نہ کرے گا۔ اسی لئے یہ حضرات مشائخ انکار سے بڑھ بڑھ کر منکر سے نفرت فرماتے ہیں اور اسی لئے طریق کا مسلّمہ اصول ہے کہ اس میں چور کا زنا اور دیگر معصیت کی تو کھپت ہے مگر انکار کی کھپت نہیں (یعنی یہ سب معاصی تو بدعملی ہے اور بدعمل شخص اصلاح کے لئے طریق میں داخل ہو سکتا ہے لیکن انکار تو بد اعتقادی ہے لہٰذا اس کی کھپت نہیں) ناقل ۱۲

جس طرح علماء باطن نے بزرگ تلاش کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح یہ حضرات اس کو بھی بیان فرماتے ہیں کہ شیخ کے اندر کن کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے جن کی رعایت کرتے ہوئے کسی کو شیخ تجویز کرنا چاہئے اس کے لئے ہم یہاں سید المفسرین حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب خلف عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کے رسالہ بیعت کی عبارت درج کرتے ہیں جس میں شاہ صاحب نے پہلے بیعت شریعت کی تعریف اور اس کی ضرورت بیان فرمائی ہے اور اس کے بعد شیخ کے اوصاف کا بیان کیا ہے چنانچہ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

اما بیعت شریعت پس حقیقتش آنکہ مرد عامی کہ عمر را در غفلت و معصیت گزاردہ ہرگاہ بریں خیال متنبہ می شود و ندامت می کشد و رجوع بر ان تقویٰ و طاعت می خواہد، حصول ایں معنی بدون تحکیم عالم متقی بر ظاہر و باطن خود در عادت منتظم نمی تواند شد چہ دیدن کتاب ہائے شریعت مانند مراجعت کتب طب است بیمار را بدون حصول ملکۂ طب و معالجہ بانیقدر اصلاح مزاج و دفع مرض دشوار است۔

بہر حال بیعت شریعت پس اس کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی عامی شخص جس نے کہ اپنی عمر کو غفلت اور معصیت کے کاموں میں صرف کی ہو جب اس کو اپنے اس حال پر تنبہ ہوا (یعنی اس کے درستگی کا خیال آوے) اور (حالات گزشتہ) پر وہ نادم ہو کر تقویٰ اور طاعت کے کاموں کی جانب رجوع کرنا چاہے تو یہ چیز بدون کسی عالم کے جو ظاہراً اور باطناً متقی ہو اپنے اوپر حاکم بنائے ہوئے یوں ہی بطور خود عادتاً وقوع پذیر نہیں ہوا کرتی کیوں کہ شریعت کی کتابوں کا مطالعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی طب کی کتاب کی مراجعت کی جائے (اور یہ سب جانتے ہیں کہ) بیمار کے لئے بغیر اس کے کہ اس کو طب میں اور معالجہ میں ملکہ اور مہارت نہ حاصل ہو محض اتنے سے مزاج کی اصلاح اور مرض کا دفع کر لینا بہت دشوار ہے۔

یہاں تک تو بیعت کی حقیقت اور اس کی ضرورت کا بیان تھا آگے انتخاب شیخ کے بارے میں ارشاد

فرماتے ہیں کہ۔

وہمچنیں بقول ہر عالمے عمل کردن موجب تحیر است کہ ہر یکے صحیح الفکر والحواس نمی باشد پس بنا برایں ضرورت مردے راکہ باوجود علم وتقویٰ دو صفت داشتہ باشد یکے عدم مساہلت و مداہنت در مقام امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ دوم شناختن آنچہ بحال طالب افضل واسہل است۔ پس ایں چنیں کس را اختیار کند و زمام امور خود را بدست او سپارد ومتابعت او برخود لازم گیرد تا مراد خود رسد۔ وثمرہ ایں رسیدن است بہ نجات کلی در عقبیٰ و دخول او در جناب العلی وتحصیل رضائے مولیٰ۔ (رسالہ بیعت صہ۲۷)

اور اسی طرح ہر عالم کے قول پر عمل کرلینا تحیر اور پریشانی تشتت کا سبب ہے کیوں کہ ہر عالم بھی تو صحیح الفکر اور صحیح الحواس نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا اس ضرورت کے ماتحت (کسی کو اپنا شیخ اور مصلح مقتدا اور پیشوا بنانے کیلئے ایسے مرد کا انتخاب کرنا چاہئے کہ وہ علاوہ علم وتقویٰ (ان دو اوصاف کے) دو اور اوصاف سے متصف ہو ایک تو یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں تساہل اور مداہنت کو روا نہ رکھتا ہو دوسرے یہ کہ طالب کے مناسب حال، اسہل اور افضل جو امور ہوں ان کی شناخت میں ماہر ہو۔ پس ایسے شخص کو اختیار کرے اور اپنے تمام امور کی لگام اس کے ہاتھ میں دیدے (یعنی باب اصلاح میں اسکو اپنے اوپر اختیار کلی دیدے اور اس کی اتباع کو اپنے اوپر لازم پکڑے تاکہ اپنی مراد کو پہونچے۔ اور اس پہنچنے کا ثمرہ اور نتیجہ آخرت میں نجات کلی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی اور مولیٰ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔

علماء کی ان مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ مشائخ سے فیض اور فائدہ حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انکار نہ ہو ان کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کی گئی ہو اور ان کے یہاں کبر وغرور اور خود بینی وغیرہ لے کر نہ جائے ورنہ بجز محرومی وناکامی کے اور کچھ حاصل نہیں اور جس طرح ان امور کا پایا جانا حصول نفع کے لئے شرط ہے اسی طرح مشائخ محققین نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ طریق میں داخل ہونے کے بعد بھی سالک کے لئے سلوک کے کچھ اصول ہیں کہ ان کی رعایت کرنے پر ہی وصول ممکن ہے ورنہ ان کے ضیاع کی وجہ سے محرومی لازم ہے چنانچہ صاحب رسالہ قشیریہ نے لکھا ہے کہ انما حرموا الوصول لتضییعہم الاصول۔ یعنی لوگ وصول الی اللہ سے اصول طریق کو ضائع کرنے کی وجہ سے محروم ہوگئے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ طریق کے اصول کیا ہیں تو اس موضوع پر میں نے حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ عمدہ کلام کسی کا نہیں دیکھا اس لئے ہم ان کی مشہور کتاب "منہج العمال" سے جو

انھیں کی ایک دوسری کتاب "کنز العمال" کی تلخیص ہے طریق کے وہ اصول جو اس میں بیان کئے گئے ہیں یہاں بعینہٖ درج کرتے ہیں۔ وھی ھذہ

منھا اکل الحلال وسوا ھم الاصول لان الحلال یثیب ثواب عبادۃ لم یفعلہ الشخص والحرام یبطل ثواب عبادۃ فعلھا الشخص توضیحہٗ شخص تعب فی النھار بسبب الکسب الحلال وکانت لہ وظیفۃ عبادۃ فی اللیل ففاتت منہ بسبب التعب فلا شک انہ یعطی ثواب تلک العبادۃ ومن اکل الحرام اولبس الحرام فالغالب انہ لا یوفق للطاعۃ وان وفق نادراً وقام اللیل کلہ یصلی لا یقبل صلوٰتہ لانہ لا یخلو عن ریاء اوسمعۃ او عجب فیبطل ثوابھا وورد من اشتری ثوبا بعشرۃ دراھم وفیہ درھم حرام لم یقبل اللہ لہ صلوٰۃ مادام علیہ منہ شئی رواہ احمد عن عمرؓ قال ذوالنونؒ وجوہ الحلال خمسۃ تجارۃ بالصدق وصناعۃ بالنصح وصید البر والبحر والمیراث حلال الاصل وھدیۃ من موضع ترضاھا و قال المھدیؒ اجمع العلماء علی ان الحلال المطلق ما اخذ من ید اللہ تعالیٰ بسقوط الوسائط۔

ومنھا حسن الخلق:۔ اعلم ان حسن الخلق ھو معاملتک مع کل احد بما لیسرہ الا فیما یخالف الشرع۔ ثم اعلم ان الاخلاق الحمیدۃ کثیرۃ واصلھا التواضع والبواقی تدور علیہ والاخلاق الذمیمۃ کثیرۃ واصلھا التکبر والبواقی تدور علیہ۔

ومنھا مجانبۃ الاضداد وھو کل من لیس مقصدہ مقصدک۔

ومنھا عدم الاغترار باحسان اللہ تعالیٰ مع الاصرار علی الذنوب کما ورد فی الحدیث اذا رأیت اللہ یعطی العبد من الدنیا مایحب وھو یقیم علی معاصیہ فانما ذالک استدراج منہ رواہ احمد والطبرانی والبیھقی عن عقبۃ بن عامر۔

وقال ابن عطاء خف من وجود احسانہ الیک ودوام اساءتک معہ ان یکون ذالک استدراجاً سنستدرجھم من حیث لا یعلمون وقال ایضاً من جھل المرید ان یسیٔ الادب فتوخر العقوبۃ عنہ فیقول لوکان

هذا اسوء ادب لقطع الامداد واوجب البعاد فقد قطع المدد من حيث لا يشعر ولو لم يكن لما منع المزيد وقد يقام مقام البعد ولو لم يكن الا ان يخليك وما تريد - ومنها الزهد فى الدنيا - اعلم ان المانع الاكبر الذى منع السالكين عن السلوك حب الدنيا والآيات والاخبار فى بغض الدنيا كثيرة نقتصر منها على آية وحديث قال الله تعالى من كان يريد العاجلة عجلنا له فيها ما نشاء لمن نريد ثم جعلنا له جهنم يصلها مذموما مدحورا وورد فى الحديث حب الدنيا راس كل خطيئة -

ومعرفة الدنيا اهم فربما يكون الشخص فقيراً ليس عنده قوت يوم ولا ثوب غير ما يستر عورته وهو يظن انه فقير وهو من اهل الدنيا بعلامات وربما يكون الشخص ذا مال وامتعة وهو يظن انه من اهل الدنيا والحال انه ليس من اهل الدنيا بعلامات ذكرناها فيها وبعض تفاصيل الزهد ومسائله مذكورة فى كتاب منهاج العابدين وفى مختصرات الاحياء وفى الجملة الدنيا مبغوضة الله والله تعالى محبوب السالك والمنافاة بين الضدين ظاهر فافهم - (منهج العال)

(طریق کے بہت سے اصول ہیں) ان کے منجملہ ایک اصل اکل حلال ہے اور وہ اہم الاصول ہے اس لئے کہ حلال (روزی) تو اس عبادت کا بھی ثواب دلا دیتی ہے جسے انسان کئے بھی نہیں ہوتا اور حرام کا حال یہ ہے کہ ایک انسان کے کی ہوئی عبادت کے ثواب کو بھی ختم کر دیتا ہے تشریح اس کی یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص ہے جو کہ دن میں کسب حلال کرنے کی وجہ سے تھک گیا اور شب میں کسی عبادت کے کرنے کا اس کا معمول تھا جو اس تعب کی وجہ سے فوت ہو گئی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کو اس عبادت کا ثواب ملے گا۔ اور (برخلاف اس کے) جو شخص حرام کھائے یا حرام پہنے تو اکثر تو یہی تو ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو طاعت کی توفیق ہی نہیں ہوتی اور شاذ و نادر توفیق ہوئی بھی اور ساری رات مثلاً کھڑا ہوا نماز پڑھتا رہا تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں فرمائیں گے اس لئے کہ وہ خالی از ریا و نمود یا عجب نہ ہوگی پس اس کی وجہ سے اس کا ثواب برباد ہو جائے گا اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس شخص نے دس درہم کا کوئی کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام آمدنی کا شامل ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نمازیں اسوقت تک قبول نہ فرمائیں گے جبتک

کہ اس کے بدن پر کپڑے کا کوئی بھی حصہ موجود رہے گا۔ (اس روایت کو امام احمد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا ہے) حضرت ذوالنون نے فرمایا ہے کہ حلال آمدنی حاصل کرنے کے پانچ طریقے ہیں۔ سچائی کے ساتھ تجارت کرنا۔ خیر خواہی کے ساتھ کوئی پیشہ اور صنعت اختیار کرنا جنگل یا بحر میں شکار کرنا۔ اور میراث جب کہ اصل مورث کا مال حلال رہا ہو اور ایسی جگہ سے ہدیہ لینا جس کو پسند کرتا ہو۔ مہدی کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ حلال مطلق وہ ہے جو بدون وسائط کے براہ راست اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں سے ملے۔

اور منجملہ ان اصول کے ایک حسن خلق ہے۔ سو پہلے یہ سمجھ لو کہ حسن خلق کہتے ہیں تمہارا معاملہ کرنا ہر شخص کے ساتھ ایسا عمل سے کہ وہ خوش ہو جائے بجز ان امور میں جو کہ خلاف شرع ہوں (کہ اس میں رضائے مولیٰ مقدم ہے) پھر یہ سمجھو کہ اخلاق حمیدہ یوں تو بکثرت ہیں لیکن اصل ان سب کی تواضع ہے اور بقیہ سب اسی پر دائر ہیں (اسی طرح) اخلاق مذمومہ بھی بہت ہیں اور ان سب کی اصل تکبر ہے اور باقی سب اسی پر دائر ہوتے ہیں۔

اور منجملہ ان اصول کے اضداد یعنی ناجنس سے اجتناب کرنا ہے اور ناجنس وہ ہے کہ اسکا مقصد اور تمہارا مقصد ایک نہ ہو (آج سب سے زیادہ نقصان لوگوں کو اسی سے پہنچ رہا ہے) اور منجملہ ان اصول کے گناہوں پر اصرار کے باوجود اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان کے مورد ہونے سے دھوکہ میں نہ پڑنا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو باوجود اس کے کہ وہ معاصی پر قائم ہے، دنیا میں سے اسکی محبوبات عطا فرما رکھا ہے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے استدراج یعنی ڈھیل اور اس کی ایک آزمائش ہے اس روایت کو حضرت عقبہ بن عامر سے احمد و طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

اور ابن عطاؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر برابر احسان ہونے اور اپنی جانب سے اللہ تعالیٰ کی دائمی معصیت ہونے سے خوف کرو مبادا وہ سب انعام اکرام استدراج ہو۔ (چنانچہ ارشاد ہے کہ) ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ مرید کی جہالت سے ہے یہ بات کہ وہ تو بے ادبی کرے اور اس کی سزا موخر ہونے کی وجہ سے وہ یوں کہنے لگے کہ (یہ بے ادبی ہی نہیں کیونکہ اگر یہ بے ادبی ہوتی تو امداد منقطع ہو جاتی اور بعاد یعنی دوری لازم ہو جاتی (تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ) تحقیق مدد قطع ہو گئی ہے اور ایسی قطع ہوئی ہے کہ اس کو اس کا شعور بھی نہیں ہوا اور (اس کی دلیل یہ ہے کہ) اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو یہ شخص ترقی سے نہ روک دیا جاتا اور یہ (عدم ترقی) بھی قائم مقام بعد ہی کے ہے اگرچہ وہ اسی قدر ہو کہ تم کو

اور تمہارے ارادے کو چھوڑ دیا جائے کہ تم جانو اور تمہارا کام جانے اور منجملہ ان اصول کے دنیا سے بے رغبتی ہے سو جان رکھو کہ وہ مانع اکبر جس نے بہت سے سالکین کو روک دیا ہے حب دنیا ہے اور آیات و روایات دنیا کے مبغوض (عند اللہ) ہونے میں بکثرت ہیں ہم یہاں صرف ایک آیۃ اور ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فی الحال ہی دے دیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندہ ہو کر داخل ہوگا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

اور دنیا کی معرفت بھی ایک امر مبہم ہے کیونکہ بسا اوقات ایک شخص فقیر ہوتا ہے (یہانتک کہ اس کے پاس ایک دن کا کھانا اور علاوہ ستر ڈھانکنے کے کپڑا تک نہیں ہوتا اور وہ خود بھی اپنے کو فقیر ہی سمجھتا ہے مگر ہوتا ہے وہ دنیا دار (اس واسطے کہ وہ دل میں مال کی محبت رکھتا ہے) جس کی کچھ علامات ہیں۔ اسی طرح بسا اوقات ایک شخص مالدار اور سازو سامان والا ہوتا ہے اور اپنے کو اہل دنیا میں سے سمجھتا ہے مگر وہ دنیا دار نہیں ہوتا (اس واسطے کہ .... مال کی محبت دل میں نہیں رکھتا) بعض ان علامات کی وجہ سے جن کو ہم نے اسی رسالہ میں ذکر کیا ہے۔ اور زہد کی کچھ تفصیل اور اسکے مسائل کتاب منہاج العابدین اور مختصر الاحیاء وغیرہ میں مذکور ہیں حاصل کلام یہ کہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے اور اللہ تعالیٰ سالک کا محبوب ہے (پس دنیا گویا اپنے محبوب کی مبغوض ہوئی اور ظاہر ہے کہ محبوب کی مبغوض شئی خود کو بھی مبغوض ہی ہوگی کیونکہ محبوب بھی محبوب ہو اور اس کا مبغوض بھی محبوب ہو (یہ تو اضداد کا جمع کرنا ہوا اور اضداد کا جمع کرنا محال ہوا کرتا ہے کیونکہ) ضدین کے درمیان جو منافات ہوا کرتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے خوب سمجھ لیجئے۔

طریق کے یہ سب اصول آپ کے سامنے ہیں۔ اب اس کا فیصلہ خود آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ لوگوں کو مشائخ کے یہاں نفع نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے آیا یہ وجہ ہے کہ لوگ تو طریق کا حق اور مشائخ کے آداب کی پوری پوری رعایت کرتے ہیں مگر پھر بھی ان کو فائدہ نہیں ہوتا یا یہ کہ دراصل جو لوگ طریق میں داخل بھی ہوتے ہیں حقیقتہً وہ طریق میں داخل ہی نہیں ہوتے پھر جب لوگ خود ہی کچھ کام نہ کریں اور نہ طریق کا ان کے نزدیک کوئی طریقہ ہو اور نہ کوئی اصول تو عدم کامیابی کی شکایت کیا اور اس کے ذمہ دار مشائخ کیوں جب کہ یہ امر مسلّم ہے کہ دین و دنیا کا کوئی چھوٹا یا بڑا کام بے اصولی سے انجام نہیں پا سکتا

بلکہ ہر کام کے لئے نہ کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں جن کی رعایت ضروری ہوا کرتی ہے پھر اس کلیہ سے آخر طریق ہی کیوں مستثنیٰ کر دیا گیا کہ اس کے لئے نہ کچھ اصول ہوں اور نہ آداب اسی۔ لئے میں کہا کرتا ہوں کہ آج لوگوں کے نزدیک تصوف کی بس یہ حیثیت ہے کہ ع "یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں الٹا سیدھا" پھر ان اصول خمسہ مذکورہ (یعنی اکل حلال حسن خلق۔ مجانبۃ الاضداد۔ عدم اعتزاء باحسان اللہ اور زہد فی الدنیا) سے قطع نظر کیجئے کہ ان کا نمبر تو طریق میں داخل ہونے کے بعد آتا ہے لیکن ان سب سے مقدم سالک کے لئے جو اصل ہے یعنی صدق طلب اس کا جائزہ لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج کل کے سالکین میں یہ پہلی ہی شرط بھی غائب ہے حالانکہ اس کے متعلق رسالہ قشیریہ میں لکھا ہے کہ:۔

فاول قدم للمريد في هذه الطريقة ينبغي ان يكون على الصدق ليصح له البناء على اصل صحيح فان الشيوخ قالوا انما حرموا الوصول لتضييعهم الاصول۔ (قشیریہ ص۱۹۷)

اس طریق میں مرید کا پہلا قدم صدق پر ہونا چاہئے تاکہ اس کو ایک اصل صحیح پر بنا قائم کرنا ممکن ہو سکے کیوں کہ مشائخ نے کہا ہے کہ لوگ وصول سے اس لئے محروم ہیں کہ انھوں نے اصول (طریق) کو ضائع کر دیا ہے۔

بہت سے طالبین جو مشائخ کی تلاش میں نکلتے ہیں اور جگہ جگہ جا کر مشائخ سے ملتے ہیں اور ان کو فیل کر کے چلے آتے ہیں خود وہ اس پہلی ہی شرط میں صفر ہیں۔ اور اگر بعضوں میں کچھ طلب بھی ہوتی ہے تو ناقص جس کی وجہ سے ان کو نفع کے بجائے کچھ نقصان ہی ہوتا ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

(جب پہلی ہی اینٹ طریق کی کج ہوگی تو اس پر قائم ہونے والی دیوار کا جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے)

گو یہ صحیح ہے کہ صدق دونوں ہی کی صفت ہے شیخ کی بھی اور مرید کی بھی یعنی شیخ کو اللہ تعالیٰ کے رستے میں صادق ہونا چاہئے اور مرید کو بھی اپنی ارادت اور طلب میں صادق ہونا چاہئے مگر دیکھنا یہ ہے کہ مریدین مشائخ سے تو صدق کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود اپنے کو بھول جاتے ہیں مشائخ میں تو صدق ضروری ہے لیکن مرید چاہے جیسا ہو جھوٹا ہو غیر طالب ہو یا غیر مخلص ہو۔ بہر حال اس کو طریق میں داخل ہی کر لیا جائے یہ آخر کیوں حالاں کہ کسی چیز کا دوسرے سے مطالبہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ انسان اسے خود اپنے اندر پیدا کرلے کیوں کہ دوسرے کے فعل پر تو اختیار نہیں لیکن اپنے اوپر تو اختیار ہوتا ہے پھر یہ لوگ اس سے کیوں مستثنیٰ ہونا چاہتے ہیں جب کہ مشائخ نے صدق ارادت ہی کو کلید کامیابی فرمایا ہے۔

در ارادت باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اے فرید ارادت و عقیدت میں سچے ہو تاکہ گنج عرفاں کی کنجی پا سکو ۱۲ رومی)

آج لوگ اس کلید کے بغیر ہی گنج عرفاں کا قفل کھولنا چاہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے حاصل یہ کہ سالکین کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے اندر صدق و خلوص پیدا کریں پھر اس کے بعد مشائخ میں اس کو تلاش کریں اور جب طریقہ سے کوئی کام کیا جائے گا مثلاً صدق و اخلاص کو لے کر مشائخ کی تلاش و جستجو کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے کسی نہ کسی بندے سے ملاقات کرا ہی دیں گے جس سے اس کا کام بن جائے گا ورنہ اگر بدون صدق اختیار کئے مشائخ کو تلاش کروگے تو اگر ساری عمر بھی تلاش کرتے رہو گے تب بھی کسی سچے سے تو بھینٹ ہوگی نہیں یوں تمہاری طلب کے موافق اسی طرح کا کوئی مل جائے تو مل جائے، بلکہ قوی اندیشہ اس کا ہے کہ ایسا کرتے کرتے (یعنی ایک کے پاس گئے اور اس کا انکار کیا اسی طرح کرتے کرتے) یہی انکار ہی لازم حال ہو جائے اور پھر اس کے بعد کوئی ملے ہی نہیں۔

یہ عدم صدق اور انکار جس کے متعلق تفصیل سے کلام کیا جا چکا ہے اس زمانہ میں ایک عام قلبی مرض ہو کر بزرگوں کے پاس آمد و رفت رکھنے والوں میں بکثرت پایا جاتا ہے لہٰذا جو لوگ کسی بزرگ سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے تو اس اصول کا لحاظ اور اہتمام نہایت ضروری ہے کیوں کہ آج اس بات میں لوگوں سے بہت زیادہ کوتاہی ہو رہی ہے جس کا منشا زیادہ تر طریق و اہل طریق کے آداب سے ناواقف ہونا ہے اور اسی ناواقفیت کا اثر ہے کہ بزرگوں کے یہاں لوگ آتے جاتے ہیں اور بعضے برسوں تک آتے جاتے ہیں مگر جہاں تھے وہیں کے وہیں رہتے ہیں، بلکہ بعض لوگ تو ترقی معکوس کرتے ہیں۔ تو وجہ اس کی یہی ہوتی ہے کہ وہ لوگ دراصل طلب ہی میں صادق نہیں ہوتے اور ارادت ہی میں غیر مخلص ہوتے ہیں جس کا ظہور کبھی کبھی کچھ مدت کے بعد ہوتا ہے ؎

تواں شناخت بیک روز در شمائل مرد کہ تا کجا است رسیدہ است پایگاہ علوم

یعنی انسان کے احوال میں سے اس کے علم کا اندازہ تو ایک روز میں سکتا ہے کہ مبلغ علم کتنا ہے۔

ولے ز باطنش ایمن مباش و غرہ مشو کہ خبث نفس نہ گردد بسالہا معلوم

لیکن اس کے باطن سے دھوکا نہ کھانا چاہئے اور بے خوف نہ ہونا چاہئے کیوں کہ باطن کی خباثت سالہا سال معلوم نہیں ہوتی ۱۲ رومی

عدم صدق ارادت کا اثنا زبردست روگ خود اپنے اندر لئے ہوتے ہیں اور پھر اس پر مشائخ سے

نفع نہ ہونے کی شکایت کرتے ہیں۔ ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔

اسی سلسلہ میں آپ سے ایک بات اور بیان کرنا چاہتا ہوں جو کم از کم میرے لئے تو ایک عقدۂ لاینحل بن کے رہ گئی ہے باقی آپ حضرات کے نزدیک اس کا کوئی حل نکل سکے تو نکال لیجئے وہ یہ کہ لوگ مشائخ کے یہاں جاتے ہیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ان کے معتقد ہیں اور ان حضرات کو کامل اور اپنے کو ناقص سمجھتے ہیں۔ پس ان کے پاس اپنا نقص دور کرنے کے لئے آتے ہیں لیکن مشائخ کے یہاں جاکر ان کے مخصوص معمولات میں بھی دخل دینے اور رائے لگانے سے باز نہیں رہتے حالاں کہ ان کو یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ جب ہم خود ناقص ہیں تو کسی ناقص کی رائے کب معتبر ہے اور حسب قاعدہ عـہ ۱۷ اسئے ا لعلیل علیل ان کی رائے بھی ناقص ہوگی پس اس کا اعتبار ہی کیا مگر ان کا نقص ہی ان کو یہ سمجھنے نہیں دیتا اسی کے سبب رائے دیتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے اعتراضات اور نکتہ چینیاں کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان حضرات کا پاس اعتقاد تو کیا پاس ادب بھی ملحوظ نہیں ہے اور یہ لوگ اپنے کو کامل سمجھتے ہیں اور ان حضرات کو ناقص۔ اور ایک ناقص کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے کو کامل سمجھے اور کامل کو ناقص بتلائے کیوں کہ اپنے کو ناقص سمجھنا اور کسی کامل کو کامل سمجھنا تو نقص نہیں کمال کی بات ہے۔

ہر کہ نقصِ خویش را دید و شناخت سوئے استکمال خود دو اسپہ تاخت

(جس شخص نے اپنے عیب کو دیکھا اور پہچان لیا تو اپنے کو کامل بنانے کے لئے دوہرے قدم چل پڑا۔۱۲ رومی)

اب سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کے ان مختلف افعال میں کیوں کر تطبیق دی جائے نہ تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کو معتقد سمجھا جائے کیوں کہ اگر ایسا ہے تو اعتراض کیوں کرتے ہیں حالاں کہ جس کی عظمت اور احترام قلب میں ہو اس کے افعال میں نکیر کرنے کے کیا معنی اور اگر غیر معتقد مانا جائے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر ان حضرات کے پاس یہ لوگ آتے کیوں ہیں۔ اور نہ زبان سے اور ظاہر سے اعتقاد کیوں ظاہر کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ بطور خود کامل ہیں تو ان کو مشائخ کی حاجت ہی کیا ہے غرض کہ کوئی معقول بات سمجھ میں نہیں آتی اس قماش کے لوگ یہاں بھی آجاتے ہیں اور بجائے کچھ حاصل کرنے کے اپنا ہی کچھ فیض مجھے پہنچا جاتے ہیں (یعنی ایسی باتیں کر جاتے ہیں جن سے سخت ایذا ہوتی ہے)۔

عـہ بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے۔ ۱۲ رومی

باقی رہا یہ سوال کہ آخر لوگوں کو اس زمانہ میں مشائخ سے یہ بد اعتقادی کیوں ہے اور لوگ ان کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ان کے معمولات پر نکتہ چینی اور ان کے حالات پر انکار و اعتراض کیوں کرتے ہیں! تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ مشائخ کے احوال کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ (چنانچہ ان کو مشائخ سے اسی قسم کی شکایت ہوتی ہے کہ ان کا فلاں کام خلاف سنت ہے اور فلاں بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے خلاف ہے حالاں کہ ان مسکینوں کو نہ سنت کی ہوا لگی ہے اور نہ یہ خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے آشنا ہیں۔ پھر بھلا مشائخ میں ان اخلاق کو کیوں کر معلوم کر سکتے ہیں۔ ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را چہ شناسی زبان مرغاں را

(تو نے کبھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھا نہیں تو پرندوں کی زبان تو بھلا کیا سمجھے گا۔ ۱۲ رومی)

لیکن اپنے اقوال اور احوال پر ان کی نظر نہیں، نہ اس کا خیال کہ ہم کیسے ہیں اور نہ اس کی فکر کہ ہم کو کیسا ہونا چاہئے؟ اپنے حالات تو چاہے منافقین جیسے بنا رکھے ہوں لیکن مشائخ سے مطالبہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے ہوں، بلکہ یہ کہ اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوں ــــــ میں کہتا ہوں کہ خیر یہ تو صحیح ہے کہ مشائخ کو کامل نمونہ اور اعلیٰ درجہ کا متبع سنت ہونا چاہئے مگر آپ کو کیسا ہونا چاہئے کچھ اس کی بھی خبر ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قطع نظر کیجئے لیکن کیا آج کل کے مرید بن پہلے زمانہ کے مریدوں ہی جیسے بھی ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں ہیں تو پھر غور کیجئے کہ یہ مطالبہ کہاں تک انصاف پر مبنی ہے؟ مشائخ کا معاملہ تو ان پر چھوڑیئے کہ وہ جیسے کچھ ہوں گے اپنے فعل کے خود ذمہ دار اور خدائے تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔ لیکن آپ تو پہلے اپنے حالات کو خیر القرون کے حالات کے مطابق کر لیجئے۔

قلب میں تو عظمت کا نہ ہونا اور زبان و جوارح سے خوش کن اقوال و افعال کرنا کب دین میں داخل رہا ہے۔ قرآن و حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور شیوۂ منافقین تھے۔

عن قتادۃ رضی اللہ عنہ قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ الی تبوک وبین یدیہ اناس من المنافقین فقالوا ایرجو ھذا الرجل ان یفتح لہ قصور الشام وحصونھا ھیھات ھیھات فاطلع اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ذالک فقال صلی اللہ علیہ وسلم احبسوا علی ھؤلاء الرکب فاتاھم فقال قلتم کذا قلتم کذا قالوا یا نبی اللہ انما کنا نخوض ونلعب۔ (از بیان القرآن ص ۱۲۲ ج ۴)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لئے جا رہے تھے اور آپ کے آگے منافقین کی ایک جماعت (بھی شرکت غزوہ کیلئے) جا رہی تھی ان لوگوں نے کہا کہ دیکھو تو بھلا یہ شخص بھی شام کے محلات اور قلعوں کے فتح کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے (معاذ اللہ) یہ تو نہایت ہی بعید اور قطعی ناممکن بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے اس قول پر (بذریعہ وحی) مطلع فرما دیا آپ نے حکم دیا کہ اس جماعت کو ذرا روک تو لو اور اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ابھی ایسا کہا ہے؟ کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی (کے طور پر) کہہ رہے تھے۔

دیکھئے زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ اور تھا۔ دل میں تو وہ تھا جو اپنے دوستوں میں کہہ رہے تھے (یعنی غائبانہ) ایرجو ھذا الرجل جیسے الفاظ سے (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو یاد کیا گیا تھا۔ مگر زبان پر اور سامنے آپ کو یا نبی اللہ کہا جا رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اعتقاد اور باطنی بداعتقادی یہ منافق کی صفت ہے۔ آج مشائخ کے یہاں جانے والوں میں سے کتنے ہیں جو ظاہر کے مطابق اپنا باطن کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

تصدیق جو آج بھی طریق کی شرط اول ہے ہر زمانہ میں اصل ہی رہی ہے۔ اسلام کی بھی اصل تصدیق ہے باقی دل تو تصدیق سے خالی ہو اور فقط اپنے ظاہر سے اپنے اعتقاد کا مدعی ہونا اور اس کی وجہ سے دوسروں پر اپنا امتیاز قائم کرنا ___ چنانچہ مشائخ کے یہاں بھی جا کر بس ان کو ہنس ہنس کر دیکھنا اور گردن ہلا ہلا کر ان کی باتوں کو سننا کب سے تصدیق شمار کی جانے لگی ہے اور طریق میں یہ امور کہاں سے داخل ہو گئے ہیں؟ کیا تصدیق دلی کے ہوتے ہوئے انکار و اعتراض کا بھی کوئی شائبہ پایا جا سکتا ہے اگر انکار یا اعتراض ہو تو سمجھ لیجیے کہ قلبی تصدیق ہی حاصل نہیں ہے اس پر حدیث شریف کا ایک واقعہ اور سن لیجئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لئے گئے وہاں کسی شخص کی ایک اونٹنی گم ہو گئی لوگوں نے ہر چند تلاش کیا مگر نہیں ملی اس پر ایک منافق نے اعتراضاً اور انکاراً کہا کہ یہ تو اپنے کو اللہ کا نبی کہتے ہیں بتلا کیوں نہیں دیتے کہ وہ اونٹنی کہاں ہے؟ اس بات کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میں اس کا دعویٰ کب کرتا ہوں کہ غیب کی سب باتوں کا مجھے علم ہے، اگر میں غیب دانی کا مدعی ہوتا تو مجھ سے اس قسم کی بات کہہ سکتے تھے لیکن میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ وہ اونٹنی فلاں جھاڑی کے پاس کھڑی ہے، وہاں ایک خاردار درخت کے کانٹوں سے اس کی

مہار الجھ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ وہیں ٹھہری ہوئی ہے۔ لوگ اس پتہ پر گئے تو جا کر دیکھا کہ جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا ٹھیک اسی طرح سے وہ اونٹنی کھڑی ہوئی تھی اُسکو لے آئے یہ واقعہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کا تھا، لیکن آج بھی ان منکرین اور معاندین کا مشائخ اہل حق کے ساتھ بالکل وہی برتاؤ ہے جو اس زمانہ میں منافقین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، کہ انکار کرتے ہیں اور حقیقت حال اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیتے ہیں تب بھی تصدیق نہیں کرتے، میں تلاش میں تھا کہ اس واقعہ میں پھر اس منکر کا کیا حال ہوا اب بھی ایمان لایا کہ نہیں تو کسی کتاب میں دیکھا کہ پھر وہ ایمان لے آئے اور نفاق سے توبہ کر کے مخلص مسلمانوں میں سے ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

ایک وجہ تو مشائخ سے عدم نفع کی یہ تھی جو مذکور ہوئی، علاوہ اس کے ایک دوسری بڑی وجہ لوگوں کو ان حضرات سے فائدہ نہ پہنچنے کی یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں نے (بالخصوص اہل علم حضرات نے) یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف کی تمام باتیں تو علماء و مشائخ نے کتابوں میں لکھ دی ہیں وہی ہمارے لئے کافی ہیں یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بس خود کتابوں کا مطالعہ کر کے سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں، اب اس کے بعد ہمیں مشائخ کے یہاں جانے کی چنداں حاجت ہی نہیں ہے میں کہتا ہوں ...... کہ یہ وہ ضرر عظیم ہے جو آج لوگوں کو کتابوں سے پہونچا ہے حالانکہ یہاں ان حضرات نے اپنی کتابوں میں تصوف کے مسائل درج فرمائے ہیں وہیں اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں کہ تصوف کی کتابیں شیخ کے لئے ہیں مرید کے لئے نہیں ہیں جس طرح سے کہ طب کی کتابیں طبیب کے لئے ہیں مریض کے لئے نہیں اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ بعض بعض حضرات نے تو اس کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ ہماری ان کتابوں کو کوئی نااہل دیکھے نہیں۔

چنانچہ ان حضرات نے اپنی الگ اصطلاحات مقرر کیں جن کے پردہ میں کلام کیا اور یہ سب کچھ اسی لئے تھا تاکہ ہر کس و ناکس ان کے مطالعہ کی ہوس ہی نہ کرے مگر باوجود ان سب احتیاط و انتظامات کے لوگوں نے ان حضرات کی کتابوں کو دیکھا اور بہت سے لوگ تو محض کتابوں ہی کی وجہ سے شیخ بن گئے۔ اور ان کے اس فعل کا ضرر مشائخ اور مریدین دونوں ہی طبقوں کو پہنچا۔

مریدین کا ضرر تو ظاہر ہے کہ یہ ہوا کہ جب ایسے لوگ مدعی ہو گئے مشیخت کے اور شیخ ہو تے پہلے ہی شیخ بن بیٹھے، تو مرید بن کا پڑا ہی ہو گیا اور اب سوا ہلاکت کے ان کا انجام ہی کیا ہو سکتا ہے لیکن مشائخ کا ضرر یہ ہوا کہ لوگ ایسے ایسوں کو مسند مشیخت پر دیکھ کر ان سے بدظن ہو گئے جس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ لوگ عام مشائخ کے بلکہ طریق تک کے منکر ہو گئے۔ جس کے بعد اہل حق کو اپنا اعتبار قائم کرنا مشکل ہو گیا اور اس کی وجہ سے رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کے باب میں جس درجہ ضیق اور رکاوٹ ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔

اسی طرح آج ایک وجہ مشائخ سے نفع نہ ہونے کی یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر کیفیات کے پیدا ہونے نہ ہونے کا ذمہ دار شیخ کو سمجھتے ہیں، جو سراسر غلط اور باطل خیال ہے۔ کیونکہ کیفیت پیدا ہونے کا ذمہ دار خود مرید ہی ہے شیخ نہیں اس لئے کہ امراض بدنی میں تو معالج اور ہوتا ہے اور معالج اور، مثلاً وہاں معالج مریض ہوتا ہے اور معالج طبیب لیکن طریق (یعنی اصلاح باطن) میں معالج اور معالج دونوں ایک ہی ہوتا ہے۔ یعنی انسان کا نفس ہی معالج ہوتا ہے اور وہی اپنا معالج بھی ہوتا ہے اور اس ایک ہی ذات کے معالج اور معالج ہونے فرق صرف اعتباری ہے یعنی نفس میں چونکہ دو قوتیں ہوتی ہیں فعلیہ اور انفعالیہ، پس اول کی رد سے تو وہ معالج ہوتا ہے اور ثانی کی رو سے وہی معالج ہوتا ہے اس مضمون کو حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "ظہور العدم بنور القدم" میں ایک مقام پر ضمناً بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ بطور مثال فرماتے ہیں کہ "جیسے اپنے نفس کے معالجات نفسانیہ میں معالج اور معالج کا تغائر ہے۔" پھر اس کے کچھ دور بعد کسی کا قول نقل کیا ہے کہ:

ان الامر فیما نحن فیہ لیس کمانی المعالج والمعالج حیث یوخذ فی الاول حیثیۃ القوۃ الفعلیۃ وفی الثانی حیثیۃ القوۃ الانفعالیۃ۔ (ظہور العدم بنور القدم)

یعنی معاملہ اس بارے میں ویسا نہیں ہے جیسا کہ معالج اور معالج میں ہوتا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معالجات نفس میں نفس ہی معالج ہوتا ہے اور نفس ہی معالج ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ معالجۂ نفس خود مرید ہی کے ذمہ ہے۔ رہا شیخ، تو اگر وہ صاحب التصرف ہے (اگرچہ شیخ کے لئے ایسا ہونا ضروری نہیں ہے) تو اپنے تصرف کے ذریعہ، ورنہ اپنی تعلیم و تربیت ہی کے ذریعہ جو طریقۂ علاج تلقین فرمائے یہ محض اس کا تبرع ہے۔ اصلاح کا اصل ذمہ دار مرید ہی ہے، احوال و کیفیات کی تحصیل کے لئے اسی کو کام کرنا ہوگا۔

آج طریق کے متعلق جہاں اور بہت سی جہالت اور غلط فہمی پائی جاتی ہیں انھیں کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں نے نفع کا ذمہ دار شیخ کو قرار دے لیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ ان کی جہالت یا غلط فہمی نہیں ہے بلکہ یہ مریدین کی ہوشیاری ہے کہ خود تو کچھ کرنا دھرنا نہیں چاہتے اور چاہتے ہیں کہ بس پکا پکایا مل جائے اور ان کا یہ خیال بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آج کل کے

آزاد خیال لڑکے بھی بس یہی چاہتے ہیں کہ نکمے اور کاہل ہو کر پڑے رہیں زیادہ سے زیادہ دوست احباب کے ساتھ رہ کر ادھر ادھر کی لغویات میں وقت گزاریں اور بوڑھے باپ کی کمائی کھاتے رہیں وہ کما کما کر ان کو دیا کریں اور یہ من مانا خرچ کیا کریں اور اگر اس نے کبھی کچھ کہدیا تو پھر اُسکے پورے مخالف اور معاند ہو جاتے ہیں یہی حال آج کل کے مریدوں کا ہے کہ مشائخ سے نفع حاصل کرنا تو چاہتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ اگلے زمانہ کے مریدوں نے کیسے کیسے مجاہدے کئے ہیں، اور اپنے شیخ کے ساتھ کتنی عقیدت اور کیسی کچھ محبت کا ثبوت دیا ہے تب جاکر ان کو کچھ ملا ہے۔ اور یہ نفع میں تو ان کے شریک ہونا چاہتے ہیں مگر محنت او مجاہدہ میں دور رہنا چاہتے ہیں۔ اسی کو میں ہوشیاری کہتا ہوں۔ اب آپ چاہے اس کو ہوشیاری کہئے یا ناواقفیت بہرحال یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مرید کے احوال و کیفیات کا ذمہ دار شیخ ہے۔ کیفیات اور احوال اعمال و افعال کے تابع ہوتے ہیں، جیسا عمل ہوگا ویسا ہی نفع ہوگا۔ پس نفع حاصل کرنے کے لئے تو مرید ہی کو کام کرنا ہوگا، اسی کو بداخلاقیوں کو چھوڑنے کے لئے مجاہدہ بھی کرنا پڑے گا، اور اسی کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق او محبت پیدا کرنے کیلئے ذکر و فکر کرنا ہوگا۔ باتیں کرنا ورنا خاک نہیں اور ادھر ادھر کی بیکار باتیں بنانا اور بہانے اختیار کرنا اس سے کچھ نفع نہیں۔ دنیا اور آخرت میں کام آنے والی چیز اپنا حُسنِ اخلاق اور حسنِ عمل ہے۔ اسی کو خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی — نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی — ذکر کے التزام سے ہوگی

ونعم ما قیل ؎

کار کن کار بگذر از گفتار — کاندریں راہ کار باید کار

بس اب دعا پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللھم ارنا الاشیاء کما ھی اللھم اھدنا وسددنا (اقول کما) قال مولٰینا الرومیؒ فی دعائہ ؎

لا تزغ قلبا ھدیت بالکرم — واصرف السوء الذی خط القلم

یعنی اے اللہ جس قلب کو آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہدایت سے نوازا ہوا اب اس میں کھوٹ نہ آنے دیجئے۔ اور جس برائی پر تقدیر کا قلم چل چکا ہے اس کو ہم سے پھیر دیجئے۔

(۲۸ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ یکشنبہ)

بزرگوں سے بغض رکھنا شقاوت کی علامت ہے

حکیم اجمیری صاحب نے عرض کیا کہ حضرتؒ کے حالات تو ایسے ہیں کہ اگر ان کو جانتے ہوئے کوئی شخص حضرت کا انکار کرتا ہے تو اس کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے کہ آخر باطن میں ایسی کونسی خامی ہے کہ ایسی ہستی کا انکار پیدا ہو رہا ہے۔

فرمایا کہ آپ کے اس بات کی دلیل ایک بہت بڑے بزرگ کے کلام سے پیش کرتا ہوں۔ سنئے فرماتے ہیں کہ ....

و از جملہ آثار ایں مقام نزول قبول در قلوب صلحائے بنی آدم ست کہ اذا احبّ اللہ عبداً نادیٰ جبرئیل انی احب فلاناً فاحبہ، فیحبہ، جبرئیل ثم ینادی فی السماء الی ان قال حتی یوضع لہ القبول فی الارض اشارہ نیست بایں معنیٰ۔ و حقیقت ایں قبولیت انعکاس وجاہت ایں صاحب کمال است در آئینۂ قلوب صافیہ سلیمہ۔ یعنی اس مقام قرب نوافل کے آثار کے منجملہ یہ بھی ہے کہ بنی آدم کے صلحاء کے قلوب میں ان حضرات کی مقبولیت جاگزیں ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں اسی امر کی جانب اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو جبرئیل سے کہتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ جبرئیلؑ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کے لئے آسمان میں بھی ندا کر دی جاتی ہے حدیث کے آخر میں ہے کہ یہاں تک کہ اس کی یہ مقبولیت روئے زمین پر اتار دی جاتی ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ قلوب صافیہ سلیمہ میں۔ اس صاحب کمال کی وجاہت اور اس کی عظمت منعکس ہو جاتی ہے یعنی ہر نیک شخص اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس ہر کہ از صلحاء او را می بیند یا باو مجالست مینماید یا بر حال و کمال او مطلع میشود البتہ از تہ دل او را دوست میدارد۔ و علوم و اخبار او را از صمیم قلب مسلم می انگارد۔ و بلکہ بر اوضاع و اطوار او شیفتہ و فریفتہ میشود گو کہ ہماں اوضاع و اطوار در غیر آن یافتہ میشود کہ بسوی او کسی از اہل صلاح ادنی التفاتی نمی نماید۔ مدانی کہ مقصود ازیں کلام محبت ہمہ عوام بصاحب ایں مقام ست چہ در حدیث وارد شدہ کہ انتم شہداء اللہ علی الارض۔ دیگر ظاہر ست کہ اہل شہادت

(بقیہ مضمون صفحہ ۸۶ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ

شیخ کامل عالم ربانی عارف باللہ حضرت مولانا الحاج شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ

حسب فرمائش

حکیم مولانا عزیز الرحمن صاحب پھلتی ثم المیرٹھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ ملفوظات عالم ربانی حضرت مولانا الحاج شاہ وصی اللہ صاحب کے ارشادات یومیہ میں سے ہیں، حضرت کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے سرچشمۂ رشد و ہدایت سے ہند و بیرون ہند دونوں فیضیاب ہیں۔

حضرت کی ذات والاصفات ان ہستیوں میں سے ہے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل۔

ان حضرات کی تعظیم و تصدیق اہل طریق کا دستور العمل رہا ہے۔ اسی میں طالبین راہ کا نفع منحصر ہے۔ اسکے خلاف میں سراسر حرمان و ناکامی ہے اور خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کا مصداق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت والا کی ذات اقدس سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہونے کی توفیق عطا کریں۔

ناچیز

(حکیم) بُنیاد علی صدیقی

۲۷ ربیع ۲ سنہ ۱۳۸۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتقاد و انکار

فرمایا کہ آج میرا ارادہ کچھ کہنے کا نہیں تھا۔ بلکہ خیال تھا کہ ان لوگوں سے کہدوں گا وہ کچھ بیان کر دیں گے۔ چنانچہ مضمون کل سنا دیا تھا۔ لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ شاید یہ لوگ پوری ترجمانی نہ کر سکیں۔ بیان سے جو غرض ہے وہ حاصل نہ ہو اس لئے خود ہی بیان کرتا ہوں۔ سنئے۔ یہ کتاب ہے۔ التنبیہ الطربی اس میں حضرت تھانویؒ نے ایک فصل قائم کی ہے۔ اس بیان میں کہ جماعت صوفیہ اور علوم تصوف کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ:۔

ابو عبد اللہ قرشیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مقبول حق کی تنقیص کرے۔ اس کے قلب میں ایک زہر آلود تیر قہر کا لگتا ہے۔ اور وہ مرتا نہیں۔ یہاں تک کہ اس کے عقائد فاسد ہو جاتے ہیں۔ اور اس پر سوء خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے" اس سے ثابت ہوا کہ اکابر کی تنقیص اور اُن پر طعن کرنا نہایت خطرناک حالت ہے۔ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں تو بیمار ہوں۔ تمہارے یہاں آگیا ہوں جو چاہے اعتراض کرلو۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں اور ہمارا قول تو شائد آپ کے یہاں معتبر بھی نہ ہو۔ اس لئے کہ آپ ہی کے زمانہ میں ہوں، یہ بزرگ فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جاؤ گے کہاں۔ قیامت میں یہ بھی ہوں گے تم بھی ہو گے۔ اور سنئے:۔

ایک دوسرے بزرگ ابو تراب نخشبیؒ فرماتے تھے کہ قلب جب اعراض عن اللہ کا خوگر ہو جاتا ہے۔ تو ادیا اللہ کی غیبت اس کے لئے لازم حال ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقبولان حق پہ طعن و تشنیع علامت ہے ۔ اِعراض عَنِ الحق کی اب آپ کا ذہن کچھ سننے اور سمجھنے کے قریب ہو گیا ہو تو کچھ اور کہوں ۔ اچھا سنئے :-

رسالہ قشیریہ میں ایک واقعہ لکھا ہے اور عجیب واقعہ ہے اور حضرت مولانا ؒ سے بھی اس کو سنا ہے کہ "سہل بن عبداللہ ؒ نے ایک شخص کے متعلق یہ بیان کیا کہ وہ خدا کے ولی ہیں ۔ اور وہ بصرہ میں روٹی پکانے کا کام کرتے ۔ ایک شخص نے سنا ۔ زیارت کا مشتاق ہوا ۔ چنانچہ بصرہ پہنچا اور اس خبّاز کی دوکان پر آیا ۔ دیکھا تو وہ روٹی پکا رہے ہیں اور نان بائیوں کی عادت کے مطابق اپنی داڑھی پر ایک کپڑا باندھے ہوئے ہیں تاکہ داڑھی کا بال تنور کی آگ اور آنچ سے محفوظ رہے ۔ انکو دیکھ کر اُس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ ولی ہوتے تو ان کے بال بغیر نقاب کے بھی نہ جلتے پہلے دل میں اُن پر یہ اعتراض کر لیا تب ان کو سلام کیا اور اُن سے کوئی بات پوچھی ۔ انھوں نے جواب دیا ۔ اے شخص تو نے مجھکو حقیر جانا ۔ لہذا میرے کلام سے تجھکو نفع نہیں پہونچے گا ۔ یہ کہہ کر اُس سے بات کرنے سے انکار کر دیا :-

دیکھا آپنے گئے تھے بزرگ سے ملنے کے لیۓ اور ایک بزرگ کی شہادت کے بعد ۔ لیکن اُن کی ظاہری صورت شکل اور عمل یعنی روٹی پکانا ۔ چہرہ پر پسینہ ۔ ہاتھوں میں آٹا اور کپڑوں پر دُھواں وغیرہ کے آثار دیکھ کر بدعقیدہ ہو گئے ۔ اور دل میں اُنکو حقیر سمجھنے لگے وہ کامل بزرگ تھے ۔ خود ہی سزا دی کہ بے نیل مرام واپس کر دیا آج یہ لوگ بزرگوں کی تلاش کرتے ہیں مگر انکار کے ساتھ ۔ تو ظاہر ہے کہ کوئی بزرگ اس طرح سے مل چکا ۔ دل سے نہیں تلاش کرتے ۔ محض بدن کے زور سے تلاش کر لینا چاہتے ہیں ۔ کہتے ہوں گے کہ اب دل رہ کہاں گیا ہے ۔ بدن ہی بدن تو ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ کر لو پھر تلاش ۔ اگر کوئی ہوا تو ناطقہ بند کر دے گا ۔ اور پھر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اسی کی ضرورت ہے ۔ آپ نے دیکھا اُس زمانہ میں بھی مشائخ کے ساتھ اِس قسم کی سوءِ ادبی لوگ کرتے تھے ۔ اب یہ زمانہ تو خیر القرون سے بہت دُور ہو گیا ہے ۔ اس زمانہ میں بھی لوگ اس طرح سے بزرگوں کو تلاش کریں تو کیا عجب ہے ۔

دینداروں کے ساتھ اہل دُنیا کا یہی معاملہ ہر جگہ دیکھا۔ چنانچہ اس بارہ میں ہر جگہ کے لوگوں کا ایک ہی خیال دیکھا۔ وطن میں لوگوں کو کچھ نصیحت کرتا تھا۔ نوجوان اور کم عمر کے جو لوگ تھے۔ وہی سُنتے تھے۔ چنانچہ کچھ نماز۔ روزہ شروع کیا تو اگر اپنے یہاں کے لوگوں کی شکایت کرتے تھے۔ کہ لوگ ہنستے ہیں ایک شخص کے متعلق کہا کہ وہ بہت ہی زیادہ استہزا کرتا ہے۔ ہم نے اُن لوگوں سے کہا کہ صبر کرو۔ لیکن جب یہ سلسلہ بند نہیں ہوا تو میں نے ایک دفعہ اُن کے پاس کہلا بھیجا کہ اس سے کہدو کہ ہماری اور تمھاری یہاں سے لے کر آخرت تک لڑائی ہے۔

بزرگوں نے ایسا ہی کیا ہے ایک بزرگ کلیر تشریف لے گئے۔ مسجد میں نماز کے لئے اگلی صف میں کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے حقیر اور کمزور سمجھ کر دوسری صف میں کر دیا۔ اور اُن لوگوں نے دھکا دے کر تیسری صف میں کر دیا۔ اس طرح دھکے دیتے دیتے سب سے پیچھے کر دیا۔ بہت اذیت ہوئی۔ اور غصہ بھی آیا۔ جب نماز شروع ہوئی۔ اور امام نے سجدہ کیا اور سب نمازی سجدہ میں چلے گئے تو اُن بزرگ نے مسجد کو مخاطب کر کے کہا کہ تو کیوں کھڑی ہے تو بھی سجدہ کیوں نہیں کرتی۔ یہ کہنا تھا کہ مسجد گری اور سب لوگ دب کر مر گئے۔

منکروں اور بے ادبوں کے لئے ضرورت اسی چیز کی ہے۔ لیکن خدا نہ کرے کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا کہنے والا ہو ورنہ تو لوگ ختم ہی ہو جائیں گے باقی کہہ یہ رہا ہوں کہ بزرگوں کا ادب اور احترام قلوب سے نکل گیا تھا اور وہ بغیر سزا کے قلب میں پیدا نہیں ہوتا۔ اسی سے کچھ ڈرتے ہیں جب میں نے اس شخص سے کہلایا کہ ہماری تمھاری یہاں سے لے کر آخرت تک کی لڑائی ہے تو اس سے ڈر گیا۔ اور ایک شخص کو ساتھ لے کر مجھ سے معافی مانگنے آیا اور یہ کہا یکہ کر لیا جائے۔ مگر پھر فوراً ہی کہا کہ چونکہ معافی کے لئے چل رہے ہیں۔ اس لئے پیدل ہی چلنا چاہئے۔ مجھ سے ملا تو میں نے نرمی کا معاملہ کیا کہنے لگا کہ یہ صحیح ہے کہ میں چھیڑتا ہوں۔ لیکن آپ سے کہتا ہوں کہ میں تنہا اس کا مریض نہیں ہوں بہت سے لوگ ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں یہ ٹھیک کہتے ہو۔ میں اس کو جانتا ہوں آج مسلمانوں کا یہی حال ہے بیٹھا بنیا کیا کرے اِس کوٹھی کا دھان اُس کوٹھی کرے۔

(یعنی جب دین سے تعلق نہیں رہے گا تو دینداروں کا احترام کب باقی رہیگا۔
اور مسلمان اپنا مشغلہ نماز۔ روزہ۔ ذکر اور تلاوت۔ بزرگوں کے حالات اور ملفوظات اور فکر آخرت اور اس کے لئے توشہ آخرت کے مشاغل کو ختم کر دیگا تو پھر اس کی غیبت اُس کی شکایت۔ بزرگان دین پر طعن اور تشنیع میں وقت نہ گزارے گا۔ تو اور کیا کرے گا۔ ابھی آپ کو بتایا ہے کہ جب قلب اعراض عن اللہ کا خوگر ہو جاتا ہے۔ تو اولیاء اللہ کی غیبت اُس کے شامل حال ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ سے نسبت صحیح ہوتی ہے تو اولیاء اللہ کی توصیف و تعریف اور اُن کے حالات کا ذکر و تذکرہ یہ سب چیزیں انسان کے لئے لازم حال ہوتی ہیں۔

اسی بستی کا ایک اور واقعہ سُنئے:۔
ایک شخص نے میرے وعظ کے سُننے کے بعد دین داری اختیار کی۔ تو دوکان پر جب وہ گوشت وغیرہ لینے جاتا تو لوگ اُس کی دینداری پر طعنہ کرتے ہوئے دوکان دار سے کہتے کہ ان کو گوشت زیادہ دینا۔ یہ تہجد پڑھتے ہیں مجھے جب اُس کی اطلاع ہوئی۔ تو میں نے وعظ میں یہ کہنا شروع کیا کہ عالموں کو بلاؤ وعظ کہلاؤ اور جب کسی پر اثر ہوا اور وہ نماز وغیرہ پڑھنے لگے۔ تو دکاندار سے کہو کہ ان کو گوشت زیادہ دو۔ یہ تہجد پڑھتے ہیں۔ اس طرح ایک جگہ کہا دو جگہ کہا۔ جب مسلسل کہنے لگا تب تو وہ لوگ بہت گھبرائے اور آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ کون ایسا کہتا ہے۔ اور جو لوگ ایسا کہتے تھے۔ جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ پوری بستی کے لوگوں کو یہ علم ہو گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں اور وہ لوگ ٹوہ میں ہیں کہ کون ایسا کہتا ہے لہٰذا سب کے سامنے اپنے آپ کو ذلت و رسوائی سے بچانے کے لئے انھوں نے کہنا چھوڑ دیا۔ اور صلح کرلی۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ لوگ اب نہیں کہتے تو میں نے بھی کہنا چھوڑ دیا:۔
ہر زمانہ میں لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ کے اولیاء اللہ کا انکار کیا۔ اور اس کی وجہ سے محروم رہے۔ مکتوبات قدوسیہ میں ہے کہ "ہر یکے از اولیاء بر قدر علو درجۂ خویش در متابعت سید المرسلینؐ دمے و قدمے دارد کہ یکے بہ دیگرے

نرسد و فہم آن ادرا نبود۔ چنانچہ قرآن ناطق است وَکَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ خُبْرًا۔ اگر اینجا انکار بود حرمان عظیم باشد و منکر بجائے نہ رسد جز مخذول و مطرود نبود۔ و صاحب عوارف می گوید۔ من انکرھم ضل واعتدی۔ و مُصَدِّقُ اگرچہ بدرجۂ ایشان نرسیدہ است امید است کہ تصدیق را صحبت و خدمت ایشان آرد۔ و از انجمال مرداں رساند و عارف سبحان گرداند۔

ترجمہ:۔ ہر ولی کو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع میں ایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسرا وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اس کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ کیسے صبر کروگے ایسے امور پر جن کی حقیقت سے تم واقف نہیں ہو۔ ایسے ہی ایسے مشائخ پر انکار کرنے سے بڑی محرومی ہوتی ہے۔ کیوں کہ منکر کسی مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ بجز رسوا اور ذلیل ہونے کے کچھ نہیں ہوتا۔ اور صاحب عوارف فرماتے ہیں۔ جس نے اولیاء اللہ کا انکار کیا وہ گمراہ ہوا اور اُس نے حد سے تجاوز کیا۔ اور تصدیق کرنے والا۔ اگرچہ اُن کے درجہ تک نہیں پہنچتا تاہم امید ہے کہ وہ تصدیق جس کو کہ وہ ان کی خدمت میں لایا ہے وہ اس کو بزرگوں کے کمالات تک پہنچا دے اور حق تعالیٰ کا عارف بنا دے۔

دیکھئے فرما رہے ہیں کہ جن بزرگوں کو مرتبہ ملا ہوا ہے وہ سید المرسلینؐ کی متابعت کی وجہ سے ہے۔ قول میں بھی عمل میں بھی یا عملاً بھی اور ترغیباً بھی اور اُس میں بزرگوں کے درجات مختلف ہیں۔ ایسا کہ اوپر کے درجہ تک نیچے والے کا پہنچنا تو کیا ہوتا وہ اس کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ یہ تو مشائخ کے حالات بیان فرما رہے ہیں۔ اب عوام الناس کا یہ حال ہے کہ بزرگوں کے مقامات سمجھنا تو کیا سمجھتے ہیں کہ ہم وہاں تک پہنچ جاتے ہیں میں کہتا ہوں کہ ضرور پہنچ جاتے۔ مگر دوسرے دروازے سے کیونکہ ان مقامات تک پہنچنے کا دروازہ تو متعین ہے جس سے آپ کو کوئی تعلق نہیں اور وہ دروازہ سے اتباعِ سنت کا

میندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

دیکھئے قطب العالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ نے کیسی عمدہ بات ہے

بیان فرمائی ہے کہ اتباع سنت کا درجہ اور اُس کا مقام بیان فرمایا ہے یہ سب علوم معاملہ کہلاتے ہیں۔ اور حضرت مجدد صاحبؒ بھی نہایت عمدہ باتیں بیان فرماتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر علوم مکاشفہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو صحابیت کے مقام پر پہنچے تو اپنی تصدیق ہی کی وجہ سے۔ اور منافقین جو ذلیل و خوار ہوئے تو وہ اپنے انکار کی وجہ سے اب محققین تو بزرگی کا معیار اتباع کو فرما رہے ہیں۔ اور اس زمانہ میں لوگوں کے نزدیک بزرگی کا معیار کچھ اور ہو گیا ہے اور منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ یہ خیال کرتے ہیں کہ غائب چیزوں کا علم اور کشف کا ہونا بزرگی کے لئے ضروری ہے چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ ارشاد الطالبین میں اس خیالِ فاسد کو رد کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہی حال منافقین کا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

می گویند کہ اگر ہمہ از اہل اللہ می
می بودند از احوال غیب خبر دار
بایستندے چوں ایں قدر خبر ندارند
پس دیگر چہ خواہند دریافت ایں چنیں
منافقان ہم در حق سید المرسلینؐ
می گفتند ایں سفیہاں بایں خیالات
فاسدہ از برکات دوستان خدا محروم
اند و ہمی دانند کہ حق تعالیٰ دربارہ
دوستانِ خود غیرت دارد کہ اوشاں را
بغیر خود مشغول نمی کنند۔

شعر

من ندانم فاعلاتٌ فاعلات
شعر می گویم بہ از آب حیات
قافیہ اندیشم و دلدار من
گویدم مندیش جز دیدار من

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اولیاء اللہ خدا کے محبوب بندے ہوتے تو غیب کی باتیں جانتے ہوتے اور جب ان دُنیاوی باتوں کو نہیں جانتے تو پھر اور عالم بالا کی باتیں کہاں جان سکتے ہیں۔ اسی طرح منافقین بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے ہی خیالاتِ فاسدہ (انکار واعراض) کی وجہ سے دوستان خدا کی برکات سے محروم رہے اور انھوں نے اتنا بھی نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے بارے میں غیرت رکھتا ہے اس طور پر کہ اُن کو اپنے غیر کی جانب مشغول نہیں کرتا اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

کہ میں فاعلات فاعلات نہیں جانتا یعنی اپنے اشعار کو مقررہ اوزان پر جانچتا نہیں پھر بھی

میرے اشعار ایسے ہوتے ہیں جو آب حیات سے بھی بڑھ کر ہیں اس لئے کہ جب میں قافیہ سوچتا ہوں تو میرا دلدار (اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ بجز میرے دیدار کے اور تم اپنا دھیان کسی طرف نہ لگاؤ۔ (ہم ہی قافیہ وغیرہ سب ٹھیک کر دیں گے) تم تو صرف ہماری ہی طرف دھیان رکھو۔ اور یہ جو کہا کہ یہی معاملہ منافقین کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیساتھ تھا تو اس پر یہ واقعہ سنئے:۔

محمد بن عمر حضرت ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اونٹوں کے درمیان سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناقہ قصوا کہیں نکل بھاگی۔ مسلمان چاروں طرف اس کی تلاش کرنے لگے۔ اس پر زید بن صلتہ نے جو ایک منافق تھا۔ اور انصار کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ جن میں عبادہ بن بشر بن وقیسؓ اور اسید بن حضیرؓ بھی تھے۔ یہ کہا کہ یہ لوگ چاروں طرف کہاں دوڑ رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناقہ گم ہوگئی ہے۔ اسی کو تلاش کر رہے ہیں یہ سن کر اس نے کہا۔ کہ یہ تو نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کے مقام کی اطلاع کیوں نہیں کر دیتے۔ قوم کو یہ بات بری لگی۔ سب نے کہا کہ اے اللہ کے دشمن خدا تجھے ہلاک کرے تو منافق ہوگیا۔ پھر حضرت اسید بن حضیرؓ اس کی طرف بڑھے۔ اور کہا (سن) خدا کی قسم میں تو ابھی تیرے پیٹ میں نیزہ بھونک دیتا۔ لیکن رکاوٹ صرف اس بات کی ہے۔ کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرا یہ اقدام رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق بھی ہوگا یا نہیں۔ لیکن تجھ سے یہ کہتا ہوں کہ جب تیرے نفس میں ایسی خیانت بھری ہوئی تھی۔ تو تو ہم لوگوں کے ساتھ نکلا ہی کیوں۔ اس نے کہا کہ میں اس لئے نکل آیا۔ کہ متاع دنیا (مالِ غنیمت) طلب کروں۔ قسم خدا کی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ہم کو ناقہ سے کہیں زیادہ عظیم الشان چیزوں کی خبر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ آسمان تک کی باتیں بیان کرتے ہیں۔ (پھر اونٹنی کے بارے میں کیوں نہیں بتلا دیتے۔ جب کہ تم سب لوگ اسی کے لئے پریشان بھی ہو۔) تو سب لوگوں نے کہا۔ خدا کرے تجھ سے ہماری کبھی راہ و رسم نہ ہو اور ہم تم کبھی ایک سایہ میں جمع نہ ہوں۔ اگر ہم لوگ تیرے دل کی بات جانتے تو کبھی تجھے اپنے ساتھ نہ لاتے۔ یہ سن کر وہ کود اور مجمع سے نکل بھاگا۔ اس ڈر سے کہ لوگ مار نہ بیٹھیں

اور مال و اسباب چھین نہ لیں۔ وہ بھاگ کر سید ھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپؐ کے اصحابؓ سے بچ کر آپ کی پناہ پکڑی۔ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔ حضورؐ نے فرمایا (یہ منافق بھی سن رہا تھا) کہ منافقین میں سے ایک شخص نے یہ کہا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی کھوگئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے مقام کی خبر نہ کردی۔ قسم ہے خدا کی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ہم کو ناقہ سے کہیں بڑھ کر چیزوں کی خبریں دیا کرتے ہیں تو سبحان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم تو ہے نہیں۔ مگر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے مجھے اس کے مقام کی خبر دے دی ہے۔ کہ وہ فلاں گھاٹی میں ہے۔ جو تمھارے آگے ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے الجھ گئی ہے۔ وہ لوگ وہاں گئے۔ جہاں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اور اس کو لے آئے اس منافق نے دیکھا تو بہت نادم ہوا اور جلدی سے اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کیطرف گیا۔ اس حال میں کہ اُس کے پیر لڑکھڑا رہے تھے اور وہ سب لوگ اسی طرح بیٹھے تھے۔ کوئی شخص بھی ان میں سے مجلس سے نہ اُٹھا تھا۔ جب یہ اُن کے پاس پہنچا تو ان لوگوں نے کہا کہ (خبردار) اب ہمارے پاس نہ آنا۔ اس نے کہا مجھے کچھ کہنا ہے۔ یہ کہہ کر قریب گیا۔ اور کہا کہ میں اللہ کی قسم دیتا ہوں یہ بتاؤ کہ کیا تم میں سے کوئی شخص محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گیا ہے۔ اور میری بات کی اُن کو اطلاع کی ہے۔ لوگوں نے کہا۔ نہیں۔ خدا کی قسم ہم تو اپنی جگہ سے اُٹھے بھی نہیں۔ اُس نے کہا کہ (بڑے تعجب کی بات ہے) میری کہی ہوئی بات قوم ہی کے پاس رہی یعنی اُن سے تجاوز نہیں ہوئی۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرمادیا۔ پھر قوم کو خبر دی اس بات کی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور یہ بھی کہا کہ اب تک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں شک میں تھا۔ اب گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور یوں سمجھو کہ گویا آج میں مسلمان ہوا ہوں۔ لوگوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہ تمھارے لئے استغفار کردیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا۔ اور آپ سے اپنے لئے استغفار طلب کیا اور اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔

بہرحال یہ معترض تو مسلمان ہو گئے۔ لیکن اہل انکار اسی قسم کا اعتراض انبیاء پر اور ان کے بعد اولیاء پر ہر زمانہ میں کرتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان حضرات کو ایذا پہنچتی رہی اور یہ صبر کرتے رہے۔

قاضی صاحب ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کی ایذا پر صبر فرمایا کرتے تھے۔ اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے۔ وہ اس سے بہت زیادہ ایذا دیئے گئے پھر بھی انھوں نے صبر ہی کیا پھر اس کے بعد قاضی صاحب نے اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر جانجاناں کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص جو اپنے کو مرزا صاحب کے شیخ سید نور محمد بدایونی کے مریدوں میں سے کہتا تھا۔ اس نے اپنی بدبختی سے ایک دن حضرت سید نور محمد صاحب کی سخت بے ادبی کی اور انھیں بہت برا بھلا کہا حضرت نے جواب میں کچھ نہیں فرمایا اور دوسرے روز وہ شخص حضرت کے پاس آیا تاکہ ان سے توجہ لے اور استفاضہ حاصل کرے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بہت ناگوار گزرا اور میں نے چاہا کہ اس کو سزا دوں۔ لیکن آنحضرت نے منع فرمایا اور اس شخص پر اسی طرح متوجہ ہوئے جس طرح دوسرے مخلصین پر توجہ فرماتے تھے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ فقیر اس حالت سے بہت تنگ دل ہوا اور اس کو دوسرے تمام مخلصین کے برابر کر دینے کی وجہ سے حضرت شیخ بدایونی کی خدمت میں عرض گزار ہوا۔ (کہ حضرت آپ نے ایسا معاملہ کیوں کیا) فرمایا کہ مرزا صاحب؛ اگر میں اسے زجر و تنبیہ کرتا اور توجہ نہ دیتا اور حق تعالیٰ مجھ سے قیامت میں یہ سوال کرتا کہ میں نے تیرے سینے میں ایک نور ودیعت رکھا تھا اور میرے بندوں میں سے ایک شخص اس نور کا طالب ہو کر تیرے پاس گیا۔ تو نے اسے کیوں محروم رکھا تو اس وقت میرا کیا جواب ہوگا۔ کیا میں یہ کہہ سکتا تھا کہ اے رب اس نے مجھے گالی دی تھی۔ اس لئے اسے میں نے محروم رکھا۔ اور کیا میرا یہ جواب پسند اور مقبول ہوگا۔ (حضرت کا یہ جواب سن کر میں تھوڑی دیر تک تو تنگ دلی کے

ساتھ خاموش رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد حضرت نے خود ہی فرمایا کہ میاں صاحبزادے کس الجھن میں پڑے ہو۔ میں نے اس کو اگرچہ مخلصوں کی طرح توجہ دی ہے لیکن حق تعالیٰ کب مخلص اور منافق کو برابر رکھتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون مصلح ہے اور کون مفسد ہے۔ کام کی حقیقت خدا کے ہاتھ ہے۔ چنانچہ فیض مخلص دونوں ہی کو پہونچتا ہے اور یہ قصہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ عبد اللہ بن اُبی بن سلول کا واقعہ ہے۔ کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں متعدد بار بے ادبی کی لیکن اُس کے لڑکے حضرت عبد اللہ نے جو کہ مومن مخلص تھے۔ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھائیں۔ اور اس کے لئے استغفار فرمائیں آپ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے حضرت عمرؓ نے روکا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ وہی شخص ہے جس نے فلاں دن ایسا کہا تھا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

ان تستغفر لہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہم۔

آپ اگر منافقوں کے لئے ستر بار بھی استغفار کیجئے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں نہ بخشے گا

بالآخر حضورؐ نے اُس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ اور مغفرت کی دعا بھی فرمائی مگر حق تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائی اور یہ آیۃ نازل فرمائی۔

لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ۔

کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اور نہ اُن کے قبر پر (دفن کفن کیلئے) کھڑے ہوجئے

ایک اور آیۃ نازل ہوئی۔

اَسْتَغْفَرْتَ لَھُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ۔ لن یغفر اللہ لھم۔

"آپ منافقین کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا" چنانچہ ان آیات کے نزول کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ (ارشاد الطالبین ص۲۰)

یہ میں اعتقاد اور انکار کی بحث کر رہا ہوں۔ چونکہ مشائخ سے فائدہ اعتقاد سے ہوتا ہے اور اس کی زمانہ میں عموماً اور اس زمانہ میں خصوصاً بہت ہی کمی ہے۔ اس لئے میں نے اعتراض و انکار پر ذرا طویل کلام کیا ہے۔ کہ یہ بڑے ہی خسران کی چیز ہے اسی لئے

علماء نے شیخ کامل کی پہچان پر مفصل کلام کیا ہے۔
قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے طریق تلاش پیر میں لکھا ہے کہ بزرگوں سے ملاقات کرتا رہے۔ لیکن کسی کا انکار عیب جوئی نہ کرے۔ مگر بدون تامل بسیار کسی سے بیعت بھی نہ کرے۔
انتخاب شیخ میں سب سے پہلی چیز جو لحاظ رکھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ استقامت شرع ہے کہ نہیں۔ چنانچہ جو شخص مستقیم الاحوال ہو اور پھر ولایت کا دعویٰ کرے اس کا دعوے صحیح ہے۔ لیکن دعویٰ پر دلیل بھی ہونی چاہئے۔ چنانچہ اتباع شرع اور استقامت احوال کے ساتھ ساتھ خوارق دلیل ولایت بن سکتے ہیں۔ لیکن اقویٰ ترین دلیل وہ ہے جو حدیث میں آئی ہے۔ کہ اس کے دیکھنے سے خدا یاد آئے۔ اور قلب ماسوی اللہ سے سرد ہو جائے لیکن اس قسم کی تاثیر کا احساس خواص تو ایک دو بار کی صحبت میں کر سکتے ہیں۔
لیکن عوام کے لئے کسی شیخ کی صحبت کی تاثیر کا اندازہ کرنا اول ہی دن دشوار ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے دوسرا طریقہ ہے وہ یہ کہ کسی عالم عادل عاقل سے دریافت کرے اور شیخ کی تاثیر کا حال معلوم کرے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔
فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اہل علم سے سوال کرو۔ اگر تم کسی بات کو نہیں جانتے۔
اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے۔
اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّوَالُ۔ مرض جہل کا علاج تو بس دوسرے سے پوچھنا ہے
لہٰذا اگر کوئی شخص کسی شیخ کے متعلق اس تاثیر کی شہادت دے اور وہ عادل بھی ہے یعنی جھوٹا نہیں ہے۔ اور نہ طالب جاہ و مال ہے اسی طرح سے عاقل بھی ہے کہ خطا اور حمق کے ساتھ بھی متہم نہیں ہے۔ تو اس کی تصدیق کرنی چاہئے یہ تو ایک عادل کی شہادت کا حکم ہوا۔ اسی طرح اگر دو شخص گواہی دیں تو اور زیادہ غلبۂ ظن ہو جائے گا۔ اور اگر بکثرت لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ روایت کا سلسلہ حد تواتر پہنچ جائے۔ پھر تو یقین ہی حاصل ہو جائے گا۔ لیکن اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ غلبۂ ظن بھی کافی ہے۔

دیکھئے علماء نے کسی چیز کو نہیں چھوڑا ہے۔ اس فن کو نہایت مرتب اور اور مہذب کر دیا ہے۔ لیکن یہ سب اصول کام کرنے والے کے لئے ہیں باقی جو کچھ کام کرنا ہی نہ چاہے اور کسی شیخ کے پاس یوں ہی جما رہے عقیدت تک اس سے درست نہ ہو تو اس طریقہ سے تو کبھی بھی کوئی کامیاب نہیں ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ عقیدت پر ایک اور قصہ سن لیجئے۔

حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ بغداد کی جامع مسجد میں مقیم تھا۔ وہاں میرے پاس سالکین کی ایک جماعت بھی موجود تھی اتنے میں ایک نوجوان نہایت حسین اور خوبصورت خوش پوشاک بہترین خوشبو لگائے ہوئے ہماری طرف آتا ہوا نظر آیا۔ میں نے اپنے اصحاب سے کہا۔ کہ میرے قلب میں تو یہ بات آتی ہے کہ یہ یہودی ہے۔ سب نے میری اس بات کو ناپسند کیا۔ میں درمیان سے اٹھ کر چلا گیا۔ اور وہ جوان بھی چل دیا۔ لیکن پھر فوراً ہی واپس آیا اور ان سے پوچھا کہ شیخ نے ہمارے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ سب لوگ اس کی ظاہری وجاہت سے مرعوب ہو کر خاموش رہے۔ لیکن جب ان سے اس نے پھر پوچھا کہ شیخ نے کیا فرمایا ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ وہ یہ فرما رہے تھے۔ کہ تم یہودی ہو۔ حضرت ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں پر اپنا سر رکھ دیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ لوگوں نے اس سے اس کے اسلام کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ صدیق کی فراست کبھی خطا نہیں کرتی۔ تو میں نے سوچا کہ مسلمانوں کے اندر دیکھنا چاہیئے۔ پھر میں نے غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ اگر صدیق مسلمانوں میں ہوتے ہیں تو پھر وہ گروہ صوفیا ہی میں ہوں گے۔ اس لئے کہ یہی لوگ خدا کی باتیں زیادہ کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے تم پر اپنا حال ملتبس کیا۔ لیکن جب شیخ نے اپنی فراست سے مجھے تاڑ لیا۔ تو میں نے سمجھا کہ بلاشبہ یہ صدیق ہیں۔ چنانچہ یہی جوان بعد میں مشائخ کبار میں سے ہوا۔

یہ تو آپ نے مشائخ کے یہاں آنے جانے والوں کا حال دیکھا۔ اب یہ بھی سنئے۔ کہ علماء طریقت لکھتے ہیں کہ۔

الولی قد یکون مشهوراً و لکن لا یکون مفتونا۔ (قشیریہ)

ولی جس طرح مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے اسی طرح کبھی مشہور بھی ہو جاتا ہے لیکن وہ مفتون نہیں ہوتا۔

اور مفتون نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی شہرت اس کے حق میں بھی بابرکت ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو بھی اُس نفع پہنچتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں اس کی شہرت اور آنے جانے والوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے معمولات اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں سست ہو جائے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کام میں بدستور لگا رہتا ہے۔ اور متبعین کی زیادتی کی وجہ سے اسکا عمل اور ثواب اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ جتنے لوگ اُس کی وجہ سے صحیح راستہ پکڑتے ہیں۔ ان سب کے اعمال کا ثواب اس کو بھی ملتا ہے اور اُسکا بابرکت ہونا ظاہر ہے۔ اور یہ برکت شہرت ہی کی وجہ سے اُسے ملی لیکن کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ کہ کوئی شخص مشہور ہوا۔ اور اس کی شہرت کے سبب عوام الناس نے اس کے تمام اوقات پر قابو پا لیا۔ اور اُس سے نفع تو کیا حاصل کرتے۔ اور اُس کے مقام تک تو کیا پہنچتے خود اسی کو اپنے مقام تک اتار لاتے ہیں۔

بزرگوں نے اس سلسلے میں عبرت کے عجیب و غریب واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اور شیخ اکبرؒ نے تو یہ لکھا ہے۔ کہ

"وَقَدْ رَأَیْنَا شُیُوْخاً سَقَطُوا"

ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ مقام مشیخت سے ساقط ہو گئے ہیں

— تمام شد —

عــہ
ارباب عقل و کیاست و اصحاب مروت و عدالت اند نہ ارباب غفلت و سفاہت و اصحاب فجور و وقاحت۔ بلکہ اگر نیک تامل کنی دریابی کہ محبت امثال ایں کرام خود شعار ایمان و محبت و علامتِ تقویٰ اوست۔ و ذٰلک ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔

وبغض اشباہ ایں عظام امارت نفاق مبغض و نشان شقاوت اوست کہ لایحبہ الا مؤمن تقی ولا یبغضہ الا منافق تقی اشارتے بایں معنی رفتہ۔

(صراط المستقیم صـ۳۷)

یعنی پس صلحاء میں سے جو شخص بھی اس کو دیکھتا ہے یا اس کے پاس بیٹھتا ہے یا اس کے حال و کمال پر مطلع ہوتا ہے تو بلاشبہ تہ دل سے اس کو دوست رکھتا ہے اور اس کے علوم اور اس کی کہی ہوئی باتوں کو صمیم قلب سے تسلیم کرتا ہے۔ بلکہ یہاں تک ہوتا ہے کہ اس کی ہر چال ڈھال اور طور و طریقہ پر شیدا اور فریفتہ ہو جاتا ہے حالانکہ وہی چیزیں اگر کسی دوسرے کے اندر پائی جائیں تو اس جانب اس کو اصلاً التفات نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اس کلام سے یہی بتلانا مقصود ہے کہ عوام کو ایسے شخص سے محبت تام ہو جاتی ہے کیونکہ اس کو اللہ والا جانتے ہیں اور حدیث شریف میں بھی ان کے بارے میں آیا ہے کہ ــــ تم لوگ روئے زمین میں خدائی گواہ ہو اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ شاہد اور گواہ، عقلاء اور سمجھ دار اور اہل مروت اور ارباب عدالت ہی کو بنایا جاتا ہے۔ نہ کہ ارباب غفلت اور کم فہموں اور فاسق و فاجر اور بے شرموں کو۔ بلکہ اگر بغور دیکھوگے تو سمجھ لوگے کہ خود ایسی بزرگ ہستیوں کی محبت، شعار ایمان و محبت اور علامت تقویٰ ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ــــ سن لو کہ جو شخص دین خداوندی کی یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔ اور ان جیسی مقتدر ہستیوں سے بغض و عناد رکھنا اور ان پر انکار و اعتراض کرنا اس شخص کے نفاق کی علامت اور اس کے شقاوت کی نشانی ہے کیونکہ حدیث شریف میں یہ جو آیا ہے کہ ان سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن متقی۔ اور ان سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق شقی تو اس سے اس کی جانب بھی اشارہ نکلتا ہے۔

"اضافہ از ناقل"

عــہ صفحہ ۷۰ کا بقیہ

از افادات
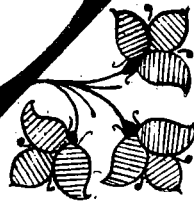
مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہ

رسالہ ہذا کے متعلق مدیر صدق جدید کا

اظہارِ خیال

یہ ایک دینی و علمی مقالہ ہے جو مولانا شاہ وصی اللہ صاحب (خلیفہ حضرت تھانوی) نے قومی لائبریری الہ آباد کے افتتاحی جلسہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ خلیفہ میں شیخ کا رنگ ہونا قدرتی سا ہے۔ چنانچہ اس مقالہ سے مواعظ اشرفی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ علم سے مولانا کی مراد قدرۃً علم دین ہی سے ہے اور مقالہ دیندار حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لئے جانے کے قابل ہے۔ البتہ اسکے صفحہ ۱۶ پر اس شعر ؎

علم رسمی سر بسر قیل است و قال　　نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

کا جو انتساب حضرت رومیؒ کی طرف کیا گیا ہے۔ یہاں مولانا کو تسامح ہو گیا ہے۔ شعر رومیؒ کا نہیں شیخ بہاء الدین عاملی کی مثنوی نان وحلوا کا ہے۔

صدق جدید لکھنؤ
۱۱ر دسمبر ۱۹۵۹ء

پیش لفظ

دورِ حاضر میں نشر و اشاعت کی دشواریاں اسقدر بڑھ گئی ہیں کہ انکا پورا کرنا مشکل ہے۔ شکر ہے کہ ان حالات کے باوجود ادارہ انیس اردو الہ آباد نے یہ مبارک قدم اٹھایا ہے تاکہ نئی نسل اپنے ادبی و علمی شعور میں اضافہ کر سکے۔

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہ کے حالیہ علمی بلند پایہ مقالہ سے یہ مبارک سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ مولانا موصوف نے یہ مقالہ قومی لائبریری الہ آباد کے ہال میں بتاریخ ۲۵ر جنوری بوقت ۸ بجے صبح پڑھا جس نے نہ صرف یہ کہ حاضرین کو متاثر کیا بلکہ غور و فکر کے نئے گوشے بھی عطا کئے۔ امید ہے کہ جس خلوص نیت سے اس انجمن نے نشر و اشاعت کے اس سلسلہ کا آغاز کیا ہے اسی وسعت قلب سے ہمارے جذبات کی ہمت افزائی بھی کی جائے گی۔

سکریٹری نشر و اشاعت
ادارۂ انیس اردو
۲۲۔ چوک۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

رسالہ نافعہ مسمّٰی بہ

علم کی ضرورت

میں اپنے مضمون کی ابتدا اس حدیث شریف سے کرتا ہوں۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا اوامرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ماھاجرالیہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جیسی اس کی نیت ہو چنانچہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہے تو اس کی ہجرت واقعی اللہ اور رسول ہی کی جانب ہے باقی جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہے تاکہ وہ اس کو مل جائے یا کسی عورت کے لئے جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کی ہجرت (اللہ و رسول کی طرف نہیں ہے بلکہ) اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے۔ (یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے)

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام اُغدُ عالماً اومتعلماً اومستمعاً اومحباً ولا تکن الخامسۃ والخامسۃ ان یُبغِضَ العِلمَ وَاَھلَہٗ۔

حاضرین کرام! اس وقت میں نے آپ کے سامنے قرآن حکیم کی ایک آیت یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد۔ اور دو حدیثیں یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرمان پیش کئے ہیں۔

آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ یہ فرما دیجئے کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے۔ یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہوا کہ اہل علم اور غیر اہل علم دونوں برابر نہیں ہیں۔

اور پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ علم سے مراد یہاں علم دین ہے۔

اور دوسری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ عالم ہو جاؤ یا متعلم بنو یا علم کی باتوں کے سننے والے رہو (یا کم از کم) اس کے محبین ہی میں سے ہو جاؤ اور پانچویں قسم مت ہونا اور وہ پانچویں قسم یہ ہے کہ علم اور اہل علم سے بغض اور عداوت رکھنے والا ہو جائے۔

آیت اور احادیث کا ترجمہ سن کر آپ نے یہ بھی معلوم کر لیا ہوگا کہ میرا موضوع کلام "علم" ہے یعنی اس وقت میں علم کی ضرورت اور اس کی فضیلت کو ایک نئے عنوان سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور چونکہ قاعدہ ہے کہ کُلُّ جَدِیدٍ لَذِیذٌ ہر نئی چیز مزیدار ہوتی ہے اس لئے امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات بھی اس سے محظوظ ہوں گے۔

علماء معقول فرماتے ہیں کہ علم کا مفہوم محتاج شرح و بیان نہیں ہے اس لئے کہ وہ نہایت ہی واضح بلکہ اجلیٰ بدیہیات میں سے ہے جس سے نہ صرف عاقل انسان ہی بلکہ بُلہ اور صبیان یعنی بچے اور نادان سب ہی واقف ہیں۔ لہذا جس طرح سے علم کا مفہوم بالکل واضح اور ظاہر ہے اسی طرح سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی فضیلت اور اس کے رتبہ اور مقام سے بھی شاید ہی کوئی ناواقف ہوگا کیونکہ علم ایک نور اور روشنی ہے۔ جہل ظلمت اور تاریکی ہے۔ نور کا ظلمت سے افضل ہونا اور روشنی کا تاریکی سے بہتر ہونا کون نہیں جانتا؟

خیر علم کی یہ فضیلت تو آپ کی بارہا کی سنی سنائی ہوگی۔ اس لئے میں اس وقت آپ کے سامنے علم کی اہمیت کو ایک دوسرے ہی عنوان سے بیان کرتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے آپ کے سامنے ایک اور چیز بھی پیش کرنا چاہتا ہوں جس کو چاہئے تو تمہید سمجھ لیجئے باقی آپ اس سے مانوس اور مالوف بھی ہیں اور اس کی بحث اس وقت دنیا کا ایک اہم ترین مسئلہ بھی بنا ہوا ہے۔ اور وہ ہے مال۔ علم کے ساتھ مال کا جوڑ شاید آپ کو ناپسند ہو لیکن میں نے ایک ضرورت سے اس کو لیا ہے اس لئے آپ سے بھی

اس کی اجازت چاہتا ہوں۔ نیز یہ کہ عام طور پر تو یہی دیکھا جاتا ہے کہ آج تحصیل علم کی واحد غرض حصول مال ہی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس علم کا مآل اور انجام مال ہوتا ہے اس کی جانب تو لوگوں کی توجہ زیادہ ہوتی ہے اور جس علم سے مال نہیں ملتا چاہے اس سے مآل یعنی آخرت کیوں نہ درست اور رضائے الٰہی کیوں نہ حاصل ہو اس کی جانب رغبت کم کی جاتی ہے۔

بہر حال اس دنیا میں دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں ہی چیزیں نہایت اہمیت رکھتی ہیں یعنی مال اور علم۔

مال کی دنیا میں کس قدر ضرورت ہے؟ یہ تو اظہر من الشمس ہے کیوں کہ انسان کے لئے مال قوام زندگی ہے اس کے بغیر دنیا کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَامًا ٥

اور یہ اس لئے کہ ہمارا کھانا پینا پہننا۔ مکان۔ اثاث البیت غرض کہ ہماری تمام ہی ضروریات زندگی کی تحصیل کا ذریعہ مال ہے۔ لہٰذا مال کی تو اس دنیا میں قدم قدم پر ضرورت ہے۔ اس کی ضرورت کا تو کوئی بھی منکر نہیں ہے نہ کوئی عالم اس کا انکار کر سکتا ہے اور نہ کوئی جاہل اس کا منکر ہو سکتا ہے حتیٰ کہ دین اور مذہب نے بھی اس کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اسلام میں مال حاصل کرنے کی ترغیب موجود ہے تو غلط نہ ہوگا۔

یہاں میں چند روایات پیش کرتا ہوں جو میرے مدعا پر شاہد عدل ہیں۔ طوالت کے خیال سے الفاظ حدیث نہیں بیان کرتا بلکہ صرف ان کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) حضرت عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوا بھیجا میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ کپڑے پہن کر اور ہتھیار سج کر آؤ۔ میں نے تعمیل حکم کی اور پھر حاضر ہوا اس وقت آپ وضو فرما رہے تھے پہلے تو آپ نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر فرمایا کہ اے عمرو! میرا یہ خیال ہے کہ تم کو ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجوں تاکہ اللہ تعالیٰ تمھیں مال غنیمت عطا فرمائیں اور خدا کرے تم صحیح و سالم رہو اور مجھے تمھارے لئے مال میں رغبت صالحہ ہے (یعنی میرا جی ہی چاہتا ہے کہ تمھارے پاس مال دیکھوں) حضرت عمرو کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مال کی خاطر تو مسلمان ہوا نہیں ہوں۔ میں نے تو اسلام کی خاطر اسلام قبول کیا ہے اور اس لئے مسلمان ہوا ہوں کہ (دنیا و آخرت میں) آپ کی معیت مجھے نصیب رہے آپ نے فرمایا یا عمرو نِعِمَّا بالمال الصالح للرجل الصالح یعنی اے عمرو!

انسان اگر نیک و صالح ہو اور مال بھی اس کو صالح و طیب ملے تو پھر "صالح شخص کے لئے صالح مال کیا ہی اچھی چیز ہے"
دیکھئے اسمیں مال حلال کی ترغیب موجود ہے۔
(۲) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ من اخذ بحقہ فنعم المعونۃ ھو یعنی جو شخص اس مال کو اس کے حق کے ساتھ لے یعنی جائز طریقوں سے اس کو حاصل کرے اور صحیح مصرف میں اس کو صرف کرے تو یہ ایک اچھا معین اور عمدہ مددگار ہے۔
(۳) ایک اور حدیث سنئے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں دنیا کو جو متاع غرور فرمایا گیا ہے تو یہ جب ہے کہ یہ طلب آخرت سے انسان کو روک دے لیکن اگر یہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی جانب داعی ہو اور آخرت کا ذریعہ بنے تو پھر یہی نعم المتاع و نعم الوسیلۃ بھی ہے یعنی نہایت ہی عمدہ برتنے کی چیز اور بہت ہی خوب وسیلہ ہے۔ (روح پ۲ ص۱۶۰)
آپ کے سامنے میں نے مال کی محمودیت کو احادیث سے ثابت کیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بات بھی آپ کو نئی سی معلوم ہو اس لئے کہ دنیا اور مال کے متعلق مشہور تو یہی ہے کہ دین میں اُن کی مطلقاً گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ یہ امور دین کے بالکل منافی ہیں۔ میں نے اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے اس بحث کو کچھ طول بھی دیدیا ہے۔ اگر اس علمی مجلس میں آپ کی معلومات میں بھی اضافہ ہو جائے تو اس میں آپ کا حرج ہی کیا ہے۔
اب اس کے بعد یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آخر یہ غلط فہمی ہوئی کہاں سے! بات یہ ہے کہ دین کے پیش نظر مقصودیت کے درجہ میں تو صرف آخرت ہے اور دنیا کی حیثیت دین کی نظروں میں صرف وسیلہ کی سی ہے تو اگر کسی نے دنیا سے ایسا تعلق رکھا جو کہ دین کے لئے معین ہو تو اس وقت یہ دنیا بھی نعم المعونۃ اور نعم المتاع و نعم الوسیلۃ۔ اور نعم المال الصالح للرجل الصالح کا مصداق ہوگی لیکن اگر کسی نے دنیا کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اور آخرت سے دور کرنے والے طریق میں استعمال کیا تو بیشک اس دنیا کی تو مذمت ہی کی جائے گی اور اس سے احتراز کیا جائے گا جیسا کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ:۔
ھی لین مسّھا قاتل سمّھا۔ یعنی یہ دنیا ایسی ہے کہ اس کا مس یعنی (اس کا چھونا تو نرم ہے اور اس کا سم یعنی اس کا زہر تو قاتل ہی ہے (مس اور سم کی لطافت ملاحظہ ہو)

اس میں تصریح ہے کہ مال اور دنیا میں دونوں ہی پہلو ہیں یعنی ایک حیثیت سے اگر یہ قابل مدح چیز ہے تو دوسرے اعتبار سے مستحق ذم بھی ہے۔ لیکن ذم کا اصل منشا اس کا سوء استعمال ہے ورنہ تو نفس دنیا کوئی قابل مذمت اور نفرت کی چیز نہیں ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ:-

دنیا کی مذمت جو شریعت میں وارد ہے تو اس کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ وہ صرف ضرورۃً ہی آئی ہے ورنہ تو یہ ایک اچھی جگہ بھی ہے اس شخص کے لئے جو اس میں رہ کر اپنی آخرت کے لئے توشہ تیار کرے۔ (روح ص ۸۵ ج ۱) -

خیر یہ بحث تو درمیان میں آگئی تھی۔ میں بیان یہ کر رہا تھا کہ مال کی اس دنیا میں کسقدر ضرورت ہے اور ہماری دنیوی زندگی میں اس کو کتنی اہمیت حاصل ہے جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو اب سمجھئے کہ ایک اور چیز بھی ہے جس کا درجہ اس سے بھی بڑھا ہوا ہے اور اس کی اہمیت مال سے کہیں زیادہ ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ مال کے لئے بمنزلہ علت کے ہے تو بیجا نہ ہوگا سن لیجئے کہ وہ شئے علم ہے۔

علم اگر نہ ہو تو انسان مال جیسی ضرورت کی چیز سے نفع ہی نہیں حاصل کرسکتا کیونکہ علم نہ ہونے کی وجہ سے اوّل تو وہ اس کے اکتساب کے طریقوں سے ہی ناواقف رہے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مال کما ہی نہ سکے گا اور اس سے محروم رہے گا۔

اور اگر کسی طرح سے اس کو مال مل بھی گیا اور یہ جاہل ہوا تو اس کی حفاظت اس کے لئے آسان نہ ہوگی کیونکہ اس کے لئے بھی علم درکار ہے لہٰذا انجام یہ ہوگا کہ حاصل شدہ مال اور جمع کیا ہوا خزانہ اس کی جہالت کے نذر ہو کر ضائع اور ہلاک ہو جائے گا۔

اسی طرح سے اگر مال بالفرض ہوا اور کسی طرح سے اس کی حفاظت بھی کرلی گئی لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مواقع استعمال، خرچ کی جگہ حدود انفاق سے ناواقف رہا تو بھی مال ایسے شخص کے حق میں وبال ہی ثابت ہوگا۔ کیونکہ دنیا میں بھی یہ شخص ساری عمر بدنظمی اور بدانتظامی کا شکار رہے گا اور آخرت میں اس امانت کے ضیاع کی بازپرس اس سے الگ ہوگی۔

الغرض مال کے لئے اول بھی علم کی ضرورت ہے اور درمیان اور آخر میں بھی علم کی حاجت ہے اسی کو میں نے کہا تھا کہ علم مال کے لئے بمنزلہ علت کے ہے اور ان دونوں میں تعلق علت و معلول کا ہے۔ علم علت ہے اور مال اس کا معلول ہے اور علت بھی ایسی کہ معلول اپنے وجود کے علاوہ بقاء و قیام میں بھی جس کا محتاج ہو کیونکہ تحصیل مال میں بھی علم کی ضرورت ہے اور اسکے تحفظ

اور استعمال میں بھی علم کی حاجت ہے اور جس منزل میں بھی آدمی علم سے عاری اور خالی ہوگا مال یا تو اسکا ساتھ چھوڑ دے گا یا اس پر وبال ہو جائے گا۔

یہاں پر ایک بات اور سن لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا فرمایا تو عام طور سے علت تخلیق "قدرت" کو سمجھا جاتا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ چوں کہ قادر مطلق ہے اس لئے اپنی قدرت سے اس عالم کو وجود عطا فرمایا لیکن ارباب نظر جانتے ہیں کہ قدرت سے بھی مقدم ایک اور چیز ہے جو کہ منشا بنتی ہے استعمال قدرت کا اور وہ ہے حق تعالیٰ کا علم لہٰذا تخلیق کی علت قدرت سہی مگر علم اس کے لئے بمنزلہٗ عِلَّۃُ الْعِلَل کے ہے اس لئے اس کا مقام قدرت سے بھی اقدم ہے۔ اسی طرح سے ممکنات میں دیکھئے کہ کوئی شخص کسی کو کھانے میں زہر دیدیتا ہے تو اس کھانے والے کو قدرت تو اس کی ہوتی ہے کہ اس کھانے ہی کو نہ کھائے لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے اپنی قدرت کا سوء استعمال ہو جاتا ہے۔

یہی حال مال کا بھی ہے کہ اگر آدمی میں علم نہیں ہے تو وہ مال کا بھی سوء استعمال کرے گا یعنی اس کے آمد و خرچ کے مواقع اور طریقوں سے جب ناواقف ہوگا تو کبھی دوسروں پر ظلم کر کے مال کو حاصل کرے گا۔ کبھی غیروں کی حق تلفی ہو جائے گی کبھی ناجائز ذرائع اختیار کرے گا اور کبھی بے محل اسکا استعمال کرے گا ــــــ اور یہ سب چیزیں خلق و خالق سب کے نزدیک مذموم ہیں۔

اسی طرح کبھی یہ بھی ہوگا کہ علم نہ ہونے کی وجہ سے مال کو اس کے مرتبہ سے بڑھا دے گا مثلاً یہ کہ مال کی جگہ انسان کی جیب یا اس کا بکس ہے اور یہ اس کو اپنے دل میں رکھے گا جو کہ یقیناً حد سے تجاوز ہے ــــــ یا مثلاً عقل کے نزدیک اس کی حیثیت خادم اور غلام کی سی ہے اور یہ شخص اسکو اپنا تابع رکھنے کے بجائے اس کو اپنے اوپر حاکم بنائے گا اور خود اس کا محکوم ہو جائے گا جو کہ صریح قلب موضوع ہے اور بالکل اس کا مصداق ہے کہ ؎

کان مملوکی فاضحیٰ مالکی ۔۔۔ اِنَّ ھٰذا من اعاجیب الزمن

یعنی وہ تھا تو میرا مملوک لیکن ہو گیا میرا مالک یہ بھی اعجوبہ روزگار میں سے ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے غلام پر عاشق ہو گیا تھا جب غلام کو اس امر کا احساس ہوا تو وہ ناز و انداز کرنے لگا اور اس کو پریشان کرنے لگا اس پر اس شخص نے کہا کہ ؎

کان مملوکی فاضحیٰ مالکی ۔۔۔ ان ھذا من اعاجیب الزمن

یعنی دیکھو تو سہی یہ ظالم میرا مملوک تھا میں اس کا مالک تھا یہ میرا محکوم تھا میں اس کا حاکم تھا

لیکن اب یہ میرا حاکم اور مالک ہو گیا ہے اور میں اس کا محکوم و مملوک ہو گیا ہوں۔ یہ بھی کیسی عجیب بات ہے۔

اسی طرح مال بھی جو کہ تابع اور مملوک رکھنے کی چیز ہے انسان جب علم سے کورا ہوتا ہے تو اسے بھی اپنا حاکم بنا لیتا ہے اور خود اس کا تابع اور محکوم ہو جاتا ہے جیسا کہ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

جانتے ہیں آپ کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ جہالت کا کرشمہ ہے آدمی جب کسی چیز کی حقیقی حدود اور اس کے صحیح مقام سے واقف ہوتا ہے تو پھر اس سے اس قسم کی بدعنوانیاں نہیں ہوتیں۔

غرض کہ مال جس کی شان یہ ہے کہ وہ عقل تک کو سرگشتہ کر دیتا ہے اگر اس کی درستی اور اصلاح کسی چیز سے ہو سکتی ہے تو وہ یہی علم ہے۔

مولانا رومؒ اسی مضمون کو مثنوی میں بیان فرماتے ہیں کہ ؎

زر خرد را والہ و شیدا کند خاصہ مفلس را کہ خوش رسوا کند

یعنی مال عقل کو سرگشتہ اور شیفتہ کر دیتا ہے اور خصوصاً مفلس کو کہ اس کی تو بری گت بناتا ہے یعنی وہ بہت جلد حرص میں پھنس کر ذلیل و رسوا ہوتا ہے ــــ آگے فرماتے ہیں کہ ؎

زر اگرچہ عقل می آرد ولیک مرد عاقل باید او را نیک نیک

یعنی گو مال و زر عقل کو بھی بڑھاتا ہے مگر اس سے ہر شخص کی عقل نہیں بڑھتی بلکہ اسکے لئے بڑے عاقل کی ضرورت ہے جو کہ مال کو اچھے موقع پر صرف کرے اور اپنے دین کا معین و خادم اس کو بنا سکے اور یہ بدون علم کے نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے اس سے بھی معلوم ہوا کہ مال کا نفع گو از دیاد عقل ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو بدون علم کے میسر نہیں ہوتا۔

بس یہی بات میں اس وقت آپ سے کہنا چاہتا تھا کہ علم کی ضرورت اور اس کی فضیلت اس کی اہمیت اور اس کا مقام معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس نظر سے دیکھئے کہ آج کی دنیا میں مال کا جو درجہ ہے اور ہماری دنیوی زندگی میں اس کی جو حیثیت ہے ظاہر ہے تو اس مال کا حاصل کرنا۔ اس کا تحفظ اور بقا اور اس کا حسن استعمال بھی علم ہی پر موقوف ہے پھر جب علم اس قدر ضروری چیز (یعنی مال) کا موقوف علیہ اور علت ہوا تو خود اس کے مقام کا پوچھنا ہی کیا ہے۔

عقلی طور پر علم کا یہ مرتبہ جاننے کے بعد اب علم کا مقام دینی اعتبار سے بھی ملاحظہ فرمائیے دین میں دو چیزیں ہیں، عبادت اور علم۔ آپ اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ قرآن حکیم میں جن اور انس کے پیدا کئے جانے کا مقصد ہی عبادت کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ہم نے جن اور انس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

گویا دینی اعتبار سے یہ دنیا اور اس دنیا کی تمام چیزیں ہمارے جینے کے لئے ہیں اور جینا ہمارا عبادت کی خاطر ہے — ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے لیکن تمہاری پیدائش آخرت کے لئے۔

اسی مضمون کو حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

یعنی کھانا، زندگی اور خدا کی یاد کرنے کے لئے ہے اور تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارا جینا صرف کھانے کے لئے ہے۔

دیکھئے دینی حیثیت سے "عبادت" کا مقام کس قدر بلند ہے لیکن جہاں یہ ہے وہیں یہ بھی ثابت ہے کہ "علم دین" کا مرتبہ "عبادت" سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

دیکھئے تخلیق عالم کے بعد خلافتِ آدمؑ کا مسئلہ قرآن شریف میں مذکور ہے اس کی تفصیلات ملاحظہ کرنے کے بعد اس امر میں ذرا پوشیدگی نہیں رہ جاتی کہ خلافت کے باب میں حضرت آدمؑ کی ملائکہ پر ترجیح کا باعث جو امر بنا وہ ان کا علم ہی تھا چنانچہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ میں تو تصریح ہی ہے کہ آدمؑ کے علم ہی نے ان کو مستحق خلافت ٹھہرایا یعنی صفت علم جو کہ قدرت پر بھی مقدم ہے جب آدم علیہ السّلام اس میں نائب حق ثابت ہو گئے تو پھر خلیفۃ اللہ فی الارض کے بھی وہی اہل قرار دے گئے۔

علم کی فضیلت اور اس کا صحیح مقام بیان کرنے کے سلسلہ میں جی چاہتا ہے کہ حضرت علامہ علی متقیؒ کا کلام آپ کے سامنے نقل کر دوں جو متعدد فوائد اور بیشتر معلومات پر مشتمل ہے۔ ان کی عبارت عربی ہے میں یہاں صرف اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ:۔

"محققین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اعمال میں سب سے افضل عمل وہ ہے جو آخرت میں کام آئے جنھیں قرآن کریم میں "باقیات صالحات" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور

حدیث شریف میں سات چیزوں سے انھیں شمار کیا ہے اور وہ یہ ہیں :۔

تعلیم یعنی علم پڑھانا ۔ نہر جاری کرنا ۔ کنواں کھدوادینا ۔ پھل دار درخت لگانا ۔ مسجد تعمیر کرانا ۔ قرآن شریف کسی کو دینا ۔ اور ولد صالح چھوڑ جانا ۔ لیکن ان سب میں بڑھکر نشر علم ہے اس لئے کہ وہ باقی رہنے والی چیز ہے کیوں کہ درخت اور کنواں مثلاً کچھ مدت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں اور علم کا اثر تا قیام قیامت باقی رہتا ہے ۔ آگے فرماتے ہیں کہ :۔

پھر اس نشر علم کے بہت سے طریقے ہیں مثلاً کسی کو پڑھا دیا اور اس طرح سے سلسلہ بہ سلسلہ علم چلتا رہا ۔ یا کتابیں کسی ادارے میں وقف کر دیں یا کسی کو بطور عاریت کے استعمال کو دیں تو یہ سب بھی نشر علم میں داخل ہے ۔ یا کتاب نہیں بلکہ کاغذ ۔ قلم ۔ دوات دے دیا یہ بھی اسی شمار میں ہے ۔ اور سب سے عمدہ اس باب میں عوام الناس کی تعلیم ہے یا بچوں کو ابتدا سے پڑھانا تا آں کہ وہ تمام علوم و فنون کو حاصل کر کے فارغ ہو جائیں ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک درخت لگائے جس میں سے خوب شاخیں پھوٹیں اور اس پر خوب پھل آویں چنانچہ کسی طالب علم کو کاغذ دینا ایسا ہے جیسے کہ اس کو ایک زمین ہبہ کر دی ہو ۔ اور روشنائی کا دینا ایسا ہے جیسے اس کو بیج دیا اور قلم دینے کی مثال ایسی ہے جیسے اس کیلئے ہل وغیرہ کا انتظام کر دیا ہو ۔

آگے حضرت علی متقیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

تعلیم اور تعلّم کی فضیلت پر یہ حدیث بھی دال ہے کہ :۔

جو عالم صرف نماز پڑھ لیتا ہو اور اس کے بعد علم کی مجلس میں بیٹھ کر لوگوں کو خیر اور بھلائی سکھلاتا ہو اس کی فضیلت اس عابد پر جو دن کو روزے رکھتا ہو اور رات کو نمازیں پڑھتا ہو ایسی ہے جیسی کہ میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر ہے ۔

اسی حدیث کی مناسبت سے درمیان میں ایک اور حدیث ترمذی شریف کی بھی سن لیجئے اور پھر اس کی شرح جو صاحب نفع قوت المغتذی نے بیان فرمائی ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے حدیث شریف میں ہے کہ ۔

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب ۔ (ترمذی شریف)

یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ۔

اس کے تحت نفع قوت المغتذی میں ہے کہ ۔

قال البیضاوی العبادۃ کمال و نور لازم لذات عابد فلا یتخطاہ فاشبہ نور کواکب والعلم کمال اوجب العالم شرفاً فی نفسہ وفضلاً ومتعداً لغیرہ فیستضئ بنورہ ویکمل بواسطتہ لکنہ کمال لیس للعالم من ذاتہ بل نور یتلقاہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلہ شبہ بالقمر۔

(نفع قوت المغتذی)

بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ عبادت انسان کا ایک ایسا کمال اور نور ہے جو کہ ذات عابد کے ساتھ لازم رہتا ہے اس سے تجاوز نہیں کرتا لہٰذا یہ ستاروں کے نور کے مشابہ ہے اور علم ایک ایسا کمال ہے جو خود عالم کے نفس میں شرف اور فضل پیدا کر دیتا ہے اور غیروں تک متعدی ہوتا ہے چنانچہ وہ غیر بھی اس عالم کے نور سے منور اور اس کے واسطے سے کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن یہ علم چوں کہ ایسا کمال نہیں جو عالم کا ذاتی ہو بلکہ یہ ایک نور ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ اور حاصل کیا جاتا ہے یعنی ان کی مشکوٰۃ نبوت سے ملتا ہے لہٰذا اس کو مشابہت قمر سے دی گئی ہے کہ اس کا نور بھی ذاتی نہیں ہے بلکہ شمس سے مستفاد ہے۔

قال الطیبی فلا تظن ان العالم المفضل عار عن عملہ ولا العابد عن علم بل ان علم ذلک غالب علی عملہ وعمل ذلک غالب علی علمہ ولذا جعل العلماء ورثۃ الانبیاء الذین فازوا بالحسنیین العلم والعمل وحازوا افضیلتین الکمال والتکمیل فھذہ طریقۃ العارفین باللہ وسبیل السائرین الی اللہ۔

(حوالہ الا)

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہاں جو عالم کو عابد پر ترجیح دی ہے گئی ہے تو یہ مت سمجھو کہ جس عالم کو فضیلت دی جارہی ہے وہ عمل سے بالکل ہی کورا ہے اور وہ عابد جس پر فضیلت دی جارہی ہے وہ علم سے بالکل بے بہرہ ہے یہ بات نہیں ہے بلکہ اس عالم کا علم اس کے عمل پر غالب ہے اور اس عابد کا عمل اس کے علم پر غالب ہے۔ اسی لئے علماء جو ورثۃ الانبیاء

قرار دیئے گئے تو مراد اس سے وہ علماء ہیں جنھوں نے علم و عمل دونوں کو جمع کیا ہے اور کمال اور تکمیل دونوں فضیلتوں کے حامل ہوئے ہیں چنانچہ عارفین باللہ اور سالکین الی اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ علم و عمل دونوں ہی کے جامع ہوتے ہیں۔

نیز یہ حضرات جب علم کا لفظ بولتے ہیں تو مراد ان کی اس سے علوم حقیقی ہوتے ہیں باقی رسمی اور رسائی علم کا ان حضرات کے یہاں کوئی درجہ نہیں ہے چنانچہ فقہ فی الدین کی شرح میں یہی صاحب نفع قوت المغتذی لکھتے ہیں کہ:۔

قال التورپشتی حقیقۃ فقہ فی الدین ما وقع بالقلب فظہر علی لسانہ فافاد علماً واورث خشیۃً وتقویٰ واما ما یتدارسہ المغرورۃ فانہ بمعزل عن الرتبۃ العظمی لان محلہ لسانہ دون قلبہ۔

(ص ۹۹ نفع قوت المغتذی)

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ فقہ فی الدین کی حقیقت وہ ہے جو قلب میں واقع ہو اور پھر زبان پر ظاہر ہو جس کا ثمرہ علم ہو اور جو خشیۃ اور تقویٰ پیدا کرے باقی یہ اہل غرور جو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اس مرتبہ عظمیٰ سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں کیوں کہ اس علم کا محل تو صرف زبان ہوتی ہے نہ کہ قلب۔

آگے حضرت علی متقی ؒ ان جہلا کی مذمت بیان فرماتے ہیں جن کو علم اور علماء سے عداوت ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عالم ہو جاؤ۔ متعلم ہو جاؤ۔ علم کے سننے والے ہو جاؤ۔ علم کو دوست رکھنے والے ہو جاؤ۔ بس ان چار جماعتوں میں سے جس میں سے چاہے ہو باقی پانچویں جماعت میں سے یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہونا جو علم اور اہل علم کے دشمن ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے ایسے جاہلوں کو دیکھا ہے (جو کہ صوفی بن کر سلوک طریق الی اللہ کے مدعی ہیں حالاں کہ اس سے ان کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے) کہ تعلیم اور تعلم ہی کا انکار کرتے ہیں بلکہ اپنے لوگوں کو اس سے اس طرح روکتے ہیں گویا کہ ان کو علم اور اہل علم سے عداوت ہے اور مسکین یہ بھی نہیں جانتے کہ اس سے وہ اپنے ایمان ہی کو کچھ ضرر پہنچا رہے ہیں۔ اور لطف یہ کہ اپنی دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ آپ صاحب وحی اور معدن علم بھی تو تھے۔ اور اس کو بھی نہیں سمجھتے کہ جاہل اگر ذکر و شغل کرے گا

تو بعض مرتبہ اس کی وجہ سے اس کے قلب میں کچھ صفائی پیدا ہو جائے گی اور وہ محض اس سے دھوکے میں پڑ جائے گا اور بدون علم کے آفات نفس سے خود کو نہ بچا سکے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنا حاصل شدہ سرمایہ ہی ضائع کر دے گا۔

اسی طرح سے بعض نادان علم کو قبیح سمجھ کر اس پر مشائخ کے اس مقولہ سے استدلال کرتے ہیں کہ العلم حجاب اللہ الاکبر۔ یعنی علم اللہ تعالیٰ سے قرب و وصال کے لئے ایک بہت بڑا حجاب اور مانع ہے۔ حالانکہ ظالم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ یہ قول کچھ ان کے موافق نہیں ہے بلکہ ان کے خلاف ہی پڑتا ہے اس لئے کہ اس شخص کی مثال جو علم کو اس لئے ترک کر دے کہ وہ حجاب اللہ اکبر ہے۔ ایسی ہی جیسے کوئی شخص کسی پہ عاشق ہو اور اس کو یہ خبر ملے کہ اس کا محبوب پس دیوار ہے تو وہ یہ کہہ کر دیوار کی جانب التفات نہ کرے کہ یہ دیوار تو حجاب ہے اب آپ خود انصاف فرمائیے کہ اس سے بڑھ کر بھی احمق کوئی ہوگا کیوں کہ اگر عاشق صادق تھا تو اس پر واجب تھا کہ دیوار کو توڑ دیتا اور محبوب سے واصل ہو جاتا نہ یہ کہ دیوار کو دیکھ کر واپس آجائے اور محبوب ہی سے صبر کرے۔

ہاں علم حجاب بھی بنتا ہے مگر اس کے لئے جو اس کو تفاخر اور بڑائی کے لئے اور دنیا کی چند کوڑیوں کے لئے حاصل کرے۔

باقی جو شخص علوم دینیہ کو نہ حاصل کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی غائب شخص کی محبت کا دم بھرے ایسا غائب کہ اس تک رسائی کا ذریعہ اور طریقہ بھی یہ نہ جانتا ہو اور اور اسی درمیان میں وہ معشوق بھی کوئی خط بھیجے جس میں اپنے تک پہنچنے کی صورت کا بھی ذکر کرے اور یہ عاشق اس خط کو اٹھا کر پھینک دے اس کو پڑھے بھی نہیں اور یہ کہے کہ وصول محبوب میں یہ حجاب ہے تو بلا شبہ ایسے شخص کو یا تو احمق سمجھا جائے گا یا دعوائے محبت میں کاذب کہا جائے گا ہر عاقل کا یہی فیصلہ ہوگا (جب یہ ہے) تو اب سنئے کہ یہ قرآن اور حدیث اور علوم دینیہ بھی وصول الی اللہ کا طریقہ ہی بتلاتی ہیں لہٰذا طالب حق کے لئے ان کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ جو ان سے اعراض کرے وہ طالب ہی نہیں ہے۔

اور ہمارے شیخ معین الحق والدین (یعنی خواجہ اجمیریؒ) قدس اللہ سرہٗ سے اس مقولہ کا مطلب پوچھا گیا کہ العلم حجاب اللہ الاکبر کا کیا مطلب ہے تو انھوں نے خوب بات فرمائی۔ فرمایا کہ یہ حجاب بمعنی آڑ اور پردہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ لفظ ہے حجاب بمعنی دربان مطلب یہ ہے

کہ جس طرح سے شاہی دربار کے لئے دربان ہوتے ہیں جو کہ بادشاہ سے ملنے والوں کے لئے واسطہ اور ذریعہ بنتے ہیں اسی طرح سے علم کی بھی یہی شان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والوں کے لئے بمنزلہ دربان کے ہے بلکہ سب سے بڑا دربان، دربارِ الٰہی کا یہی علم ہے۔ انتہی کلامہ
(مجمع البحار صـ۴۲۱ ج ۲)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت علی متقیؒ نے اس مختصر سے کلام میں کتنی اہم گتھیوں کو سلجھا دیا ہے۔ العلم حجاب اللہ الاکبر کا کیسا عمدہ مطلب بیان فرمایا۔ حاصل اسکا یہی ہے کہ فی نفسہ علم تو نہایت ہی اچھی اور محمود چیز ہے البتہ اس کو آدمی اپنے سوء استعمال یا اسمیں دوسری اغراض کی آمیزش کر کے حجاب بنا لیتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں سمجھئے کہ علم محمود ہے لہذا یہ کسی مذموم شئے کا ذریعہ کیوں کر بن سکتا ہے؟ البتہ اس میں کسی جہت سے نقص پیدا ہو جائے یا ابھی وہ رسم سے بڑھ کر حقیقت تک نہ پہنچا تو بیشک اس پر برے آثار بھی مرتب ہو سکتے ہیں یہ قصور پھر بھی علم کا نہ ہو گا بلکہ اسکے نقص کا ہو گا یا یوں کہیئے کہ اس جہل کا ہو گا جو ابھی دور نہیں ہوا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کبھی علم سبب بنتا ہے تکبر کا میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ اس لئے کہ علم بالخصوص علم دین تو خیر ہی خیر ہے اس لئے وہ کسی شر کا سبب اور ذریعہ کیسے بن سکتا ہے؟ لہذا اہل علم میں جو تکبر دیکھا جاتا ہے میرے نزدیک اس کا منشا اُن کا علم نہیں ہے بلکہ جہل ہے یعنی ان کا علم ابھی ناقص ہے پس جو حصّہ کہ علم کا ابھی اُن کو حاصل نہیں ہوا ہے وہی سبب ہے اس رذیلۂ بد کا نہ کہ علم کا وہ حصّہ جو ان کو حاصل ہے۔ اور میں اس کی یہ مثال دیتا ہوں کہ جیسے دو شاخیں فرض کیجئے ایک ان میں سے میوہ سے بھری ہوئی ہے اور دوسری نصف خالی ہے اور نصف بھری ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جو شاخ کہ میوہ سے لدی اور بھری ہے وہ اس نصف خالی والی سے زیادہ نیچے جھک جائے گی اور خالی والی اوپر کو اٹھی ہو گی اس میں رفعت ہو گی تو اب آپ اس کم میوہ والی کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے ترفع کا سبب اس کا پھل ہے یہ نہیں بلکہ اس کے ترفع کا سبب اس کا نقص ہے یعنی اس کا آدھا حصہ چونکہ خالی ہے اس لئے وہ اوپر کو اٹھی ہوئی ہے ورنہ اگر یہ بھی کہیں پوری بھری ہوتی تو اول کی طرح یہ بھی زمین بوس ہوتی۔

اسی طرح سے میں کہتا ہوں کہ جس اہل علم میں آپ تکبر دیکھ رہے ہیں اس کا سبب اس کا علم

نہیں ہے۔ علم نے تو اپنا پورا کام کیا کہ اس کو بہت کچھ سنوار دیا نہ پڑھتا تو اور بھی خراب ہو جاتا مگر اب بھی یہ رذیلہ جو موجود ہے تو اس لئے کہ اس کا علم ہنوز کامل نہیں ہے ناقص ہے پس اس کے علو کا سبب اس کا غلو ہے

اب دین کا علم چوں کہ کبھی ناقص بھی ہوتا ہے اور کبھی یہ اغراض دنیویہ کے لئے پڑھا جاتا ہے اس لئے اس کی حیثیت رسم سے زیادہ نہیں ہوتی اسی لئے اہل حقیقت کے کلام میں کہیں کہیں علم کی مذمت آجاتی ہے مثلاً مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ:۔

علم رسمی سر بسر قیل است وقال کہ از وی کیفیتے حاصل نہ حال

اور فرماتے ہیں کہ۔

جملہ اوراق وکتب در نار کن سینہ را با نور حق گلزار کن

اس کا یہی مطلب ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔

ورنہ تو علم یا اسباب علم کی فضیلت کا کوئی منکر نہیں ابھی آپ نے علی متقیؒ کے کلام میں سنا کہ آلات علم کی کیسی کچھ اہمیت اور عظمت بیان فرمائی ہے اور بات بھی یہی ہے کہ جب علم کی فضیلت مسلم ہوگئی تو ظاہر ہے کہ اس کے جو ذرائع ہیں ان سب کی اہمیت بھی اس سے ثابت ہو جائے گی کیوں کہ الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ یہی وجہ ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ تعلم متعلم اور آلات علم سب معظم ومحترم اور قابل اہتمام ہوتے ہیں۔

پھر آلات علم میں سے سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز کتابیں ہیں کیوں کہ یہی ذریعہ بنتی ہیں علم سیکھنے کا بھی اور اس کے باقی اور یاد رہنے کا بھی۔

اب ظاہر ہے کہ اگر وہ کتب دنیوی علوم کا ذریعہ ہیں تو ان سے علوم دنیوی حاصل ہوں گے اور اگر دینی کتب ہیں تو ان سے علم دین حاصل ہوگا۔ غرض علم دنیا کا ہو یا دین کا اس کے تحصیل کا ذریعہ اور اہم ذریعہ کتابیں بھی ہیں اور یہ بات اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے کیوں کہ اگر کتابیں نہ ہوتیں تو زبانی لوگ کتنی باتوں کو محفوظ رکھ سکتے۔ پھر اگر کوئی بدخواہ درمیان میں کسی موقع پر بھی ان میں تصرف کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا اور اس طرح سے کوئی بھی مسئلہ خواہ دین کا ہو یا دنیا کا قطع وبرید اور محو واثبات سے مامون اور محفوظ نہ رہ سکتا تھا نتیجہ یہ ہوتا کہ علوم پر سے اعتبار اٹھ جاتا اور اختلاف کا دور دورہ ہو جاتا۔

اس لئے ان حضرات کا یہ احسان عظیم ہے جنھوں نے کہ علوم کو کتابوں میں مدون کر دیا کہ

اب اس کی وجہ سے وہ گویا سر بمہر ہو کر بالکل محفوظ ہو گئے۔

دیکھئے! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما نہیں ہیں لیکن ہم آج بھی آپ کے ایک ایک قول اور فعل اور آپ کی جملہ تعلیمات سے جو واقف ہو سکتے ہیں تو یہ کتاب ہی کی برکت ہے۔

اسی طرح سے قرآن شریف کو اس عالم میں نازل ہوئے ساڑھے تیرہ سو برس سے زاید کا زمانہ گزر گیا لیکن آج بھی ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ کون سی سورت مکہ میں نازل ہوئی اور کونسی مدینہ میں کون سی آیت رات کو نازل ہوئی اور کون سی دن میں کون سی خلوت میں اتری اور کون سی جلوت میں یہ کیوں کر؟ یہ فیض بھی کتابوں ہی کا ہے۔

اسی طرح سے آج سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ اجمیریؒ بھی موجود نہیں ہیں۔

نیز رومی و غزالی۔ جنید و شبلی۔ سعدی و حافظ بھی اب دنیا میں نہیں رہ گئے ہیں نیز بقراط و سقراط۔ بوعلی اور فارابی بھی نہیں رہے مگر آج بھی ہم کو ان سب کے حالات ملفوظات انتظام سلطنت، کلام اور تحقیقات کا جو پتہ ہے تو وہ کتابوں ہی کی بدولت تو ہے۔

الغرض علم کی عظمت اور اہمیت کے ساتھ ساتھ کتابوں کی اہمیت اور ضرورت ناگزیر ہے۔ اب اگر اس کے خلاف کوئی مضمون کسی محقق کا مشہور ہے تو وہ ماؤل ہے۔

مثال کے طور پر اکبر الہ آبادی مرحوم کا ایک شعر نقل کرتا ہوں اور پھر اپنی فہم کے مطابق اس کی توجیہ کر کے اس کا مطلب بھی بیان کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بہت ہی مشہور شعر ہے اور زبان زد خاص و عام ہے لیکن اگر آپ اس کے ظاہری لفظوں سے جو مطلب و مفہوم ہوتے ہیں اس کو لیجئے گا تو کتابوں کی اہمیت اور عظمت کا جو قصر ابھی آپ نے تعمیر کیا ہے وہ یکسر منہدم ہو جاتا ہے کیوں کہ بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دین پیدا ہونے کا ذریعہ ایک اور صرف ایک ہے اور وہ ہے بزرگوں کی نظر۔

اور اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ پھر تو کتابوں کے یہ ذخیرے کتب خانے۔ دارالمطالعے اور مدارس وغیرہ یہ سب چیزیں بالکل بیکار اور معطل محض ہو جاتی ہیں کیوں کہ دین پیدا کرنے میں جب ان کو کچھ دخل ہی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ کوئی ان کی جانب توجہ کیوں کرے اور کسی دبند اکیلئے

ان امور میں خوشی کا کون سا پہلو رہ جاتا ہے؟

اس غلط فہمی کے پیش نظر اس کلام میں تاویل کی ضرورت پیش آئی۔

میں نے اس کو یوں سمجھا ہے کہ ایک دین ہے اور ایک تدین ہے دین تو کتابوں میں ہی ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ حدیث کا علم حدیث شریف کی کتابوں میں ہے اور فقہی مسائل کا علم فقہ کی کتابوں میں ہے، تفسیر کا علم تفسیر کی کتابوں میں ہے۔ لغت کا علم، لغت کی کتابوں میں ہے یہ تو "دین" سے متعلق عرض ہے۔

باقی تدین یعنی دین کا عملی طور پر عامل کے اندر آجانا یہ متدین کی صحبت سے ہوتا ہے۔ متدین اس کو کہتے ہیں جو دین کو اپنے اندر عملی طور پر پیدا کرے تو یہ تدین بغیر متدین کے نہیں ہو سکتا۔ تدین کتاب کی صفت نہیں ہے متدین کی صفت ہے۔

پس قائل نے یہاں دین کا لفظ جو استعمال کیا ہے وہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ تدین کے معنی میں ہے اب اس کے بعد یہ کلام ایک درجہ میں صحیح بھی ہے۔

قائل کا یہ کہنا ہے کہ باوجود علم اور کتب کی کثرت کے دین جو لوگوں میں نہیں ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ دین (تدین) کتاب سے حاصل کرنا چاہتے ہیں حالاں کہ یہ (یعنی تدین) دیندار (یعنی متدین) سے حاصل کرنے کی چیز ہے اور یہ صحیح ہے۔ اور میں یہاں اتنی بات اور کہتا ہوں کہ تدین تو متدین کی صفت ہے ہی دین کا صحیح علم بھی کتاب سے نہیں آسکتا ہمارے استاد حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ محض کتاب دیکھ کر کسی کو رکوع کرنا بھی نہیں آسکتا۔

صرف کتاب سے لوگ اس کو عمل میں لاتے تو سخت اختلاف ہوتا کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا اسکے حد کے اندر سخت اختلاف ہوتا اب تعامل امت سے یہ سب چیزیں آسان ہو گئی ہیں۔

کتاب کی ضرورت مسلم ہے۔ کتاب میں قانون ہوتا ہے اور اس کا علم قانون داں کو ہوتا ہے تدین تو بجائے خود رہا صحیح علم کسی کتاب یا قانون کا اس کے عالم کے پاس ہوتا ہے اس لئے نہ کتاب سے استغنا ہو سکتا ہے اور نہ اہل علم سے۔

کتاب سے تو اس لئے ہم مستغنی نہیں ہو سکتے کہ علوم مدون اور منضبط جو ہیں تو وہ کتابوں ہی میں ہیں اور عالم سے اس لئے مستغنی نہیں ہیں کہ علم کتاب کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ عالم کی صفت ہے یعنی علم، عالم کا وصف ہے اس کے اندر ہوتا ہے اس لئے علم کی تحصیل کے لئے بھی

اہل علم کی صحبت اور علماء سے استفادہ ناگزیر ہے۔

میں نے مذکورہ بالا شعر کی جو توجیہ پیش کی ہے اس سے مقصد صرف یہ تھا کہ کہیں اس کو لوگ بے محل نہ استعمال کریں اور اس سے معاذ اللہ کتابوں کی عدم ضرورت اور عدم افادیت پر نہ استدلال کرنے لگ جائیں۔

لیکن اس توجیہ سے میری غرض یہ بھی نہیں ہے کہ کتاب ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جائے اور اس کی وجہ سے لوگ اہل علم کی صحبت سے خود کو مستغنی تصور کرنے لگیں کیوں کہ یہ دونوں خیالات خالی از افراط و تفریط نہیں۔ اس لئے قابل اصلاح ہیں۔ صحیح اور اعدل الاقوال یہ ہے کہ ہم کتاب کے بھی محتاج ہیں اور علماء کے بھی چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کتابوں سے ایک مسئلہ مدتوں حل نہیں ہوتا اور کوئی اہل علم اس کو چند لفظوں میں حل کر دیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علم اہل علم کے اذہان میں جلا کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کی بصیرت میں بہت ہی زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے اور غیر اہل علم یا کم علم والے میں یہ بات نہیں ہوتی۔

اس پر دو واقعے سنئے:

(۱) مشہور ہے کہ کسی بادشاہ نے خواب دیکھا کہ میری ایک ٹانگ مشرق میں ہے اور ایک مغرب میں۔ ایک جاہل معبّر نے اس کی یہ تعبیر دی کہ آپ کی ٹانگیں چیر دی جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہو گیا حالاں کہ علم تعبیر کی روشنی میں اس کا مطلب یہ بھی نکالا جا سکتا تھا کہ حدود سلطنت میں توسیع ہو جائے گی۔ یعنی مشرق سے مغرب تک کا مالک ہو جائے گا۔

اسی لئے خواب کی تعبیر کسی جاہل معبّر اور ایسے شخص سے نہیں دریافت کرنی چاہئے جو خیر خواہ نہ ہو۔

(۲) اسی طرح سے ایک اور بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ میرے سارے دانت گر گئے ہیں صبح کو معبّر سے اس کی تعبیر پوچھی اس نے کہا کہ حضور کا سارا خاندان حضور کے سامنے ختم ہو جائے گا۔ بادشاہ نے اس کو پسند نہیں کیا اور اس کو قتل کئے جانے کا حکم فرما دیا۔

پھر دوسرے معبّر کو بلوایا اور اس سے اس کی تعبیر پوچھی کہا حضور یہ نہایت مبارک خواب ہے "آنحضور کی عمر اپنے خاندان کے سب لوگوں سے زیادہ ہوگی"۔ بادشاہ اس سے خوش ہوا اور اسکو انعام دیا۔

دیکھئے یہاں بات دونوں نے ایک ہی کہی تھی لیکن ایک کے ساتھ علم کی رہنمائی تھی اور دوسرے کے ساتھ جہل کی کار فرمائی۔

غرض ہم بلاشبہہ تحصیل علم کے باب میں کتابوں کے ساتھ ساتھ اہل علم اور علماء محققین کے بھی محتاج ہیں۔ اس کو خوب اچھی طرح سے سمجھ لیجئے تاکہ غلط فہمی نہ ہو۔

حاصل یہ کہ علم جب معزز۔ محترم۔ افضل اور اہم ہے تو اس کے توسط سے آلات علم اور کتب بھی اہم اور مہتم بالشان ہوں گی۔

لہٰذا علم کا پڑھنا پڑھانا جس طرح سے اہم خدمت سمجھی جاتی ہے اسی طرح سے طالبین علم کے لئے کتب کا وقف کر دینا عاریت پر دینا ان کی فراہمی اور اس سلسلہ میں ان کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچانا بھی اہم خدمت متصور ہوگی۔

دنیا میں علم دنیا کی بھی حاجت ہے اور علم دین کی تو دنیا اور آخرت دونوں ہی جگہ ضرورت ہے لہٰذا جس طرح سے دینی کتب کا ذخیرہ جمع کر دینا تاکہ اہل ضرورت بوقت حاجت اس سے منتفع ہوں، موجب اجر و ثواب ہے۔ اسی طرح سے علوم دنیوی اور حوائج زندگی سے متعلق کتب رسائل۔ اخبارات جرائد وغیرہ کا انتظام و اہتمام بھی بلاشبہہ ایک اہم خدمت ہے۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ایک دار المطالعہ کے تعارف کے سلسلہ میں آپ سب حضرات یہاں جمع ہوئے ہیں۔ لہٰذا میں اس مختصر سی گزارش کے بعد یہ کہہ کر کہ میں بھی اس مقصد میں آپ کا شریک ہوں اور اب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر کے مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ آپ حضرات کی اس سعی میں اخلاص عطا فرمائے اور اس کو مقبول فرمائے۔

خدا کرے یہ ادارہ اپنے صحیح مقاصد کی اشاعت میں ہمیشہ سرگرم رہے اور اس میں روز افزوں ترقی ہو۔

اس کا ہر خادم دینی اور دنیوی سعادتوں کا حامل بنے اور اس کی تمام تر کوششیں بارآور ہوں۔

وما علینا الا البلاغ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین

از افاضات

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحذیر العلماء

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بعد الحمد والصلوٰۃ بندہ ناچیز سراپا تقصیر عرض پرداز ہے کہ مسلمانوں کے عام طور پر تباہی و بربادی کے اسباب کیا ہیں ـــــ؟

ممکن ہے اس بارے میں انظار و افکار مختلف ہوں مگر میرے نزدیک اس کا بڑا سبب علماء و مشائخ سے بداعتقادی ہے۔ یہ بداعتقادی جہاں تک پہنچا دے کم ہے یہ مرض جب عالمگیر ہو جاتا ہے تو علماء محققین و مشائخ معتبرین سے بھی عار و استنکاف ہونے لگتا ہے۔ ہوتا تو ہے استنکاف و عار اور اس کو نفس و شیطان مزین و مستحسن کر کے دلائل اس کے نیار کر لیتا ہے اور اس طرح سے اس کا استحسان نظر میں مستحکم ہو جاتا ہے پھر اپنے کو بداعتقاد و عدم اتباع میں معذور سمجھنے لگتا ہے اور اس طرح ایک فریق ان حضرات کا بن جاتا ہے اور دونوں جانب میں ایک خلیج نزاع و جدال کی وسیع ہو جاتی ہے جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہ مرض عالمگیر ہو گیا ہے اور کہیں پر علماء و مشائخ کا احترام باقی نہیں رہا ہے جب خواص پر اعتماد باقی نہیں رہا اس کا لازمی نتیجہ ہے فساد عوام۔ فساد دنیا و فساد دین۔ اور اس کا علاج صرف ایک شئے میں منحصر ہے علماء و مشائخ کا اعتقاد و اعتماد اور اس کا لازمی نتیجہ ہے صلاح عوام اصلاح دنیا اصلاح دین۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علماء کا اپنے طبقہ میں بھی احترام باقی نہیں ہے یعنی ان کے طلباء و شاگرد ان کا احترام و اعتقاد دل سے نہیں کرتے۔ وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ طلباء کو علم کا ذوق اساتذہ سے جیسا چاہئے نہیں ہوتا بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اکثر طلباء نہایت بداستعداد ہوتے ہیں ذرا بھی کسی علم سے مس نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ اساتذہ کی کیا قدر کر سکتے ہیں وہ ہرگز ان کے مرتبہ کو پہچان نہیں سکتے جب کچھ ملا ہوتا تو پہچانتے۔ علیٰ ہذا خود علماء

علماء کا احترام نہیں کرتے تا بعوام چہ رسد۔

اسی طرح مشائخ کا اعتقاد ان کے مریدوں میں بھی کچھ نہیں بلکہ مریدین میں شاذ کوئی مرید سچا ہو یہ سلسلہ صرف رسمی و عرفی باقی رہ گیا ہے۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مرید کو شیخ سے کچھ ملتا نہیں اور جب مرید کو شیخ سے کچھ ملے گا نہیں تو اس کے اعتقاد کا بھی اعتبار نہیں کسی مرید سے کسی نے پوچھا کہ شیخ سے تم کو کیا نفع ہوا۔ کہا جب آٹے ہی میں نہ ہوگا تو کلاس میں کیا آوے گا۔ ایسے خالی لوگ اکثر بالمآل بد اعتقاد و منکر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ عوام کے بھی علماء سے بد اعتقاد ہونے کی ہے جن لوگوں سے دین کی اشاعت ہوئی نہایت ذلیل و خوار نظر آرہے ہیں عام طور پر لوگوں نے اس کو دنیا کمانے کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ اور یہ غلط بھی نہیں ہے، ہو بھی رہا ہے یہی۔ اب دین محض دنیا طلبی و جاہ طلبی کے لئے حاصل کیا جاتا ہے۔ تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا جب علماء نے یہ دیکھا کہ ہمارا احترام قوم میں باقی نہیں ہے تو وہ بھی الا ماشاء اللہ کھل کے دنیا طلبی کے اسباب اختیار کرنے لگے اور اپنے کو اس زمرے سے بالکل خارج کر دیا اور ذلت سے بچنے کے لئے دنیا طلبی اور روپیہ پیسہ کی تحصیل کو ضروری اور از بس ضروری خیال کر لیا اور اس طرح سے آپس اتفاق کر لیا اور ان کے فریق ہونے سے نکل گئے اور انھوں نے بھی ان سے صلح کر لی اور یہ صلح نہایت محکم اور استوار ہو گئی ہر ایک دوسرے سے شیر و شکر کی طرح رہنے لگا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دروازہ ہی بند کر دیا انا للہ و انا الیہ راجعون یہ فساد لازم ہی نہیں بلکہ متعدی و متعدی ہو رہا پھر ایسے علماء کے جو شاگرد ہوتے ہیں الولد سر لابیہ کے قاعدہ سے وہ بھی اس خیال کے شکار ہوتے ہیں پھر عوام میں بھی اس کا تعدیہ ہونا کیا بعید ہے۔ اس طرح سے یہ مرض عالمگیر ہو گیا۔

جب مرض کی تشخیص ہو گئی علاج کی بھی تعیین ہو گئی جب آدمی اپنی عزت خود نہ کرے گا دوسرے سے بھی نہ کرا سکے گا، جب علماء اپنے کو اس زمرہ سے نکال چکے ہیں پھر دوسروں پر کیسے ثابت کر سکتے ہیں کہ ہم عالم ہیں اور ہمارا احترام اس حیثیت سے لازم ہے۔ احترام کرانا دل سے کرانا آسان نہیں دوسرا شخص دلیل کا مطالبہ کرتا ہے اور دلیل پر نقض وارد کرتا ہے اور عاجز ہو جاتا ہے تب تسلیم کرتا ہے۔

ع یہ منزل عشق کی ہے اس میں آئے جس کا جی چاہے۔ لوہے کے چنے چبانے ہیں یہ مرتبہ لینا حلوائی کی دوکان نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے خرید لے۔ خلوص کا سودا ہے اور اہل خلوص اقل قلیل ہیں

اہل خلوص کو بھی اعتبار دلانا مشکل ہو گیا ہے اعتبار جب چلا جاتا ہے جلدی نہیں لوٹتا الزائل لا یعود اسم تفضیل جس طرح لون سے نہیں آتا عیب[عہ] سے بھی نہیں آتا اس کے باوجود بھی ہم تبلیغ کے دلدادہ ہیں اور عوام سے دین کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان میں اثر نہ ہونے سے تعجب کرتے ہیں اور دلگیر ہوتے ہیں اور اس کے اسباب میں جو ہمارے ہی اختیار کئے ہوئے ہیں اور اسی سے یہ نتائج بد ہیں غور نہیں کرتے۔ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ کا یہی مصداق ہے اس مقام پر روح المعانی سے اسی کے مناسب مضمون نقل کرتا ہوں۔ وھو ھذا۔

ثم ان ھذا التوبیخ والتقریع وان کان خطابا لبنی اسرائیل الا انہ عام من حیث المعنی لکل واعظ یأمر ولا یأتمر ویزجر ولا ینزجر ینادی الناس البدار البدار ویرضی لنفسہ التخلف والبوار یدعو الخلق الی الحق وینفر عنہ وطالب العوام بالحقائق ولا یشم ریحھا منہ وھذا ھو الذی یبدأ بعذابہ قبل عبدۃ الاوثان ویعظم ما یلقی لوزر تقصیرہ یوم لا حاکم الا الملک الدیان وعن محمد بن واسع قال بلغنی ان اناسا من اھل الجنۃ اطلعوا علی ناس من اھل النار فقالوا لھم قد کنتم تامروننا باشیاء وعملناھا فدخلنا الجنۃ قالوا کنا نأمرکم بھا ونخالف الی غیرھا۔

ترجمہ:۔ اس توبیخ و سرزنش کا بظاہر خطاب بنی اسرائیل کو ہے لیکن درحقیقت یہ ہر اس شخص کیلئے عام ہے جو دوسرے کو امر کرے اور خود نہ کرے اور لوگوں کو منادی کرے (البدار البدار) جلدی کرو جلدی کرو اور اپنے لئے تخلف (پیچھے ہونا) اور بوار (ہلاکی) کو پسند کرے اور مخلوق کو حق کی طرف بلائے اور خود اس سے نفرت کرے اور عوام سے حقائق کا مطالبہ کرے اور خود حقائق کی بو نہ سونگھی ہو یہی وہ شخص ہے کہ بت پرستوں کے عذاب سے قبل اس کو عذاب دیا جائے گا اور چونکہ اس کی تقصیر بڑی ہے اس لئے اس کی سزا بھی بڑی ملے گی جس دن کہ کوئی حاکم نہ ہوگا بجز ملک دیان کے (یعنی قیامت میں) محمد بن واسع سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے

عہ:۔ عیب سے مراد عیب ظاہری مطلب یہ کہ رذائل کے ساتھ ساتھ نقل کیسے جمع ہو سکتا ہے۔

کہ جنت کے کچھ لوگ بعض اہل نار کو دیکھ کر ان سے کہیں گے کہ تم لوگوں نے ہمیں کچھ باتیں بتائی تھیں جن پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو گئے اور تم یہاں کیوں ہو۔ وہ لوگ جواب دیں گے کہ جن باتوں کا ہم تم کو حکم کرتے تھے خود اس کے خلاف کرتے تھے۔ اس لئے ہمارا یہ حشر ہوا۔
روح المعانی ص ۲۲۶ ج ۱

اسی مضمون کی تائید سیدنا حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے وظائف المرشد المعلم کے بیان میں فرماتے ہیں:۔

الوظیفۃ الثامنۃ ان یکون المعلم عاملا بعلمہ فلا یکذب قولہ فعلہ لان العلم یدرک بالبصائر والعمل یدرک بالابصار وارباب الابصار اکثر فاذا خالف العمل العلم منع الرشد وکل من تناول شیئا وقال للناس لا تتناولوہ فانہ سم مہلک سخر الناس بہ واتھموہ وزاد حرصہم علیہ فیقولون لولا انہ اطیب الاشیاء والذھا لما کان یستأثر بہ ومثل المعلم المرشد من المسترشدین مثل النقش من الطین والظل من العود فکیف ینقش الطین بما لا نقش فیہ ومتی استوی الظل والعود اعوج واذا اعوج العود اعوج الظل ولذلک قیل فی المعنی ؎

لا تنہ عن خلق وتاتی مثلہ عار علیک اذا فعلت عظیم

وقال اللہ تعالی اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ ولذلک کان وزر العالم فی معاصیہ اکبر من وزر الجاھل اذ یزل بزلتہ عالم ویقتدون بہ ومن سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا ولذلک قال علی رضی اللہ تعالی عنہ قصم ظھری رجلان عالم متھتک وجاھل متنسک فالجاھل یغر الناس بتنسکہ والعالم یغرھم بتھتکہ واللہ اعلم بالصواب۔

ترجمہ:۔ معلم کا آٹھواں وظیفہ یہ ہے کہ اپنے علم پر عامل ہو اس کا فعل اس کے قول کی تکذیب نہ کرے اسلئے کہ علم کا ادراک تو باطنی آنکھ سے ہوتا ہے اور عمل کا ظاہری آنکھ سے اور ظاہری آنکھ والے

بہ نسبت باطنی کے زیادہ ہیں تو ہو سکتا ہے کہ علم کا ادراک نہ ہو اور بے عملی کا ادراک ہو جائے پس اگر عمل علم کے خلاف ہوگا تو ہدایت سے مانع ہوگا اور جو شخص خود تو کوئی کام کرے اور لوگوں سے کہے کہ تم نہ کرو تو یہ سم قاتل ہے لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے اور اس کو متہم گردانیں گے اور اس چیز کے کرنے پر ان کی حرص زیادہ ہوگی یہ خیال کرتے ہوئے اگر یہ کوئی پسندیدہ اور اچھی چیز نہ ہوتی تو وہ خود کیوں کرتا اور مثال ہدایت کرنے والے معلم اور اس سے ہدایت حاصل کرنیوالوں کی ایسی ہے جیسے نقش اور مٹی اور سایہ اور لکڑی پس گندھی ہوئی مٹی کو کیوں کر منقش کیا جا سکتا ہے ایسے سانچے سے جس میں نقش نہ ہو اور سایہ کیسے سیدھا ہو سکتا ہے جب کہ لکڑی ہی ٹیڑھی ہو جب لکڑی ٹیڑھی ہوگی ظاہر ہے کہ سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اور اسی معنی میں یہ شعر ہے۔ (ترجمہ) ایسا نہ کرو کہ ایک بات سے دوسروں کو منع کرو اور خود اسے کرو اگر ایسا کیا تو تمہارے لئے یہ بڑی شرم کی بات ہے) اور حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کیا غضب ہے کہ کہتے ہو لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے اسی واسطے عالم کا گناہ اس کے گناہوں میں جاہل کے گناہوں سے بڑا ہے کیوں کہ اس کی لغزش سے ایک دنیا کو لغزش ہو جاتی ہے اور لوگ اس کی اقتدا کرتے ہیں (اور حدیث شریف میں ہے کہ) جو شخص کوئی برا طریقہ ایجاد کرے تو اس پر اپنا وبال بھی ہوگا اور ان لوگوں کا بھی وبال ہوگا جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے اسی واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ میری کمر دو آدمیوں نے توڑ رکھی ہے۔ ایک وہ عالم جو حکم شرعی کی پردہ دری کرتا ہو یا بحرمتی و ہتک کرتا ہو اور دوسرا وہ جاہل جو عبادت گزار ہو۔ اس لئے کہ لوگ اس کی عبادت سے دھوکے میں پڑیں گے اور عالم اس لئے کہ اپنی بے عملی سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

علمائے محققین کی ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ تبلیغ کے موثر ہونے کے لئے مبلّغ کا چند اوصاف سے متصف ہونا بھی ضروری ہے اور اگر واعظ ان سے کورا ہو یا روحانی امراض میں سے اس میں کوئی مرض موجود رہا تو نہ صرف یہ کہ اس سے فائدہ نہیں ہوگا بلکہ کبھی اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ عالم بے عمل کو اگرچہ وعظ کہنا جائز ہے لیکن لوگوں کو اس کے پند و نصیحت سے کچھ زیادہ اثر نہ ہوگا بلکہ احتمال ہے کہ الٹا اثر پڑے اس لئے کہ ایسا عالم یعاقب علی فسقہ (اپنے فسق پر عتاب کیا جائیگا) کا مصداق ہے جس طرح کہ ثوب مغصوب میں نماز اگرچہ درست ہے لیکن مصلی یعاقب علی معصیتہ۔ (نمازی اپنی معصیت پر باز پرس کیا جائے گا)

امام غزالی رحمۃ اللہ اپنی کتاب بدایہ میں اپنے ہمعصر علماء اسلام کا حال بیان فرماتے ہیں:۔

قد مرض العلماء فی ھذہ الاعصار مرضا عسر علیھم علاج انفسھم لان الداء المھلک ھو حب الدنیا قد غلب ذالک علی العلماء واضطروا الی الکف عن تحذیر الخلق من الدنیا لئلا تنکشف فضیحتھم فاصطلحوا علی الاقبال علی الدنیا وتجاربوا لھا والتکالب علیھا واشتغل الاطباء (العلماء) بفنون الاغواء فلیتھم اذا لم یصلحوا لم یفسدوا فلیتھم سکتوا ما نطقوا بل صار کل واحد کانہ صخرۃ فی فم الوادی لا ھی شرب ولا تترک الماء شربہ غیرہ۔

(بدایہ للغزالی ص۱۱۶)

ترجمہ:۔ بلاشبہ علماء اس زمانہ میں ایسے مریض ہو گئے ..... ہیں کہ ان پر خود ان کا علاج دشوار ہو رہا ہے اس لئے کہ حب دنیا جو ایک مہلک بیماری ہے خود علماء پر مسلط ہو گئی ہے اور اس کی وجہ سے عوام کو بھی دنیا طلبی سے روکنے کا ان کو منہ نہیں رہ گیا ہے اس لئے کہ اس سے خود ان کا پردہ فاش ہوتا ہے پس ان حضرات نے (لوگوں سے) دنیا طلبی اور اس کے لئے سعی کرنا اور اس پر کتوں کی طرح گرنے پر صلح کر لی ہے اور خود طبیب ہی (یعنی یہی علماء) عوام کو طرح طرح سے بہکانے کے فن میں مشغول ہو گئے ہیں۔ پس اے کاش ان لوگوں نے اگر اصلاح نہ کی تھی تو فساد بھی نہ کرتے اور کاش جو کچھ ان لوگوں نے کہا اس سے خاموش ہی رہتے (افسوس کہ صرف یہی نہیں ہوا) بلکہ ان میں کا ہر ایک چشمہ کے منہ کا پتھر بن گیا کہ نہ خود اس سے پیتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو پینے دیتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے بھی آیت وَاِنْ یَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً کی تفسیر بیان کرنے کے بعد اپنے معاصر علماء کا شکوہ اس طرح کیا ہے:۔

ولم اجد لھولاء مثلا من ھذہ الحیثیۃ المشار الیھا بقولہ سبحانہ وان یظھروا الایۃ الا اناسا متزیین بزی العلماء ولیسوا منھم ولا قلامۃ ظفر فانھم معی وحسبی اللہ وکفی علی ھذا الطرز فرفعھم اللہ لا قدر ادحطھم ولاحط عنھم وزرا۔ (روح المعانی پ۱۰ ص۵)

ترجمہ:۔ اور میں نہیں پاتا ان کفار کے لئے ان کے اس وصف میں جس کا کہ تذکرہ حق سبحانہ تعالیٰ نے آیت وان یظھروا الآیۃ میں فرمایا ہے کہ کوئی مماثل بجز ان لوگوں کے جنھوں نے علماء کا لباس تو پہن رکھا ہے حالانکہ عالم نہیں ہیں (عالم ہونا تو بڑی بات ہے) وہ عالم کے ناخن کے کترن کی بھی حیثیت نہیں رکھتے کیوں کہ علماء حقہ تو میرے ساتھ ہیں اور اللہ مجھے کافی ہے اور اُن کے اس طرز پر بھی کافی ہے خدا ان (علماء سو) کو بڑھائے لیکن عزت میں نہیں اور ان کو گھٹائے مگر گناہ میں نہیں۔

علمائے حق اور علماء سو کی علامات بیان کرتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں سنئے:۔

وقد ورد فی العلماء السوء تشدیدات عظیمۃ دلت علی انھم اشد الخلق عذابا یوم القیٰمۃ فمن المھمات العظیمۃ معرفۃ العلامات الفارقۃ بین علماء الدنیا وعلماء الآخرۃ ونعنی العلماء الدنیا و علماء السوء الذین قصدھم من العلم التنعم بالدنیا والتوصل الی الجاہ والمنزلۃ عند اھلھا۔ (احیاء العلوم للغزالی ص۶۳ ج۱)

ترجمہ:۔ اور (قرآن وحدیث) میں علماء سو کے بارے میں ایسی ایسی سخت وعیدیں آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ انھیں کو عذاب ہوگا لہذا ان علامات کا جاننا اشد ضروری ہوا جو علماء دنیا کو علماء آخرت سے جدا کرتی ہے اور ہماری مراد علماء دنیا سے وہ علماء سو ہیں جن کا مقصد اپنے علم (دین) سے محض دنیاوی راحت و آرام اور اسے جاہ طلبی کا ذریعہ بنانا ہے یا اس کے ذریعہ سے اہل جاہ کی نظروں میں وقیع بننا ہے۔

سُنئے طحطاوی علی الدر میں ہے:۔

شر الناس فاسق قرأ کتاب اللہ وتفقہ فی دین اللہ وبذل نفسہ لفاجر اذا تنشطہ تفکہ بقرأتہ فیطبع اللہ علی قلب القاری والمستمع

(طحطاوی علی الدر ص۳ ج۱)

ترجمہ:۔ بدترین انسان وہ فاسق ہے جس نے اللہ کی کتاب پڑھی ہو اور اللہ کے دین کی خوب باتیں سیکھی ہوں لیکن اپنے نفس کو کسی فاجر کی خوشنودی میں صرف کیا ہو (یعنی مطمح نظر محض اس کی

خوشنودی رہی) جس وقت طبیعت میں ذرا نشاط ہوا تو کتاب اللہ تفکہ کے طور پر قراءت کرلی (یعنی عمل کے قصد سے نہیں محض تفریح کے طور پر) پس حق تعالیٰ ایسے پڑھنے والے اور سننے والونکے قلب پر مہر لگادیتے ہیں (یعنی قراءت صرف لسان ہی تک محدود رہتی ہے قلب تک اس کا اثر نہیں پہنچتا۔)

اسی مضمون کی تائید حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے والوں کی چند مثالیں بیان فرمائی ہیں روایت میں ہے کہ:۔

ومثل الفاجر وفی روایۃ المنافق الذی یقرأ القرآن کمثل ریحانۃ ریحها طیب وطعمها مرٌّ۔ (رواہ الشیخان)

ترجمہ:۔ مثال فاجر کی اور دوسری روایت کی رو سے مثال منافق کی جو قرآن پڑھتا ہو مانند ریحانہ کے ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور مزہ کڑوا ہے۔

کتاب الادب النبوی میں حدیث کے اس جز کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

وثالثهم فاجر او منافق لیس له من الایمان الا اسمه ولا من الدین الا رسمه یقراء القرآن ویجید حفظه ویتقن طرقه ویعرف قرأته وتوقیع الفاظه ونغماته ولکن لا تجاوز التلاوة حنجرته ولا تعدو ترقوته فان بلوته تکشفت لك عن قلب اسود وفواد مظلم وخلق مر وعمل ضرو وهذا امثله رسول الله صلی الله علیه وسلم بالریحانه وان شممت فرائحة ذکیة وان ذقت فمرارة کذالك هذا یقراء القرآن تستریح به النفوس کما تستریح للروائح العطرة ولکن قلبه ونفسه منطویات علی السوء تذوق مرارته وتحس قذارته ان عاشرته او عاملته ومثل هذا لا اثر للقرآن فی نفسه لان فجوره ونفاقه ختم علی قلبه فلا تؤثر نصیحته ولا تنجح

معہ موعظۃ۔

(الادب النبوی ص۲۴۵)

ترجمہ:۔ اور تیسرا ان قرآن پڑھنے والوں) میں کا فاجر یا منافق ہے کہ جس میں محض نام کا ایمان ہو اور صرف رسمی دین کا ہو (یعنی حقیقی ایمان اور دین سے وہ خالی ہو) قرآن کو عمدہ یاد کے ساتھ پڑھتا ہو اس کے متعدد لہجوں اور قراتوں سے بھی بخوبی واقف ہو اس کو الفاظ کی پختگی اور حسن ترنم کے ساتھ تلاوت کرتا ہو۔ لیکن اس کا یہ پڑھنا اس کے گلے اور حلق سے آگے نہ بڑھتا ہو اگر تم اس کے (باطن) کا جائزہ لوگے تو اس کا دل سیاہ پاؤ گے قلب تاریک دیکھو گے اخلاق کڑوے (برے) اور عمل ضرر رساں پاؤ گے ایسے شخص کی مثال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ (تلسی) کی سی دی ہے اگر تم اس کو سونگھو تو خوشبو نہایت ہی پاکیزہ لیکن اگر اس چکھو تو مزا سخت کڑوا۔ یہی حال اس شخص (منافق) کا ہے کہ اس کے قرآن پڑھنے سے لوگوں کو بڑا ہی لطف آتا ہے۔ جس طرح کہ عمدہ خوشبوؤں کے سونگھنے سے آیا کرتا ہے لیکن اس کے قلب اور نفس میں نہ بہت برائیاں موجود ہوتی ہیں جس کی کڑواہٹ اور نجاست تم اس کی معاشرت اور معاملات میں محسوس کر سکتے ہو اور اس جیسے انسان کے قرآن پڑھنے کا اثر خود اس کے نفس میں بھی نہیں ہوتا (تا بدیگراں چہ رسد) اس لئے کہ اس کا نفاق اور فجور اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں پس اس وقت نہ کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور نہ کوئی وعظ نفع دیتا ہے۔ (اذا کان الطباع طباع سوء۔ فلا ادب یفید ولا ادیب)

اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی اس مضمون کی موید ہے جسے بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے:۔

عن حذیفۃؓ مرفوعاً اقرءوا القرآن بلحون العرب واصواتھا وایاک ولحون اھل عشق ولحون اھل الکتابین وسیجئی بعدی قوم یرجعون بالقرأت ترجیع الغناء والنوح لایجاوز حناجرھم مفتونۃ قلوبھم وقلوب الذین یعجبھم شانھم۔

(رواہ بیہقی ورزین)

ترجمہ:۔ حضرت حذیفہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ قرآن کو عرب کے لہجہ اور طرز پر پڑھو

اور دیکھو خبردار اہل عشق اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے طریقہ پر قرآن مت پڑھنا میرے بعد ایک قوم آئے گی جو قرآن کو گانے اور نوحہ کے طور پر پڑھے گی (جو) ان کے حلق سے متجاوز نہ ہوگا (اور اس عمدہ قرأت کی وجہ سے) خود ان کے قلوب بھی فریب خوردہ ہوں گے اور ان لوگوں کے قلوب بھی جن کو ان کا حال اچھا معلوم ہوگا۔

حاصل کلام یہ کہ اس زمانہ کے خواص ہوں یا عوام سب کے سب مہلک امراض میں مبتلا ہیں عوام کا حال تو یہ ہے کہ استرسل الناس فی اتباع الشہوات استرسال البھائم عام طور پر لوگ اتباع شہوات میں اس طرح چھوٹ کر پڑتے ہیں جیسے جانور (کھونٹے سے چھوٹ کر کھیت میں پڑ جاتا ہے) کہ کھیت کا چرکر ناس کر دیتا ہے اسی طرح یہ لوگ بھی شریعت کے قید و بند سے چھوٹ کر شہوات میں ہلاک ہو گئے کہ شریعت مقدسہ کا عمل تو درکنار استحسان بھی نظر میں باقی نہیں ہا اور خواص میں وہ مرض عام ہو گیا ہے جس کا اندیشہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا تھا۔

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان قال المناوی ای عالم بالعلم منطلق اللسان بہ لکنہ جاھل القلب والعمل فاسدۃ العقیدۃ مغر للناس بتشاقتہ وتفصحہ وتقعرہ فی الکلام قال المحشی الاخر تحت قول کل منافق علیم اللسان ای منطلق اللسان فی العلوم والفصاحۃ خال القلب من العمل بہ انما خاف صلی اللہ علیہ وسلم من امتہ منہ لانہ لفھم العلم یقتدی بہ الناس فیضلھم۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ مجھے سب سے زیادہ خوف اپنی امت میں علیم اللسان منافق کا ہے علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو علوم میں ماہر ہو اور اس میں اس کی زبان خوب چلتی ہو لیکن قلب اور عمل کے اعتبار سے وہ بالکل جاہل ہو اور عقیدہ بھی اس کا فاسد ہو مگر لوگوں کو اپنی زبان آوری و فصاحت بیانی اور کلام کی گہرائی سے مغالطے میں ڈال رکھا ہو۔ ایک دوسرے محشی نے کل منافق علیم اللسان کے تحت لکھا ہے کہ علوم فصاحت میں زبان چلانے والا ہو اور قلب اس کا خالی ہو اس پر عمل کرنے سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی امت میں اس شخص کا خوف اس لئے کیا کہ اس کے علوم میں ماہر ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی اقتدا کریں گے۔ اور وہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص سے خوف فرما رہے ہیں مفہوم حدیث میں غور کرنے سے اور اس کو اپنے اوپر منطبق کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج ہم میں بہت لوگ ایسے ہیں جو اس کے مصداق ہو رہے ہیں کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے اپنی حالت ایسی بنائی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے خوف فرما رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علوم (دینی) میں ماہر ہونے کے باوجود قلب و جوارح کا وظیفہ (یعنی خشیت و عمل) مفقود ہے اسی کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ایک قسم کا نفاق اور بعض سلف نے نفاق فی العمل سے تعبیر فرمایا ہے یعنی یہی نفاق فی العمل ہے اور اس کا ضرر متعدی ہے کیونکہ یہ شخص اپنے علوم کو (جو نکلے ہوئے ہیں ایک نفاق بھرے دل سے)۔ دوسروں پر بھی ظاہر کرے گا۔ لہذا ان سب پر بھی اسی قسم کا اثر ہوگا یہی معنی ہیں متعدی ہونے کے بخلاف قاری قرآن کے جس کا تذکرہ حضرت حذیفہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ اس کا ضرر لازم ہی ہے کیونکہ وہ شخص قرآن شریف زبان سے پڑھتا ہے اور اس کا اثر اسی کے دل پر نہیں ہوتا دوسروں کا اس میں کچھ نقصان نہیں ہے اور بے عمل عالم کو لوگ مخلص عالم سمجھتے ہوئے اس کے ہر قول و فعل کی تقلید شروع کر دیتے ہیں اور اس کی وجہ سے گمراہی میں پڑتے ہیں۔

میں اپنے دیرینہ اور مسلسل تجربہ کے بعد دیانۃً عرض کرتا ہوں (اور مجھ سے اس قول پر انشاء اللہ بازپرس نہ ہوگی) کہ اس وقت تقریباً سب ہی لوگ (کیا عوام اور کیا خواص) الا ماشاء اللہ مرض نفاق میں مبتلا ہیں لوگوں کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ زبان کے بہت اچھے اور دل کے بہت ہی برے قلوبھم قلوب الاعاجم والسنتھم السنۃ العرب والسنتھم احلی من السکر وقلوبھم امر من الذئاب ان روایات میں جن امور سے تحذیر تھی وہی واقع ہو رہے ہیں اسی کا شکوہ شیخ سعدیؒ اس طرح فرماتے ہیں۔ ہمو دت اہل صفا چہ در روئے چہ در قفا نچناں کز پست عیب گیرند و در پیشت میرند ؎

در برابر چو گوسفند سلیم　　در قفا ہم چو گرگ مردم خوار

میں کہا کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں لوگوں کی قدح تو دل سے ہوا کرتی ہے لیکن مدح صرف

زبان سے ہوتی ہے آج وعظ و تبلیغ کے موثر نہ ہونے کا یہی (یعنی فقط لسانی تبلیغ بدون شرکت قلب) سب سے بڑا مانع ہے۔ خود سوچئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو منافقین تھے اگر ان میں سے کوئی دوسروں سے کہتا کہ نفاق بہت بری چیز ہے اس کو چھوڑ دو تو اس کا یہ پیغام نفاق کو کتنے دلوں سے اکھاڑ پھینکتا۔ اسی طرح آج جب کہ ہم طرح طرح کی بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں میں مبتلا ہیں اور دوسروں سے انھیں کے ترک کا مطالبہ ہے اب اس کا جیسا بھی اثر ہوگا ظاہر ہے ؎

ہر کسے ناصح برائے دیگراں　　ناصح خود یافتم کم در جہاں

ایک دوسری وجہ تبلیغ کے غیر نافع ہونے کی اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ علماء نے خدا کیلئے وعظ کہنا چھوڑ دیا ہے۔ اب وعظ سے مقصود مختلف قسم کے دنیوی اغراض ہیں۔

حالانکہ درمختار میں لکھا ہے:۔

التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الانبیاء والمرسلین و لریاسة ومال وقبول عامة من ضلالة الیهود والنصاریٰ۔ (درمختار مع الشامی ص ۲۷۱ ج ۵)

ترجمہ:۔ پند و نصیحت کے لئے منبر پر وعظ کہنا تو انبیاء اور مرسلین کا طریقہ ہے لیکن جاہ و مال اور شہرت عامہ کے لئے ایسا کرنا منجملہ ضلالت یہود و نصاریٰ ہے۔

اس کا ماخذ یہ آیت ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اکثر احبار اور رہبان (یعنی یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ و عوام) لوگوں کے مال کو نامشروع طریقے سے کھاتے اڑاتے ہیں (یعنی احکام حقہ کو پوشیدہ رکھ کر موافق مرضی عوام فتویٰ دے کر ان سے نذرانے لیتے ہیں) اور اس کی وجہ سے وہ اللہ کی راہ (یعنی دین اسلام سے (لوگوں کو) باز رکھتے ہیں۔

اس موقع پر یہ کہنا نہایت ہی برمحل ہوگا کہ نفاق جس کی قباحت قرآن و حدیث میں ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے اپنی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں اہم و اعظم مقاصد قرآن میں سے اس نفاق کی بحث کو ایک اہم مقصد قرار دیا ہے۔

(کیوں کہ اہم مقصد قرآن مخاصمہ ان چار فرق باطلہ کا ہے (یہود و نصاریٰ، مشرکین منافقین) باوجود اس کے یہ چوتھی بحث اس زمانہ میں بالکل نظر انداز کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے مسلمان صرف عملی ہی نفاق میں نہیں بلکہ کثرت سے اعتقادی نفاق میں بھی مبتلا ہو گئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اس کے متعلق بھی الفوز الکبیر میں تحریر فرمایا ہے۔

ہیچ فرق نیست درمیان آنانکہ کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیواسطہ شنیدہ و نفاق ورزیدند و درمیان آنانکہ الحال پیدا شدہ اند بطریق یقین محکم حکم شارع معلوم کردہ اند بعد ازاں بر ایثار خلاف آں اقدام می نمایند۔

ترجمہ:۔ کوئی فرق نہیں ہے ان لوگوں میں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات (آپ کی حیات میں) بلا واسطہ سننے اور پھر نفاق اختیار کیا اور ان لوگوں میں جو آپ کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور یقین محکم کے ساتھ حکم شارع کو معلوم کر کے اس کے خلاف کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(الفوز الکبیر صفحہ ۹)

چوں کہ لوگوں کو (نفاق) کی شناعت ہی معلوم نہیں اس لئے اس سے احتراز کی فکر بھی نہیں ہوتی۔ لہذا ضرورت ہے کہ لوگ اس کی حقیقت اور قباحت سے واقف ہوں تاکہ اپنے ایمان و عمل ہر دو کو نفاق کی آمیزش سے پاک و صاف کر کے ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا ہوں۔

نفاق کی حقیقت اور اقسام دریافت کرنے کے لئے آیۃ من آیات اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت درج کی جاتی ہے:۔

ویسمی مقابل الایمان الاول بالکفر واما مقابل الایمان الثانی فان کان تفویتاً للتصدیق وانما یکون الانقیاد بغلبۃ السیف فھو النفاق الاصلی والمنافق بھذا المعنی لافرق بینہ وبین الکافر فی الآخرۃ بل اَلْمُنَافِقُوْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وان کان مصدقا مفوتا لوظیفۃ الجوارح سمی فاسقا او مفوتا لوظیفۃ الجنان فھو المنافق بنفاق آخر وقد سماہ بعض السلف نفاق العمل۔

ذلك ان يغلب عليه حجاب الطبع او الرسم او سوء المعرفة فيكون ممعنا في محبة الدنيا والعشائر والاولاد فيدب في قلبه استبعاد المجازاة والاجتراء على المعاصي من حيث لا يدري وان كان معترفا بالنظر البرهاني بما ينبغي الاعتراف به او رأى الشدائد في الاسلام فكرهه او احب الكفار باعيانهم فصد ذالك عن اعلاء كلمة الله۔

(حجة الله البالغه ص۱۶۳ ج ۱)

ترجمہ:۔ اور ایمان کے پہلے معنی یعنی جس کے اوپر دنیوی احکام کا مدار ہو اس) کا مقابل کفر ہے اور دوسرے معنی (جس کے اوپر اخروی احکام کا مدار ہو اس) کے مقابل (کی تفصیل یہ ہے کہ) اگر تصدیق قلبی نہ حاصل ہو اور انقیاد ظاہری محض تلوار کے خوف سے ہو تو یہ نفاق اصلی ہے اور اس قسم کا نفاق رکھنے والا منافق اور (کھلم کھلا) کافر دونوں آخرت (کے عذاب دائمی) میں برابر ہیں بلکہ منافقین تو جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوں گے۔ اور اگر تصدیق تو حاصل ہے لیکن جوارح کا وظیفہ (اعمال) فوت کرنے والا ہے ایسے شخص کو فاسق کہا جاتا ہے اور اگر تصدیق کے ساتھ قلب کا وظیفہ (مثلاً خشوع وغیرہ) فوت کرنے والا ہے تو یہ بھی ایک قسم کا نفاق ہے اور اسی کو بعض سلف نے نفاق عملی کہا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان پر طبیعت کا حجاب (عوارض طبیعۃ بشریہ) اور رسومات (رسم و رواج کی پابندی) اور حق تعالیٰ کی سوئے معرفت (شیطانی وساوس جو خلاف توحید و رسالت آویں اور نفس ان کو برا نہ سمجھے اور دفع نہ کرے اور نفس اس سے متصف ہو جائے) یہ چیزیں غالب آجاتی ہیں تو وہ شخص دنیا اور خاندان اور اولاد کی محبت میں اس طرح سے منہمک ہو جاتا ہے کہ آخرت کی جزا و سزا (کے عقیدے) کا استبعاد اور گناہوں پر جری ہونے کا خیال چیونٹی کی چال کی طرح (آہستہ آہستہ) اسکے قلب پر چلتا ہے اور اس کی اسے خبر تک نہیں ہوتی اگرچہ عقلی طور پر ان میں سے ضروری امور کا معترف بھی ہوتا ہے یا (کبھی یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ) اسلام کے احکام کو سخت جان کر اسے برا سمجھنے لگتا ہے یا (کبھی یہ ہوتا ہے کہ) کسی خاص کافر سے محبت اور تعلق پیدا کر لیتا ہے جو اس کو اعلاء کلمۃ اللہ سے روک دیتا ہے۔

نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفہیمات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

السادس الکف عن الملکات المتحجرۃ فی القلب مما یبعث الرجل علی غمط الحق و فساد فی الارض والکلمۃ الجامعۃ فی النفاق انہ فنی فی ملکۃ رذیلۃ اعنی بذالک ان تکون الملکۃ راسخۃ فی قلبہ قلما صدر عنہ قول او فعل الا وھی البطانۃ فیہ والباعثۃ علیہ فقد تکون ھذہ الملکۃ بخلا وقد تکون شغلا بلذائذ الاطعمۃ ونفائس الالبسۃ والمنکح الشھی والمسکن الوضی وغیرھا و وقد یکون حسدا وحقدا و بالجملۃ فلہ شعب کثیرۃ واشدھا ما اجتمع فیہ عدۃ من الرزائل فخلص منھا ھیئۃ وحدانیۃ فنی فیھا النفس وذکر فی الاحادیث والایات ما فیہ غنا للمتبصر کالافساد فی الارض وصلۃ ما امر اللہ بہ ان یقطع والشح المطاع والھوی المتبع واعجاب کل ذی رای برایہ واذا خاصم فجر واذا عاھد غدر واذا حدث کذب والذین یبخلون ویأمرون الناس بالبخل والذین یؤذون المومنین بالمناجاۃ فیما بینھم والبذاء والفحش وغیرھا واکثر وجوہ النفاق وجوداً الفۃ الطبع بالمحسوسات ولا یتفطن ان وراءھا امر لیس شاکلتہ کشاکلتھا من الالھیات فیزیغ من التشبیہ ویتخذ من دون اللہ اربابا من المعادیات فلا یجد لھا بالاوان اقربھا فی مجاری العادات کما قص اللہ تعالیٰ علینا فی الحدیث الرجلین حیث قال احدھما مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا فلیس معناہ الانکار الجازم ولکن رسوخ الالف واستبعاد ھذہ الاموروان اقربھا فی مجاری العادات و بالجملۃ فصلوٰتہ ودعاؤہ وصدقہ وذکرہ اما یقع کسائر العادات لا یجد لھا بالاو نشاطا واما الاتقاھا یعظم بھا الرجل فی اعین الناس و ھی اقبح من الاولی۔ (تفہیمات الٰہیہ ص۳۰۶)

ترجمہ: بحث ششم یہ ہے کہ روکنا ان ملکات سے جو قلب میں پتھر کی طرح چمٹ گئے ہیں جو باعث ہوتے ہیں آدمی کو حق کی تحقیر اور فساد فی الارض پر۔ اور نفاق کے مفہوم کی جامع تعریف یہ ہے کہ انسان ملکۂ ذیلہ میں فنا ہو جائے۔ مطلب اس فنا ہو جانے کا یہ ہے کہ وہ ملکہ اس کے قلب میں اس طرح راسخ ہو جائے کہ اس سے کسی قول یا فعل کا صدور نہ ہوتا ہو مگر یہ کہ یہی ملکہ اس کا سبب اصلی اور باطنی اور باعث ہو اور وہ قول و فعل اس کی فرع ہو۔) پس کبھی تو وہ ملکہ بخل ہوتا ہے اور کبھی لذیذ کھانوں کی خواہش میں انہماک اور کبھی عمدہ عمدہ لباس اور دل پسند عورتیں اور پسندیدہ قیام گاہ وغیرہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور کبھی حسد و حقد بن کر سامنے آتا ہے حاصل کلام یہ کہ اس (نفاق) کی صورت یہ ہے کہ کسی انسان میں متعدد رذائل جمع ہوں اور ان کے مجموعہ سے ایک ہیئت وجدانی حاصل ہو جائے جس میں نفس فنا ہو جائے اور (نفاق کی شعب کثیرہ کی تفصیل کا بیان) حدیث و قرآن میں اس حد تک آچکا ہے ایک صاحب بصیرت کے لئے وہ بہت کافی ہے مثلاً زمین میں فساد مچانا جسے اللہ تعالیٰ نے قطع کرنے کو فرمایا ہے اسے جوڑنا بخل کی پیروی کرنا خواہشات نفسانی کا اتباع کرنا ہر رائے والے کا اپنی ہی رائے کو پسند کرنا اور مثلاً یہ کہ جب جھگڑا کرے فحش کلامی پر اتر آئے اور جب عہد کرے توڑ دے اور جب بات کرے جھوٹ بولے (قرآن شریف میں ہے کہ) اور وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم کرتے ہیں اور وہ لوگ جو مسلمانوں کو ایذا دیتے ہیں۔ یعنی آپس میں ان کے متعلق سرگوشی کرتے ہیں اور مثلاً گالی گلوچ کرنا اور فحش بکنا وغیرہ۔ اور نفاق کی قسموں میں سے کثیر الوقوع طبیعت کا محسوسات کے ساتھ مالوف ہونا ہے انکے ہوتے ہوئے نفس باور نہیں کرتا کہ ان محسوسات کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو سکتی ہے جو ان جیسی نہ ہو (مثلاً الٰہیات میں کی کوئی چیز لہٰذا ایسی طبیعت رکھنے والا انسان تشبیہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے (یعنی الٰہیات کو محسوسات کے ذریعہ سمجھنا چاہتا ہے) اور اللہ کے علاوہ دوسرے ارباب تجویز کر لیتا ہے یا مثلاً معاد کا کوئی مسئلہ کہ اس کے بھی (محسوس نہ کرنے کی وجہ سے ماننے میں کوئی رغبت نہیں پاتا اگرچہ رسم و رواج کے طور پر وہ اس کا اقرار کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میرا تو خیال نہیں ہے کہ باغ کبھی بھی برباد ہو اور میں قیامت کو نہیں خیال کرتا کہ آویگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا گیا تو ضرور

اس باغ سے بہت زیادہ اچھی جگہ لے گی۔ پس اس کے معنی یقینی انکار کے نہیں ہیں۔ لیکن ہاں محسوسات کا رسوخ اور ان امور کا مستبعد سمجھنا (انکار کا باعث بنا) اگرچہ اپنے رسم و رواج میں اس کا اقرار بھی کیا حاصل کلام یہ کہ ایسے شخص کی نماز اور دعا صدقہ اور ذکر وغیرہ یا تو واقع ہوتا ہے مثل دیگر امور عادیہ کے کہ وہ ان میں کوئی رغبت اور نشاط نہیں پاتا اور یا ان سے ان امور کا وقوع اس لئے ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان لوگوں کی نگاہوں میں بُرا سمجھا جاتا ہے اور یہ شق پہلی سے زیادہ قبیح ہے۔

اور روح المعانی میں ہے کہ:۔

آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان ویستفاد عن الصحاح آیۃ اخری لہ اذا خاصم فجر وا مستشکل ذلک بان ھذہ الخصال قد توجد فی المسلم الذی لا شک فیہ ولا شبھۃ تعتریہ بل کثیر من علمائنا الیوم المتصفون باکثرھا او بھا کلھا واجیب بان المعنی ان ھذہ الخصال نفاق وصاحبھا یشبہ المنافقین فی التخلق بھا والمراد بقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی ما فی بعض الروایات الصحیحۃ اربع من کن فیہ کان منافقا خالصاً انہ کان شدید التشبہ بالمنافقین لا انہ کان منافقا حقیقۃ۔

(روح المعانی ص۱۲۹ ج ۱)

ترجمہ:۔ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کہے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور صحاح میں اس کی ایک اور نشانی کا ذکر ہے وہ یہ کہ جب جھگڑا کرے تو فحش کلامی پر اتر آئے لیکن ان امور کے علامات (منافق ہونے پر) ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ ان علامات والے تو کافر تھے اور اب یہ عادتیں تو ایک ایسے مسلمان میں بھی پائی جاتی ہیں جس کے اسلام میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا اور (عام مسلمان تو درکنار) ہمارے زمانہ کے اکثر علماء ان میں سے اکثر کے ساتھ بلکہ سبھی کے ساتھ متصف ہیں اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ ساری عادتیں (چونکہ) نفاق کے عادات میں سے ہیں لہذا جسکے اندر

یہ بھی پائی جائیں گی۔ وہ ان کے ساتھ متصف ہونے میں منافقین کے مشابہ ہوگا (کہ جس طرح یہ منافق میں ہوا کرتی ہیں اس میں بھی ہیں) اسی طرح وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ چار چیزیں ہیں جس کسی میں وہ (سب) ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔ اس سے بھی مراد یہ ہے کہ ایسا شخص شدید الشبہ بالمنافقین ہے (یعنی منافقین سے بہت زیادہ مشابہ ہے) نہ کہ حقیقی منافق (یعنی کافر)

روح المعانی میں منافقین کی خصال کا مسلمان میں پائے جانے کا شبہہ اور اس کا جواب دیکھ کر میرا ایک عرصہ کا تردد مرتفع ہوا وہ یہ تھا کہ اکثر مسلمانوں میں (کیا عوام کیا خواص) دیکھتا تھا کہ یہی باتیں جن کو علامات نفاق کہا جا رہا ہے پائی جا رہی ہیں علامات و شرط کا پورے طریقے پر پایا جانا مشروط کے تحقق کا متقاضی ہوتا تھا لیکن نفس ایمان کا ان میں موجود ہونا اس حکم سے مانع ہوتا تھا خیال کرتا تھا کہ یا اللہ ایسے لوگوں کو کن میں شمار کیا جائے اور ان پر کیا حکم لگایا جائے اگر ان کو منافق کہا جائے تو کیوں کر کہا جائے جب کہ ایمان ان میں موجود ہے اور اگر مخلصین میں شمار کیا جائے تو کیسے جب کہ غیر مخلصین کے اوصاف سے متصف ہیں یہ ایک بڑا خلجان تھا جو درپیش تھا۔ جب کہ روح المعانی کی عبارت نظر سے گزری بڑی مسرت ہوئی۔ کہ مدت کی ایک گتھی سلجھ گئی ایسے لوگوں کا حکم معلوم ہو گیا یعنی یہ کہ وہ مسلمان ہونے کے باوجود شبیہہ المنافقین بلکہ شدید الشبہہ بالمنافقین ہیں اس سے اصلاح میں بہت مدد ملی کہ پہلے طبیعت جھجکتی تھی حکم معلوم کرنے کے سبب اب یہ خلجان جاتا رہا اطمینان ہو گیا۔ اور نفع بھی اس سے زیادہ دیکھ رہا ہوں۔

الغرض یہ بحث نہایت مشکل ہے اور علماء نے اس کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے مگر افسوس کہ ہماری غفلت نے ان مباحث سے آنکھ بند کر لی ہے میں سمجھتا ہوں کہ نفاق کی شاید ہی کوئی خصلت ہو جو ہم میں نہ ہو۔ یہ ہم نے مانا کہ ہم منافق اعتقادی نہیں مگر منافقین کے خصال ہم میں موجود ہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی ان خصال پر لازمی ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیضاوی شریف میں نقل کیا ہے کہ آیت پہلی جو منافق کے بارے میں (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ آمَنَّا الآیۃ) اس کا شان نزول ابھی نہیں آیا بعد میں آئے گا اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت کے بارے میں یہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کثرت سے بعد میں لوگ اس کے مصداق ہوں گے کہ گویا اس کا مصداق آیا ہی نہیں حدیث میں ہے۔ ما امنہ الا منافق وما خافہ الا مؤمن اب نفاق کے لفظ کے گھبراتے ہیں حالاں کہ ظاہر و باطن رگ و پے میں یہ سرایت کئے ہوئے ہے اب جب مرض کو صحت سمجھے تو اصلاح کی کیا امید رہی۔

حضرات علماء کا کام یہ ہے کہ جو برا حال لوگوں پر غالب ہو اس کو سمجھ کر اس کی اہمیت پیدا کریں اور اس سے تحذیر کریں۔ اور اس پر سخت انکار کریں اور اس میں ملامت خلق کی پرواہ نہ کریں۔ امید ہے کہ چند روز میں بہت اہمیت اور برائی ان کی مستحضر ہو جائے گی جب برائی پیش نظر ہو جاتی ہے تو ترک آسان ہو جاتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ علماء اس کی اہمیت دل سے پیدا کریں اور اس سے ڈریں اور لوگوں کو ڈرائیں۔ اس کا تعلق مخلوق کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور خالق کے ساتھ بھی جب اس کی اصلاح ہوگی دونوں ٹھیک ہو جائیں گے۔

امید ہے کہ میری سمع خراشی معاف کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ آمین۔ ثم آمین

دُعاء

اللھم طھر قلبی من النفاق وعملی من الریاء ولسانی من الکذب وعینی من الخیانتہ فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ

تحذیر العلماء عن خصال السفھاء

حامداً ومصلیاً ومسلماً "رسالہ تحذیر العلماء عن خصال السفہاء" جس کی تمہید میں مسلمانوں کی پستی کا سبب ان کی اخلاقی کمزوری بالخصوص نفاق عمل میں اُن کا عام ابتلا بتلایا گیا ہے کہ کم از کم علماء اگر اس طرف توجہ کریں کہ اپنی اخلاقی اصلاح کر کے متدین اور مخلص بن جائیں تو عام مسلمانوں کی اصلاح بسہولت ہو سکتی ہے۔

نفاق جس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاق اعتقادی جس کا درجہ کفر سے بھی بدتر ہے اور ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

دوسری قسم نفاق عملی۔ یہ نفاق ایمان کے ساتھ جمع تو ہو سکتا ہے لیکن خلاف اخلاص ہونے کی وجہ سے یہ بھی نہایت مہلک اور خطرناک ہے (نفاق کی اس قسم میں نہایت غلط فہمی ہو رہی ہے) کہ نہ تنہا عوام بلکہ خواص بھی نفاق (منہی عنہ) کو صرف پہلی قسم میں منحصر سمجھتے ہیں اور دوسری قسم کے (خطرناک اور مہلک ہونے) سے عموماً بے خبر ہیں اس لئے اس میں ابتلا کے باوجود اپنے کو مخلص (و بے خطر) سمجھتے ہیں (اور) جب کہ مرض کا احساس ہی نہیں بلکہ اس کو صحت سمجھ بیٹھے ہیں تو اس کے علاج کی بھی فکر نہیں اس لئے یہ مرض باوجودیکہ قابل علاج تھا لیکن اس عدم احساس نے اس کو لاعلاج بنا دیا ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ایک حکیم اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتا ہے ؎

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا　　مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا　　کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں　　کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

اس لئے یہاں چند احادیث اور اقوال سلف سے نفاق کی دوسری قسم کے وجود اور اس کے مہلک ہونے کو ثابت کیا جاتا ہے جس کے بعد ہر ذی حس محسوس کرے گا کہ نفاق کی ایک قسم نفاق عملی بھی ہے اور یہ کہ فی زمانہ اس میں عوام بلکہ خواص عام طور پر مبتلا ہیں اور اس کے نفاق عملی کا انجام بد بتلا کر اس سے احتراز کی تدبیر بھی بتلائی جائے گی۔ امید ہے کہ اس کے مطالعے سے نفاق کی حیثیت منکشف ہو جائے گی اور اس کی قباحت اور شناعت ذہن نشین ہو کر بیخ و بن سے استیصال ہو جائے گا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو مفید و نافع فرمائیں آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نفاق کا مفہوم اور مصادیق

نفاق:۔ جس کا دوسرا نام پالیسی ہے۔ اور جس کو میں سکۂ رائج الوقت کہا کرتا ہوں ایک قلبی مرض ہے اور اخلاص کی بالکل ضد اور مقابل ہے اس کی دو قسمیں ہیں کبھی تو یہ اعتقاد میں پایا جاتا ہے اور کبھی اس کی دست اندازی صرف عمل تک محدود ہوتی ہے عقائد اس سے محفوظ ہوتے ہیں یہ قسم نفاق کی ایمان کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے اور کمی بیشی کے اعتبار سے اس کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔

ا۔ نفاق کی دو قسموں کا ثبوت حدیث سے

امام احمد بن حنبلؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضا قلب ایسا ہوتا ہے

جس میں ایمان کے ساتھ نفاق بھی موجود ہوتا ہے۔ وہو ہذا

عن ابی سعیدؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القلوب اربعۃٌ قلب اجرد فیہ مثل السراج یزہر وقلب اغلف مربوط علی غلافہ وقلب منکوس وقلب مصفح فاما قلب اجرد فقلب المومن سراجہ فیہ نورہ۔ واما قلب الاغلف فقلب الکافر واما المنکوس فقلب المنافق عرف ثم انکر واما قلب المصفح قلب فیہ ایمان ونفاق فمثل الایمان فیہ کمثل البقلۃ یمدھا الماء الطیب ومثل النفاق فیہ کمثل القرحۃ یمدھا القیح والدم فای المدتین غلبت علی الاخری غلبت علیہ۔ (مسند احمدؒ ۔ ۳ ص ۱۷)

ترجمہ:۔ حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے کہ (انسان کے) قلوب چار قسم کے ہوتے ہیں ایک قلب تو اجرد ہوتا ہے (یعنی بالکل چٹیل) غل اور غش سے پاک اور صاف لیکن اس میں چراغ جیسی کوئی شے بھی (نہایت ہی) روشن اور چمکدار موجود ہوتی ہے اور ایک قلب اغلف ہوتا ہے (یعنی) غلاف سے ڈھکا ہوا۔ اور ایک قلب ہوتا ہے مصفح (آگے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تفصیل فرماتے ہیں) بہر حال قلب اجرد تو یہ مومن کا قلب ہے اور اس کا چراغ تو اس کا نور ایمان ہے۔ اور قلب اغلف یہ کافر کا قلب ہے اور قلب منکوس یہ منافق کا قلب ہے کہ حق کو پہچانا اور پھر اس کے بعد منکر ہو گیا اور قلب مصفح پس یہ ایسا قلب ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی ایمان کی مثال اس میں سبزہ کی سی ہے کہ عمدہ پانی جسے بڑھاتا ہے۔ اور نفاق کی مثال (جو) قلب میں (ہے) مانند پھوڑے کے ہے کہ جس میں پیپ اور خون کے ذریعہ سے ترقی ہوتی ہے اور ان ہر دو چیزوں میں سے جو ترقی کر کے غالب آجائے۔ اسی (کے اثر) کا غلبہ ہوگا اور انسان پر وہی وصف غالب ہوگا۔

دیکھئے اس حدیث میں تصریح ہے کہ ایک قلب ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس میں ایمان کے ساتھ نفاق بھی جمع ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان ہر دو میں باہم کشاکش جاری رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ایک وقت میں اچھی خاصی باتیں کرتا ہوتا ہے اعمال بھی ایمان کے تقاضے کے مطابق اس سے واقع ہوتے ہیں لیکن وہی انسان ہے کہ دوسرے وقت بالکل اس کے خلاف عمل کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے یہ کیا چیز ہے یہ انھیں دونوں وصفوں کی جنگ ہے کہ جو بھی ان میں سے غالب آتی ہے انسان پر بھی اس کا رنگ غالب ہو جاتا ہے آج مسلمانوں کے زیادہ تر

افراد کے قلوب اسی چوتھی قسم کے مصداق ہیں اور افسوس اس کا ہے کہ اس قسم کی باتوں کا کوئی بتانے والا بھی نہیں ہے۔

۲۔ نفاق کی دو قسموں کا ثبوت علامہ کرمانی کے بیان سے۔

یہی حاصل ہے علامہ ابن حجرؒ کی اس عبارت کا جسے انھوں نے فتح الباری شرح بخاری میں علامہ کرمانیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔

والنفاق لغۃ مخالفۃ الباطن للظاهر فان كان فی اعتقاد الایمان فهو نفاق الكفر والا فهو نفاق العمل ويدخل فيه الفعل والترك وتتفاوت مراتبه۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۶۷)

لغت میں نفاق کہتے ہیں باطن کا ظاہر کے خلاف ہونا۔ پس اگر تخالف اعتقاد ایمان میں ہے تب تو یہ نفاق کفر کے (مرادف ہے) ورنہ اس کا نام نفاق عمل ہے اس میں مامورات اور منہیات سب داخل ہیں اور اس کے مراتب (انسان میں اوصاف نفاق کے ایک یا متعدد موجود ہونیکی وجہ سے) مختلف ہوتے ہیں۔

۳۔ نفاق کی تقسیم کا اثبات خطابی کے قول سے۔

قال الخطابی النفاق ضربان احدهما ان يظهر صاحبه الدين وهو مبطن الكفر وعليه كان في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم والآخر ترك المحافظة على امور الدين سراً ومراعاتها علناً وهذه ايضاً يسمى نفاقاً كما جاء سباب المؤمن فسوق وقتاله كفرٌ وانما كفر دون كفر وفسق دون فسق ونفاق دون نفاق۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۱۳۴)

ترجمہ:۔ خطابی فرماتے ہیں کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ صاحب نفاق اظہار دین کا کرے اور درپردہ کفر میں مبتلا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے ہی منافق تھے اور دوسری قسم یہ کہ درپردہ تو امور دین کی محافظت نہ کرے اور ظاہراً امور دین کی رعایت رکھے یہ بھی نفاق کہلاتا ہے

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ مومن کے ساتھ بدزبانی کرنا کفر ہے اور ایک کفر ایک کفر سے کم۔ ایک فسق ایک فسق سے کم اور ایک نفاق ایک نفاق سے کم ہوتا ہے۔

۴۔ نفاق کی دوسری قسم کا عقلی ثبوت احیاء العلوم سے

کیا منافقین کا وجود اس زمانہ میں بھی ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ منافقین جن کی مذمت قرآن کریم میں بکثرت آئی ہے یہ ایک ایسی جماعت تھی جو زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی نہ تو اس سے پہلے کبھی کوئی منافق ہوا اور نہ بعد میں یہ سلسلہ باقی رہا یہ خیال جتنا غلط ہے اس سے زیادہ تعجب خیز ہے حق تعالیٰ جل شانہ نے کتاب اللہ کو شروع ہی فرمایا ہے انسانوں کی تقسیم کے ساتھ کہ ایک قسم متقین کی بیان فرمائی ہے دوسری کافرین کی تیسری منافقین کی۔ عقل نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ قرآن کریم چونکہ قیامت تک کے لئے قانون الٰہی بن کر آیا ہے لہٰذا ہمیں جان لینا چاہئے کہ ہر زمانہ میں انسانوں کی تین قسمیں ہوں گی۔ کیوں کہ کسی چیز کے بارے میں دو ہی قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں ایک تو اس کے ماننے والے اور ایک نہ ماننے والے پھر ماننے والوں کی دو قسمیں ہوں گی یا تو دل و زبان ہر دو سے مانیں گے یا محض زبان سے ماننا ظاہر کریں گے دل میں انکار ہوگا نہ ماننے والے کو کافر دل و زبان سے ماننے والے کو مومن اور صرف ظاہری ماننے والے کو منافق کہا جائے گا۔ اب ہم اسی سوال کے جواب کے سلسلہ میں امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ سنئے:-

قال صلی اللہ علیہ وسلم اکثر منافقی ھذہ الامۃ قراءھا۔

قال حذیفہ المنافقون الیوم اکثر منھم علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانوا اذ ذاک یخفونہ وھم الیوم یظھرونہ وھذا النفاق یضاد صدق الایمان وکمالہ وھو خفی فقد قیل للحسن البصری یقولون ان لا نفاق الیوم فقال یا اخی لو ھلک المنافقون لاستوحشتم فی الطریق وقال ھو وغیرہ لو نبتت للمنافقین اذناب ماقدرنا ان نطاء علی الارض باقدامنا۔

(ملخصاً من احیاء العلوم ص۱۳۴ ج ۱)

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس میری امت کے منافقین میں کے بیشتر لوگ (وہ ہوں گے) جو اس کے (علماء اور) قراء ہوں گے (اعاذنا اللہ منہ)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آج کل منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے کہیں زیادہ موجود ہیں (فرق یہ ہے) کہ وہ لوگ نفاق کو چھپاتے رہتے تھے (کیونکہ اس کے ظہور میں ذلت اور رسوائی تھی) اور یہ آج کل کے لوگ (اپنی ڈھٹائی کی وجہ سے) اسے ظاہر کرتے ہیں اور یہ نفاق صداقت ایمانی اور اس کے کمال کے خلاف ہے اور ایک مخفی شئے ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے کہا گیا ہے کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ اب آج کل نفاق کا وجود ہی نہیں ہے۔ فرمایا کہ اے میرے بھائی (کون کہتا ہے) اگر منافقین (سب کے سب) ہلاک ہو جائیں تو تم آبادی میں راستہ چلنے ڈرو، اور وحشت کھاؤ (کیونکہ آبادی کی رونق ہی ختم ہو جائے گی) ہر طرف خالی خالی مکانات ہی نظر پڑیں گے جنھیں دیکھ کر ظاہر ہے کہ وحشت ہوگی انھیں (حسن بصریؒ) کا مقولہ ہے یا کسی اور کا ہے کہ اگر (بالفرض) منافقین کے دم نکل آوے تو ہمارا روئے زمین پر قدم رکھنا دشوار ہو جائے (کیونکہ) یہ لوگ اس قدر کثرت سے موجود ہیں کہ کچھ جگہ تو خود گھیریں گے اور کچھ ان کی دم گھیرے گی تو زمین کا کوئی حصہ خالی نہ ملے گا۔

۵۔ نفاق عملی کے وجود کا ثبوت شاہ ولی اللہؒ کی عبارت سے

(صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک نفاق سے ڈرا کرتے تھے۔)

مجدد عصر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے الخیر الکثیر میں تحریر فرمایا ہے کہ نفاق کی ایک قسم یہ ہے کہ انسان اپنے قلب و زبان سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا ہو لیکن زبان و دل اور شرمگاہ وغیرہ سے معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے اس کو خطیئات نے ہر چہار طرف سے گھیر رکھا ہو پس جس شخص کی یہ کیفیت ہو چکی ہو کہ وہ اپنے گناہوں میں بالکل فنا ہو گیا ہو یعنی گناہ کا ارتکاب اس کی سرشت اور طبیعت ثانیہ بن چکی ہو وہ منافق ہے (اور یہ نفاق وہ ہے) جو ایمان کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے اور حضرات صحابہؓ اسی نفاق سے ڈرا کرتے تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

المنافق فی عرف الشرع یطلق علی معنیین الاول ھو المصدق بقلبہ ولسانہ

باللہ وبرسولہ وقد احاطت بہ خطیٔات من قبل اللسان والفرج والقلب وغیرھا
وکل من احاطت بہ خطیئۃ ای فنی فیھا نوع فناء فھو المنافق بالمعنی الاول و
ایاہ کانت الصحابۃ یخافون۔ (التخیر الکثیر ص۱۳۶)

ترجمہ: منافق کا شرعی اطلاق دو معنوں پر آتا ہے ایک یہ ہے کہ قلب و زبان سے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے اور زبان اور شرمگاہ اور قلب وغیرہ کی جانب سے (صادر ہونے والے) معاصی نے اس کا احاطہ کر رکھا ہو۔
پس جس شخص کے معاصی نے اس کا احاطہ کر لیا ہو یعنی جو شخص ان گناہوں میں ایک طرح پر بالکل فنا ہو گیا ہو وہ بھی ایک معنی کر منافق ہے اور اسی قسم کے نفاق سے صحابہ کرامؓ خوف فرماتے تھے۔

۶۔ نفاق کے وجود پر صحابہ کے خطرۂ نفاق سے استدلال

احیاء العلوم میں ہے کہ ابن ابی ملیکہؓ نے فرمایا کہ میں نے ایک سو تیس اور ایک روایت میں ہے کہ ایک سو پچاس اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے کہ سب کے سب نفاق سے بہت ڈرا کرتے تھے اور یہ بھی کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حذیفہ (صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضور کے رازداں) سے اپنے بارے میں دریافت فرماتے رہتے تھے کہ اے حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام منافقین میں تو نہیں شمار فرمایا ہے اس قسم کا نفاق رکھنے والا مسلمان صدیقین کے مراتب سے محروم اور ایک زمانہ تک جہنم کے عذاب سے مغموم ہوگا۔

۷۔ قباحت نفاق قرآن سے

اب میں علامہ شعرانیؒ کی ایک عبارت (کہ در اصل وہی محرک ہوئی اس ساری تحریر کی) نقل کرتا ہوں۔ وہ اپنی کتاب المیزان میں نہایت ہی عجیب اور بہ مؤثر طرز سے بیان فرماتے ہیں۔

وقد ذم اللہ سبحانہ وتعالیٰ منافقی الکفار بنفاقھم زیادۃ علی حصول ذمھم بصفۃ کفرھم فی نحو قولہ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ الخ
ومعلوم ان کل ما عابہ اللہ تعالیٰ علی الکفار فالمسلمون

اولی بالتنزہ عما یقرب بہ من شبہ صورتہ۔

(المیزان للشعرانی)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ان کافرین کی جو منافق بھی تھے (یعنی کفر اور نفاق دونوں صفات سے متصف تھے ان کی) مزید مذمت ان کے وصف نفاق کے ساتھ کی ہے باوجودیکہ اپنے صفتِ کفر کے ذکر ہونے کی وجہ سے ان کی مذمت حاصل ہو چکی تھی۔ مثلاً اپنے اس قول میں فرماتے ہیں کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لوگ دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں آپ کو وہ مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منھ سے تو (جھوٹ موٹ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین (یعنی ایمان) نہیں لائے۔ (دیکھئے اس آیت میں پہلے الذین یسارعون فی الکفر فرمایا اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ لوگ کفر سے متصف ہیں مگر صرف اتنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ الذین قالوا آمنا بافواھھم الخ کہہ کر ان کی مذمت میں اضافہ فرما دیا یعنی نہ صرف یہ کہ وہ لوگ کافر ہیں بلکہ وصف نفاق کے ساتھ بھی متصف ہیں۔

اور یہ تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ جس وصف کو اللہ تعالیٰ نے کافروں تک کے لئے باعث عیب قرار دیا ہو (یعنی جو قبیح میں کفر سے بھی بڑھ کر ہو) اسی لئے تو مزید مذمت کا ذریعہ بنا مسلمانوں کا اس وصف سے اجتناب کرنا تو ضروری ہے ہی ان کو تو اس) کے مشابہ بلکہ (اس کے کسی قریبی) وصف سے بھی دور رہنا چاہئے (اس لئے کہ جو صفت اس درجہ قبیح ہو کہ کسی بُرے کے لئے مزید قباحت کا باعث ہو سکے وہ کسی اچھے کے لئے جس درجہ قبیح ہو گی ظاہر ہے۔

یہی ایک بات آج اگر مسلمانوں کی سمجھ میں آجائے تو ان کی دینی غیرت اور فطری شرافت میں تحریک پیدا کر دینے اور ان کو نفاق سے نفرت دلا کر کے اس کا قلع قمع کر دینے کے لئے بہت کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفاق کافر کے لئے بھی عیب ہے تا بہ مسلمان چہ رسد۔

۸۔ نفاق کے مرض اور مذموم ہونے کا عقلی ثبوت۔

حاصل کلام یہ کہ جب ہم میں یہ مرض یقیناً موجود ہے تو اس کے ازالہ کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دین تو دین دنیا میں بھی اس وصف کی کھپت نہیں۔ اہل سلطنت اپنے مخالف اور معاند کے قیام کو گوارا کر لیتے ہیں اور ان سے چوکنے رہتے ہیں لیکن جو ظاہراً موافق ہو اور باطناً ان کا

مخالف اس کے وجود کو کسی طرح برداشت نہیں کیا جاتا۔ جب مخلوق اس صفت کو بری نظر سے دیکھتی ہے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ اس سے خوش ہوں گے اور اس کے رکھنے والوں کیساتھ رضا کا معاملہ فرمائیں گے اور کیا اس قسم کے افراد کی بہتات اور کثرت کے باوجود کوئی قوم کبھی فلاح پاسکتی ہے آج ہمارا حال تو یہ ہے کہ خدا اور رسول نے جن جن اوصاف کو ناپسند فرمایا تھا ایک ایک کرکے ہم ان سے متصف ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی وہی کچھ ملے جو سچے مسلمانوں کو ملنا چاہئے بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے ؎

این خیال ست و محال ست و جنوں

۹۔ اخلاص اور نفاق کی علامت۔

منافق کو اپنے نفاق سے خوف نہیں ہوتا۔ امام غزالیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نفاق سے بعید تر وہ شخص ہے جس کو اپنے متعلق نفاق کا ڈر لگا ہوا ہو اور اس سے قریب تر وہ شخص ہے جو اپنے تئیں یہ سمجھ رہا ہو کہ میں اس سے بری ہوں۔

وقال رجل لحذیفۃؓ اخاف اللہ ان اکون منافقا فقال لوکنت منافقا ماخفت النفاق ان المنافق قد امن من نفاق ما خافہ الا مؤمن وما امنہ الا منافق۔

ترجمہ:۔ حضرت حذیفہ سے کسی نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں اس بارے میں کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوں انھوں نے جواب دیا کہ اگر تم منافق ہوتے تو تمھیں نفاق کا ڈر نہ ہوتا اس لئے کہ منافق کو اپنے نفاق سے امن ہوتا ہے۔

نفاق سے مؤمن ہی خوف زدہ ہوتا ہے۔ اور نفاق سے منافق ہی مامون ہوا کرتا ہے۔

۱۰۔ مرض نفاق کے تعدیہ کا ثبوت قرآن سے

صاحب روح المعانی نے آیت فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مرض کی جو تفسیر کی اس میں ہمارے سبق کے لئے کافی سامان موجود ہے۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:۔

المرض علی ماذھب الیہ اھل اللغۃ حالۃ خارجۃ عن الطبع ضارۃ بالفعل ویطلق علی اثرہ وھو الالم وعلی الظلمۃ وعلی ضعف القلوب وفتورہ کما قال غیر واحد ویطلق مجازاً علی مایعرض المرء مما یخل بکمال نفسہ کالبغضاء والغفلۃ وسوء العقیدۃ والحسد وغیر ذالک من موانع الکمالات المشابھۃ لاختلال البدن من الملاذ المودیۃ الی الھلاک الروحانی الذی ھو اعظم من الھلاک الجسمانی والمنقول عن ابن مسعود وابن عباس ومجاھد وقتادۃ وسائر السلف الصالح حمل المرض فی الآیۃ علی المعنی المجازی ولا شک ان القلوب المنافقین کانت ملاٰی من تلک الخبائث التی منعتھم مامتعتھم واصلتھم الی الدرک الاسفل من النار (روح المعانی ج ص ۱۳۸)

ترجمہ:۔ مرض اہل لغت کے نزدیک وہ حالت ہے جو انسان کی طبیعت سے تو خارج ہو مگر سرِ دست اس کو تکلیف اور اس کو نقصان پہنچا رہی ہو۔ مرض کے ایک معنیٰ ہیں اثر یعنی تکلیف کے اور ایک معنی آتے ہیں تاریکی کے اور ایک معنی ہیں قلب کے کمزوری اور سستی کے یہی معنی بہت سے لوگوں نے بیان کئے ہیں اور مجازی طور پر مرض ایسی حالت کو بھی کہتے ہیں جو انسان پر عارض ہو۔ اور اس کے روحانی کمالات و ترقی میں خلل انداز ہو جیسے غفلت بدعقیدگی اور حسد وغیرہ (وہ تمام اوصاف) جو مانع کمالات ہیں اور مشابہ ہیں امراض جسمانیہ کے اور مانع ہیں لذات روحانیہ سے اور ایسی ہلاکت روحانی کی طرف پہنچانے والے ہیں جو ہلاکت جسمانی سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ اور تمام صالحین سے منقول ہے کہ یہاں آیت میں یہی معنی مجازی مراد ہیں۔ اور بلاشبہ ان منافقین کے قلوب ان خبیث امراض (روحانیہ) سے بھرے ہوئے تھے جنھوں نے آخر کار ان لوگوں کو روک ہی دیا۔ اس (نعمتِ اسلام) سے جن سے کہ روکنا چاہا تھا اور جو جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں انھیں پہنچا کر رہا۔

۱۱۔ انجام نفاق۔

امام غزالی رحمۃ اللہ نے نفاق کی دونوں قسموں کا انجام اور ان سے متصف ہونے

والوں کا حشر ملوب بیان فرمایا ہے۔

النفاق نفاقان احدھما یخرج من الدین ویلحق بالکافرین ویسلك فی زمرۃ المخلدین فی النار والثانی یفضی بصاحبه الی النار مدۃ او ینقص درجات العلیین ویحط من رتبته الصدیقین۔

(احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۳۷)

ترجمہ:۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک تو بالکل دین وایمان سے انسان کو خارج کر کے کافروں کے ساتھ ان کو ملحق کر دیتا ہے اور ان لوگوں کے زمرہ میں داخل کر دیتا ہے کہ جن کا انجام ابد آلاباد جہنم ہے اور دوسری قسم اپنے سے متصف ہونے والے کو ایک مدت کے لئے جہنم رسید کر دیتی ہے۔ اور علیین کے درجہ سے اس کو کم اور صدیقین کے مرتبہ سے محروم بنا دیتی ہے۔

۱۲۔ عبرت باحوال منافقین۔

دیکھا آپ نے مفسرین نے غذا میں کن امور کو منافقین کا مرض قرار دیا ہے یہی بے توجہی بغض وعداوت کینہ حسد اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذ اللہ سوء عقیدت وہ چیزیں تھیں جو ملکہ بن کر ان کے قلوب میں اچھی طرح راسخ ہو چکی تھیں۔ انھیں صفات نے انھیں شک اور ریب میں مبتلا کر رکھا تھا جس میں یوماً فیوماً وہ بڑھتے ہی رہے یہی سب صفات تھیں جس کے مجموعہ کا نام نفاق تھا قرآن کریم میں ان آیات کے ذکر فرمانے سے صرف یہی غرض نہیں ہے کہ اگلے زمانے کے لوگوں کے حالات واوصاف بیان کر دئے جائیں اور بس بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ اپنے حالات کو اس کی آیات پر منطبق کریں اور اسی سے اپنے بارے میں خود کوئی فیصلہ کر لیا کریں۔ یہ امر مسلم ہے کہ اس زمانے کے منافقین میں یہ اوصاف عقیدت کے درجہ میں تھے لیکن کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ آج ہم میں اکثر وبیشتر افراد ایسے موجود نہیں کہ جو اعتقادی نہ سہی عملی طور پر غفلت، بغض، حسد اور سوء عقیدت وغیرہ جملہ اوصاف سے متصف ہیں اگر یہ صحیح ہے تو بتائیے کہ ہم سے حق تعالیٰ کی ناراضگی کیوں نہ ہو اور ہم اُن سے متصف ہوتے ہوئے لطف وکرم کے مورد کیسے ہو سکتے ہیں۔ راز اس میں یہ ہے کہ یہ سب اخلاق

کفار کے ہیں اور مومن کفار کے اخلاق اختیار کر کے ایمانی کمالات سے متصف نہیں ہوسکتا بلکہ محروم رہے گا ہاں اگر ہم بداخلاقیوں کی اصلاح کرلیں اور صفت اخلاص کے ساتھ متصف ہو جائیں پھر کامیابی اور عزت ہمارے قدم چومے گی۔

۱۳۔ نفاق کا علاج۔

نفاق کی حقیقت آپ کو معلوم ہو چکی ہے یہ بھی آپ نے جان لیا کہ منافق کے متعلق اسلام میں کتنی زجر و توبیخ موجود ہے ایک جانب اس کو سامنے رکھئے اور ایک طرف اپنے افعال و اعمال پیش نظر رکھئے اور ان پر ان کا انطباق کیجئے۔ اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ہم میں یہ مرض موجود ہے یا نہیں اور ہمیں اپنے کو اس سے پاک کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ہر دو سوال کا جواب ایجاب میں ہو تو وہ طریقہ معلوم کرنا چاہئے جس کے ذریعہ یہ مہلک مرض قلب سے دور ہو جائے جس کے دور ہونے ہی پر اس کی جگہ اخلاص آئے گا۔ نیتوں کی اصلاح ہوگی اور حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات ہمارے اور دوسرے دینی اور دنیوی کام بھی درست ہو جائیں گے۔ اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فلاح دارین نصیب ہوگی یہی میرے نزدیک کام کا طریقہ ہے ورنہ اگر یہ اندر اندر یہ ناسور بڑھتا رہا اور ہم محض ظاہری مرہم پٹی کے در پے رہے اور صرف ظاہر ہی کی اصلاح پر قانع اور مطمئن رہے تو یہ نہ مفید ہے نہ عقل کے مطابق ہے۔

۱۴۔ اخلاص کے حصول کا طریقہ۔

رہا خلوص کے حصول کا طریقہ تو وہ یہ ہے کہ اہل اخلاص سے اس کو حاصل کیا جائے ان سے تعلق قائم کیا جائے اور ان کے اقوال و احوال کو برابر پیش نظر رکھا جائے ان کی صحبت میں کچھ دنوں رہا جائے ناممکن ہے کہ عزم کے بعد اس کا کوئی حصہ نصیب نہ ہو اہل اللہ کی صحبت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے اس کی تاثیر کو کس قدر دلکش انداز میں شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دل آویز تو مستم

بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ:۔ مجھے ایک دفعہ حمام میں خوشبودار مٹی (کا ایک ڈھیلا) اپنے ایک محبوب کے ہاتھ سے ملا میں نے اس سے پوچھا کہ اے مٹی تو مشک ہے یا عنبر ہے کیوں کہ میں تیری دل آویز خوشبو کی وجہ سے مست ہوگیا ہوں اس نے جواب دیا کہ میں ایک ذلیل مٹی ہوں ہاں البتہ کچھ دنوں پھول کی صحبت میں رہی ہوں اس ہمنشیں کے جمال کا اثر ہے (جو خوشبو مجھ سے آرہی ہے) ورنہ میری حقیقت تو وہی مٹی ہے۔ جو کہ میں ہوں۔

۱۵۔ دُعاء

اب اس دعاء پر تتمہ کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو مقبول و نافع بنائے۔ آمین

اللھم طھر قلبی من النفاق وعلمی من الریاء ولسانی من الکذب وعینی من الخیانتہ فانک لتعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۝

۲۶ ذی الحجہ ۷۰ھ فتح پور تال نرجا ضلع اعظم گڈھ
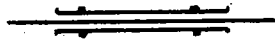
اضافہ **(میرے یہاں کا سب سے بڑا وظیفہ)** از ناقل

فرمایا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں تو بہت سے عالم اور پیر ایسے ہیں جو عوام الناس سے صلح کئے ہوئے ہیں یعنی ہم تو اُن سے جو چاہتے ہیں کرا لیتے ہیں ہم کو ان کے مرید ہیں لیکن رائے وغیرہ میں وہی ہمارے تابع ہیں مگر یہ ایسے کیوں ہیں کہ ان کے یہاں ہماری بات بھی چلتی نہیں اور ہم ہی سے اتباع کا مطالبہ کیا جاتا ہے ہم مرید بھی ہیں اور اتباع بھی کریں ہدیہ بھی ہمیں دیں اور رائے بھی ہماری معتبر نہ ہو۔ اب تو آپ لوگوں کی بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا میرا جرم بھی اور آنے جانے والوں کی مجھ سے ناراضی کا سبب بھی۔

اور اس میں شک نہیں کہ عوام کی اس قسم کی جسارت میں خود ہمارا قصور ہے کیونکہ ہم لوگوں نے عوام کو کچھ کہنا سننا بالکل ہی ترک کر دیا ہے اسی سے تو قوم کا مزاج بگڑا جب دس کو وہ ایک رنگ میں دیکھتے ہیں اور ایک کو اس سے مختلف اور اپنے نفس کے بھی خلاف۔ تو ظاہر ہے کہ اس ایک کی بات وہ کیوں مانیں گے اور اس کو اجماع کے خلاف عمل کرنے پر کیوں نہ نشانۂ ملامت بنائیں گے۔

آج اگر سب کے سب علماء اور مشائخ اصلاح کا کام کرتے لوگوں سے اخلاص کا مطالبہ کرتے اور ان کی منافقانہ حرکات پر روک ٹوک کرتے اور انھیں کی بداخلاقیوں کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیتے جس میں وہ اپنی حقیقت دیکھ لیتے تو مجال تھی کہ کوئی جاہل کسی عالم کے بارے میں لب کشائی کی جرأت کرتا مگر جب ہم نے اپنے کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ لوگوں کو ہم پر اعتماد ہو اور ان کے دل میں ہماری عظمت قائم ہو۔ بلکہ ان کے محتاج ہی بنے رہے تو بھلا وہ کیوں ہماری اتباع کرنے لگے اسی مضمون کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے تھے کہ یہاں بزرگی و بزرگی تو تقسیم نہیں ہوتی بلکہ انسان بنایا جاتا ہے لہذا جس کو انسان بننا ہو وہ تو یہاں آوے اور جس کو بزرگ بننا ہے تو وہ کہیں اور جاوے۔

علیٰ ہذا میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میرے یہاں کا سب سے بڑا وظیفہ اخلاص ہے اسے پیدا کیجیے یہ حاصل ہو جائے تو سمجھئے کہ سب کچھ حاصل ہو گیا اور اگر یہی نہیں ہوا تو سب کچھ حاصل ہونے پر بھی کچھ حاصل نہیں۔

(وصیۃ الاحسان صفحہ ۴۷)

لیس من امتی من لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا ویعرف لعالمنا

جو ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے علماء کا حق نہ پہچانے وہ میری اُمت میں سے نہیں ہے

رسالہ نافعہ مسمّٰی بہ

توقیر العلماء

از افادات

مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ایک دن شرح فقہ اکبر مصنفہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اس کی فصل العلم والعلماء بھی نظر سے گزری۔ اس کے مسائل پڑھ کر بڑی عبرت ہوئی اور معاً یہ خیال ہوا کہ ایسے حالات تو ہر زمانہ میں پیش آتے ہیں بلکہ اس زمانہ میں زیادہ پیش آتے ہیں اور احکام نہ معلوم ہونے کی وجہ سے عوام سے اس باب میں بھی بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

اس لئے جی چاہا کہ اس کا ترجمہ اور کسی قدر توضیح کر دی جائے تاکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ان احکام سے واقفیت ہو اور پھر ان کے لئے عمل آسان ہو جائے۔

وما توفیقی الا باللہ

محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

وصی اللہ عفی عنہ

۲۳۔ بخشی بازار (روشن باغ) الہ آباد ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

علماء شرع کا احترام و تأدب اور ترک ایذاء واجب ہے

علماء ربانی اور مشائخ حقانی کا ادب اور احترام شرعاً واجب ہے۔ نیز ان کی ہر قسم کی ایذاء سے جن کی شرعاً اجازت نہیں ہے بچنا ضروری ہے۔ جیسے عناد یا حسد کی وجہ سے ان کا انکار کرنا وغیرہ چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ:۔

لعم من اتصف بصفات الاولیاء ظاهراً یجب تعظیمه واحترامه والتأدب معه والکف عن ایذائه بشیء من انواع الایذاء التی لا مسوغ لها شرعاً کالانکار علیه عناداً او حسداً۔ (روح المعانی ص۱۳۲ ج ۱۱)

ترجمہ:۔ ہاں جو شخص بظاہر اولیاء کی صفات سے متصف ہو تو اس کی بھی تعظیم و احترام اور اس کا ادب کرنا واجب ہے اور ہر اس نوع کی ایذاء رسانی سے رکنا ضروری ہے جس کی شرعاً اجازت نہ ہو۔ مثلاً محض عناد یا حسد کی وجہ اس کا انکار کرنا وغیرہ۔

عالم سے بلا کسی سبب ظاہری کے بغض رکھنا بوجہ اس کے کہ یہ مرادف ہے شریعت سے بغض رکھنے کے کفر ہے

فقہ اکبر جو امام ابو حنیفہؒ کی تصنیف ہے اس کی شرح، شرح فقہ اکبر جو ملا علی قاریؒ کی نہایت معتبر کتاب ہے اس میں علم اور علماء کی تعظیم کی ایک فصل قائم کی ہے اس میں ہے کہ:۔ خلاصہ میں ہے کہ جو شخص کسی عالم دین سے بغیر کسی سبب ظاہری کے بغض اور عداوت رکھے تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ آگے حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ــــــ میں کہتا ہوں

کہ نہ صرف یہ کہ اندیشہ ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ کفر ہے۔

عالم دین سے بغض شریعت سے بغض ہے

اس لئے کہ جب بدون کسی ظاہری دینی یا دنیوی سبب کے کسی عالم سے بغض رکھا تو درحقیقت یہ اس کی ذات سے بغض نہیں ہے بلکہ شریعت سے بغض ہے (یعنی محض اس وجہ سے اس عالم سے عداوت ہے کہ وہ شریعت کی ترویج کرتا ہے اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے اور بری باتوں سے لوگوں کو روکتا ہے) اور جو شخص شریعت کا انکار کرے وہ کافر ہے چہ جائیکہ اس سے بغض رکھے خلاصہ کی عبارت یہ ہے:۔

مَنْ اَبْغَضَ عَالِماً من غیر سبب ظاهر خيف عليه الكفر۔ قلتُ الظاهر انه يكفر لانه اذا ابغض العالم من غير سبب دنيوى اواخروى فيكون بغضاً لعلم الشريعة۔ ولا شك في كفر من انكره فضلاً عمن ابغضه۔ (شرح فقہ اکبر ص۲۱۳)

ترجمہ:۔ جس شخص نے کسی عالم سے بغیر کسی سبب ظاہری کے بغض رکھا تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر ہی ہو جاوے گا اس لئے کہ جب اس نے بلا کسی دینی یا دنیوی سبب کے کسی عالم سے بغض رکھا تو اس کا یہ بغض دراصل علم شریعت سے بغض ہوگا اور جو شخص کہ شریعت کا انکار کرے وہ تک کافر ہے چہ جائیکہ جو شخص اس سے (معاذ اللہ) بغض رکھے۔

عالم کا استخفاف، انبیاء علیہم السلام کا استخفاف ہے!

فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ کسی عالم نے لب کے بال کتروائے اس پر کسی شخص نے کہہ دیا کہ دیکھو تو کیسا برا معلوم ہو رہا ہے یا یہ کہا کہ "لب کتروانا اور عمامہ کے کنارے کو ٹھوڑی کے نیچے سے باندھنا نہایت معیوب معلوم ہوتا ہے۔" تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا اس لئے کہ یہ ایک عالم دین کا استخفاف ہے اور یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ عالم کا استخفاف مستلزم ہے استخفاف انبیاء علیہم السلام کو کیونکہ علماء، انبیاء کے وارث ہوتے ہیں (پس) نائب کی اہانت منیب کی اہانت متصور ہوگی (ضرب الغلام اہانۃ المولیٰ) اور انبیاء علیہم السلام کی اہانت اور استخفاف کا کفر ہونا ظاہر ہے۔ پس قص شارب (لب کتروانا) جو کہ سب انبیاء کی سنت ہے اس کی تقبیح گویا انبیاء کی تقبیح ہوئی کیونکہ

یہ ان کی سنت ہے اور اس کی تقبیح کفر ہے۔

ظہیریہ کی عبارت جو ملا علی قاری نے نقل فرمائی ہے یہ ہے۔

من قال لفقیہ اخذ شاربہ ما اعجب قبحاً او اشد قبحاً قص الشارب ولف طرف العمامۃ تحت الذقن یکفر لانہ استخفاف الانبیاء یعنی وھو مستلزم لاستخفاف الانبیاء وقص الشارب من سنن الانبیاء فتقبیحہ کفر (شرح فقہ اکبر ص۲۱۳)

ترجمہ:۔ جس نے کسی عالم سے اسکے لب کترائے ہوئے ہونے پر یہ کہا کہ بہت برا معلوم ہوتا ہے یا یہ کہا کہ لب کترانا اور عمامہ کو ٹھوڑی کے نیچے باندھنا بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے تو کافر ہو جائے گا اس لئے کہ یہ علماء دین کا استخفاف ہے اور مستلزم ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کے استخفاف کو اس لئے کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور لب بنوانا بھی سنن انبیاء سے ہے لہذا اس کی تقبیح کفر ہوگی۔

معلم قرآن اور واعظ و مذکر بھی عالم دین ہیں اس لئے ان کی اہانت بھی کفر ہے

استاد نجم الدین کندی سمرقندیؒ سے منقول ہے کہ جو شخص بطور سخریہ کے معلم کے ساتھ تشابہ اختیار کرے اور ہاتھ میں چھڑی لے کر بچوں کو مارے گویا معلمِ قرآن کا مذاق اڑا رہا ہے تو کافر ہو جائے گا اس لئے کہ معلم قرآن بھی منجملہ علمائے شریعت کے ہے لہذا قرآن یا معلم قرآن کا استہزاء کفر ہوگا۔

(شرح فقہ اکبر)

اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ لوگ شراب کی مجلس میں ہیں۔ ایک شخص ان میں سے اونچی جگہ پر بیٹھ کر ہنسی مذاق کی باتیں کر رہا ہے اور مذکر کی نقل اتار رہا ہے اور خود بھی ہنستا ہے اور لوگ بھی ہنس رہے ہیں تو یہ سب لوگ کافر ہو جائیں گے اس لئے کہ مذکر اور واعظ بھی منجملہ علماء کے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے نائب ہیں لہذا ان کی بھی اہانت انبیاء کی اہانت ہوگی اس لئے کفر ہے۔

علماء کی مجلس کو گرجا یا اس کے مشابہ کسی چیز کی طرف نسبت کرنا کفر ہے!

خلاصۃ الفتاوی میں ہے کہ کوئی شخص کسی عالم کی مجلس علم سے واپس آیا تو دوسرے لوگوں نے کہا کہ یہ گرجے وغیرہ سے آرہا ہے تو یہ بھی کفر ہے۔ اس لئے کہ اس نے شریعت کی جگہ کو اور ایمان کے مقام کو کفر اور کافروں کی جگہ قرار دیا۔

(شرح فقہ اکبر)

عالم دین کی تحقیر بھی موجب کفر ہے

شرح فقہ اکبر میں ہے کہ جس شخص نے کسی عالم کو عویلم کہہ کر یا کسی علوی کو علیوی کہہ کر پکارا یعنی صیغہ تصغیر کے ساتھ تحقیراً کہا اور مقصود اس کا استخفاف ہے تو کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح سے کسی شخص نے کسی عابد سے کہا کہ بیٹھو جی۔ بس کرو (بہت زیادہ عبادت نہ کرو جنت کے اس پار نکل جاؤ گے یا ایسا نہ ہو کہ کہیں جنت سے بھی آگے نکل جاؤ) — تو کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ اس عابد کا اور اس کی عبادت کا استہزاء اور مذاق اڑانا ہے۔

جواہر میں ہے کہ جس شخص نے کسی عالم کے بارے میں یہ کہا کہ اگر فلاں قبلہ یا جہت قبلہ بھی ہو جائے تو میں ان کی جانب توجہ نہیں کروں گا — تو کافر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس کا یہ فعل تو ابلیس کے فعل کی طرح ہے کہ وہ بھی سجدہ سے رکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام جہت قبلہ بنائے گئے تھے۔

اسی طرح سے جس شخص نے کسی صالح شخص سے یہ کہا کہ تم سے ملنا میرے نزدیک سور سے ملنا ہے تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے جب کہ اس کے اور اس کے مابین کوئی دینی یا دنیوی جھگڑا نہ ہو۔

(شرح فقہ اکبر ص۲۱۶)

عالم کی مجلس میں آواز بلند کرنا بھی منع ہے

ابوحیانؒ نے بیان کیا ہے کہ عالم کی موجودگی میں رفع صوت مکروہ ہے اور ایذا اور اہانت کے قصد سے ایسا کرنا بعید نہیں کہ حرام ہو۔ بالخصوص اس کے لئے جس کی ایذا اور اہانت حرام ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ حرمت کے مراتب اور درجات مختلف ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

(روح المعانی صنہ ۱۲ ج ۲۶)

علماء اور کبراء کی تعظیم مامور بہ ہے

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھی جب وہ جانے لگے تو میں نے ان کی سواری (خچر) ان کے قریب کر دیا تاکہ آپ اس پر سوار ہو جائیں اتنے میں ابن عباسؓ آئے اور انھوں نے اس کی رکاب پکڑلی۔ حضرت زید نے فرمایا کہ اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو اس کو چھوڑ دیجئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم کو علماء اور کبراء کے ساتھ اسی طرح کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا گیا ہے یہ سن کر حضرت زید بن ثابتؓ نے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم کو بھی اسی طرح سے حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے نبی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ تعظیم و توقیر کا برتاؤ کریں۔

(احیاء العلوم صہ ۵۴ ج ۱)

عالم کی تعظیم کا ایک عجیب واقعہ

اخلاق محسنی میں ہے کہ اسماعیل سامانی جو خراسان کا بادشاہ تھا اور بہت ساز و سامان والا تھا ایک دن ایک عالم کسی ضرورت سے اس کے پاس آئے۔ اس نے ان کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کی جب وہ واپس ہونے لگے تو سات قدم ان کے پیچھے مشایعت کیلئے چلا۔ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ اے اسماعیل! تو نے میری امت کے ایک عالم کی اتنی تعظیم و تکریم کی میں نے حق تعالیٰ سبحانہٗ سے دعا کی ہے کہ تجھ کو دونوں جہاں میں عزیز کرے اور تو نے

سات قدم جو ان کی مشایعت میں چلے ہیں تو میں نے دعا کی ہے کہ تیری نسل سات پشت تک بادشاہی کرے۔ اور یہ میری دونوں دعائیں تیرے حق میں قبول بھی ہو گئی ہیں۔

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے ایک عالم دین کی تعظیم کا یہ دنیوی صلہ ہے جو اس بادشاہ کو ملا اور آخرت کے اجر کا تو پوچھنا ہی کیا۔

(اخلاق محسنی باب تواضع)

دوسرا واقعہ :۔ روح المعانی میں ہے کہ ابو عبیدؒ کے فضائل کے منجملہ یہ واقعہ شمار کیا جاتا ہے جو انھوں نے خود بیان کیا کہ "میں نے کبھی کسی عالم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا یہاں تک کہ جب وہ اپنے وقت پر خود ہی باہر تشریف لائے تب میں نے ان سے ملاقات کی۔

تیسرا واقعہ :۔ حبر العلماء حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس قرآن شریف سیکھنے جانا کرتے تھے تو جب اُن کے مکان پر پہنچتے تو کنڈی کھٹکھٹاتے نہیں تھے بلکہ دروازہ ہی پر کھڑے رہتے یہاں تک کہ حضرت ابیؓ خود ہی باہر تشریف لاتے۔ حضرت ابیؓ کو ابن عباسؓ کا اس طرح سے انتظار کرنا شاق گزرتا ایک دن فرمایا کہ اے ابن عباس تم نے کنڈی کیوں نہ کھٹکھٹا دی ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ عالم اپنی قوم میں محترم اور معظم ہوتا ہے۔ (اس لئے میں نے کنڈی کھٹکھٹانے کو خلاف ادب سمجھا)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کو اپنے بچپن میں کسی کتاب میں دیکھا تھا چنانچہ الحمد للہ کہ میں نے بھی اپنے مشائخ کے ساتھ یہی عمل رکھا۔

فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالک۔

(روح المعانی ص ۱۳۱ ج ۲۶)

دین کا استہزاء کفر ہے!

محیط میں ہے کہ کوئی شخص اونچی جگہ پر بیٹھا عالم کی نقل کر رہا ہے اور لوگ آ آ کر بطور مذاق اور استہزاء کے اس سے مسائل دریافت کرتے ہیں پھر اس کو تکیہ وغیرہ سے مارتے ہیں اور پھر آپس میں خوب ہنستے ہیں تو اس حرکت کی وجہ سے سب کے سب کافر ہو گئے اس لئے کہ انھوں نے دین اور شرع کا استخفاف کیا

علم فقہ کی اہانت کفر ہے!

محیط میں ہے کہ کوئی عالم اپنی فقہ وغیرہ کی کتاب کسی شخص کی دوکان پر رکھ کر کہیں چلا گیا واپس آیا اور ادھر سے گزرا تو دوکاندار نے کہا کہ مولانا! آپ اپنی آری یہاں بھول گئے ہیں عالم نے کہا کہ تمہارے یہاں میں نے کتاب رکھی ہے آری تو نہیں رکھی۔ دوکاندار نے کہا کہ ارے ایک ہی بات ہے بڑھئی آری سے لکڑی کاٹتا ہے اور آپ لوگ اس کتاب سے لوگوں کا گلا کاٹتے ہیں یا ان کا حق کاٹتے ہیں۔ عالم نے امام فضلیؒ سے اس کی شکایت کی انھوں نے اس شخص کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اس لئے کہ فقہ کی کتاب کا استخفاف کر کے وہ مرتد ہو گیا اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

شریعت کی اہانت کفر ہے!

شرح فقہ اکبر میں ہے کہ جس شخص نے کہا کہ شرع وغیرہ سے مجھے کچھ فائدہ نہیں اور نہ میرے نزدیک وہ نافذ ہے۔ تو کافر ہو جائے گا۔

محیط میں ہے کہ کسی کے سامنے شریعت کا ذکر آیا اس کو سن کر اس نے قصداً اور تکلفاً ڈکار یا مکروہ قسم کی کوئی آواز نکالی جیسے کسی چیز کو برا اور مکروہ سمجھتے ہوئے آدمی منہ بناتا ہے اور آواز نکالتا ہے۔ اور کہا کہ یہ ہے شرع ــــــ تو کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے شرع کی اہانت کی۔

ظہیریہ میں ہے کہ کسی شخص سے کہا گیا کہ اٹھو جاؤ یا آؤ چلیں مجلس علم میں اس پر اس نے کہا

کہ یہ لوگ جو باتیں بیان کرتے ہیں کون ان پر عمل کر سکتا ہے یا یہ کہا کہ مجھے علم دین کی مجلس سے کیا لینا ــــ تو کافر ہو جائے گا

پہلا جواب تو اس لئے کفر ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ شخص تکلیف مالایطاق کا قائل ہے یعنی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے امور کا بھی انسان کو مکلف بنایا ہے جو اس کی طاقت سے بالاتر ہوں حالانکہ نص قرآنی ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

اور دوسرا جملہ اس وقت کفر ہے جب کہ اس کی مراد یہ ہو کہ علماء کی مجلس میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے چنانچہ جواہر میں ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ علماء جو بیان کرتے ہیں کون اس پر عمل کر سکتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس سے یا تو تکلیف مالایطاق لازم آتا ہے اور یا نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علماء جو کچھ بیان فرماتے ہیں اس میں انبیاء علیہم السلام پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

نیز تتمہ میں ہے کہ جس شخص نے کسی سے کہا کہ علم دین کی مجلس میں نہ جاؤ اگر تم گئے تو تمھاری بیوی حرام ہو جائے گی یا اس کو طلاق پڑ جائے گی ــــ تو کافر ہو جائے گا۔ مذاق کے طور پر کہا ہو یا واقعی کہا ہو۔

فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ ایک پیالہ ثرید کا علم سے بڑھ کر ہے تو کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے دین کا استخفاف کیا۔ اسی طرح سے اگر کسی نے فتویٰ کو زمین پر پھینک دیا بطور اہانت کے تو کافر ہو جائے گا۔

تتمہ میں ہے کہ جس شخص نے شریعت کی اہانت کی یا ان مسائل کی اہانت کی جن کی شریعت میں ضرورت پڑتی ہے تو کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح جو شخص کسی کے تیمم کرنے پر ہنسا تو کافر ہو جائے گا کیونکہ شریعت کے ایک مسئلہ کا استخفاف کیا۔

اسی طرح سے جس شخص نے کہا کہ نہ میں حلال جانوں نہ حرام اور اس کی مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے یا میں حرام کو بھی حلال اور حلال کو بھی حرام جانتا ہوں تو کافر ہو جائے گا۔ ہاں اگر یہ مراد ہو کہ میں جاہل اور ناواقف ہوں تو یہ کفر نہیں ہے۔

محیط میں ہے کہ کوئی عالم علم کی باتیں بیان کر رہا ہے یا حدیث صحیح روایت کر رہا ہے۔ یعنی جو کہ ثابت ہے موضوع نہیں ہے اس پر کسی نے کہا ہے کہ یہ سب کچھ نہیں ہے مقصد اسکا رد کرنا ہے یا یہ کہا کہ یہ سب باتیں کیا کام آویں گی روپیہ پیسہ ہو تو خیر کام آدے یعنی ان سب میں مشغول ہونے کے بجائے روپیہ پیسہ ہی کمانے میں مشغول ہونا چاہئے اس لئے کہ اس زمانہ میں جو قدر و منزلت روپیہ کی ہے وہ علم کی نہیں ہے — تو کافر ہو جائے گا اس لئے کہ یہ معارضہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ اللہ کے لئے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے اور مومنین ہی کے لئے عزت ہے۔ اور اس ارشاد کا کہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلمہ بلند ہے۔

اسی طرح سے جس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے سے یہ کہا کہ میں علم حاصل کر کے کیا کروں گا یا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے کیا کروں گا۔ میں نے اپنے آپ کو جہنم میں ڈال رکھا ہے یا یہ کہا کہ میں نے تو اپنے آپ کو جہنم میں ڈال رکھا ہے یا یہ کہا کہ میں نے تو اپنے نفس کو دوزخ کے لئے تیار کیا ہے یا یہ کہا کہ میں نے اپنا تکیہ یا اپنی کہنی یا اپنا رخسارہ جہنم میں ڈال رکھا ہے تو کافر ہو جائیگا اسلئے کہ اس نے شریعت کی اہانت کی۔

ظہیریہ میں ہے کہ اگر کسی سے کہا کہ جب تم نے روپئے لئے تھے اس وقت شرع وغیرہ کہاں تھی؟ تو اگر شریعت کا استخفاف کرتے ہوئے کہا ہے تو کافر ہو جائے گا۔

شرح فقہ اکبر میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ مامون رشید کے زمانۂ خلافت میں اس شخص کا دریافت کیا گیا جس نے کسی نوربافی کو قتل کر دیا ہو۔ مجیب نے جواب دیا کہ قاتل کے ذمہ ایک جوان باندی ہے جو ناز و انداز والی ہو۔ مامون نے یہ جواب سن کر حکم دیا کہ مجیب کی گردن اڑا دی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ کہا کہ یہ حکم شرع کے ساتھ استہزاء اور اس کے حکم کا مذاق اڑانا ہے اور یہ کفر ہے۔

اسی طرح تیمور کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن اس کی طبیعت کچھ افسردہ اور منقبض سی تھی اس لئے چپ چاپ سا تھا لوگ سوالات کرتے تھے اس کا جواب بھی نہ دیتا تھا۔ اتنے میں خوش طبعی کرنے والوں کی ایک جماعت اس کے پاس آئی۔ چنانچہ وہ لوگ آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگے۔ ایک شخص نے ان میں سے کہا کہ میں فلاں شہر کے قاضی کے یہاں گیا ہوا تھا اور رمضان شریف کا مہینہ شروع ہو چکا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ اے شریعت کے حاکم

فلاں شخص نے رمضان کے روزوں کو کھالیا میرے پاس اس کے گواہ موجود ہیں۔ یہ سن کر ان قاضی صاحب نے فرمایا کہ کاش کوئی اور شخص نماز کو بھی کھا جاتا تو ہم ان دونوں سے چھٹکارا پا جاتے ——— اور یہ سب اس لئے کہا کہ امیر تیمور کو ہنسی آجائے اور اس کا قبض دور ہو جائے لیکن تیمور نے یہ سن کر کہا کہ ظالمو! ہمکو ہنسی دل لگی کے لئے بس شریعت ہی ملی تھی؟ یہ کہا اور اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ اس ذات پر رحم فرمادے جس نے دین اور شریعت کی تعظیم و توقیر کی اور اس کا بول بالا کیا۔

(شرح فقہ اکبر ص ۲۱۷)

توضیح

علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ علماء دین کا احترام اور توقیر واجب ہے بلکہ ایمان کی علامت ہے اور ان کی اہانت اور استخفاف حرام بلکہ کفر ہے۔

علماء نے اس مسئلہ کے لئے اصول پھر جزئیات بیان فرمائے تاکہ لوگ ان سے بچیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ اور چونکہ علماء نے حالات کے مشاہدے کے بعد اس قسم کے امور کو بیان فرمایا ہے لہٰذا اس کی ضرورت بھی معلوم ہوئی۔ چنانچہ آج ہم بھی دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے قلوب میں نہ دین کی وقعت باقی رہ گئی ہے اور نہ اہل دین کی۔ لوگ بالکل آزاد اور بیباک ہو گئے ہیں۔ بڑے سے بڑے عالم دین کی اہانت اور اس کی استخفاف ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اگر کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں تو یہ نہیں کہ دوسرے لوگ ان کو منع کریں اور ان کو سمجھائیں کہ یہ سب جہالت اور فتنہ و فساد کی باتیں ہیں اس لئے ان سے اجتناب کرنا چاہئے۔ بجائے اس کے ہوتا یہ ہے کہ سب کے سب عوام انھیں کے ساتھی اور ہمنوا ہو جاتے ہیں۔ الا ماشاءاللہ اور انجام سے قطعی بے خبر ہوتے ہیں۔ نہ ان کو خدا تعالیٰ ہی کا خوف اس امر شنیع سے باز رکھتا ہے اور نہ مخلوق ہی سے یہ لوگ شرماتے ہیں کہ یہی خیال کریں کہ دین سے ہم کو حصہ ہی کیا ملا ہے کہ ہم کسی عالم دین کی شان کی کچھ کہنے سننے کی جرات بھی کر سکیں اور ہماری کیا مجال کہ ہم جاہل ہو کر دین میں دخل دیں۔

غرض خلق و خالق کا لحاظ اور خیال کئے بغیر نیک لوگوں کی حتیٰ کہ عالم دین اور پیشوائے مذہب کی غیبت شکایت۔ ان سے بدظنی۔ ان کی شان میں بدزبانی اور بدکلامی۔ بلاوجہ ان سے بغض و حسد وغیرہ رکھنے کو اپنا شعار اور معمول بنا لیا ہے حالانکہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا کہ جو شخص کسی عالم دین سے بلا کسی سبب ظاہری کے بغض رکھے تو وہ دراصل شریعت سے بغض متصور ہوگا۔ اور یہ شخص کافر ہوگا

ہوسکتا ہے کہ جن کو ہم بُرا سمجھتے ہیں قیامت میں وہ اللہ کے ولی ثابت ہوں

ان مسکینوں کو نہ تو یہ سب باتیں ہی معلوم ہیں اور نہ کوئی ان کا بتانے والا ہے کہ تم یہ کیسا کر رہے ہو اور ارے اللہ کے بندو کدھر جا رہے ہو۔ جب کہ علماء نے ان سب باتوں کو لکھا ہے۔ تو عقل کا تقاضا ہے کہ ایسے امور میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا جاوے کہیں ایسا نہ ہو کہ آج تم جن کو بُرا کہہ رہے ہو کل کو قیامت میں ان کو نائب رسول کے مقام پر فائز دیکھو اور ان کی اہانت اور تحقیر کرنے کی وجہ سے اپنا ایمان ہی غائب پاؤ۔ میں کہتا ہوں کہ کیا خوف کا مقام نہیں ہے اور حسرت کی بات نہیں ہے کہ دنیا میں لوگ اپنے کو مسلمان سمجھ رہے ہیں اور ظاہری نماز و روزہ بھی جاری ہے لیکن علماء اور اولیاء کی شان میں گستاخی اور بدزبانی۔ ان کی توہین و تحقیر بھی کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ خدا کے سامنے پیشی ہو تو اپنے کئے پر ندامت ہو۔ لیکن یہ حقیقت ایسے وقت میں ظاہر ہوگی کہ اس وقت ندامت بھی نفع نہ دے گی

عمل سے زیادہ ایمان کا اہتمام کرنا چاہئے

اس لئے میں تم لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ اس وقت مسلمان بڑے ہی نازک دور سے گزر رہے ہیں لہذا کسی دوسرے کو برا بھلا کہنے کے بجائے آدمی کو اپنے عمل کا جائزہ لینا چاہئے اور عمل سے زیادہ اہتمام ایمان کا کرنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنا ایمان ہی جہالت کی نذر کر دیں سن لیجئے ایمان بڑی دولت ہے اس کی قدر یہاں دنیا میں نہیں معلوم اس لئے کہ اس کا بازار آخرت ہے۔ چنانچہ عمل میں بالفرض اگر کچھ خامی اور کمی بھی رہی تو کام چل جائے گا لیکن ایمان کی کمی تو نہیں پوری کی جاسکتی اس لئے ایمان کی ہر وقت خیر منانی چاہئے اور اس کی حفاظت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے۔

(اضافہ از ناقل)

فقیہہ ابواللیث سمرقندیؒ اپنی مشہور تالیف تنبیہہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ ان کے قبیح اور خبیث اعمال کی وجہ سے آخر عمر میں ان سے ایمان ہی سلب کر لیا جاتا ہے

اور وہ العیاذ باللہ کفر کی حالت میں اس دنیا سے جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ تمھیں بتاؤ کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی مصیبت ہوگی کہ ایک شخص کا نام ساری عمر تو مسلمانوں میں شمار رہا ہو اور قیامت میں وہ کافرین کی صف میں اٹھایا جائے یہ کس قدر حسرت کا مقام ہے اور یہ کوئی حسرت نہیں ہے کہ ایک شخص گرجے سے نکلے یا آتش پرست ہو اور اپنے مندر سے نکلے اور دوزخ میں داخل ہو جائے حسرت کا مقام تو یہ ہے کہ کوئی شخص مسجد سے نکلے اور جہنم میں داخل ہو جائے اور اور ایسا محرمات کے ارتکاب کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جسے یہ شخص لوگوں سے پوشیدہ کئے ہوتا ہے چنانچہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس لوگوں کے مال بطور امانت کے رکھے ہوتے ہیں اور وہ یوں خیال کرتے ہیں کہ اسے خرچ کرلوں پھر دوسرا اپنے پاس سے رکھدونگا اور اس تصرف کی صاحب مال سے معافی مانگ لونگا۔ لیکن وقت آجاتا ہے اور خصم کو راضی کئے بغیر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں اسی طرح سے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ تنہائی میں بیوی سے لڑتے ہیں اور غصہ میں آکر اس کو طلاق دیدیتے ہیں پھر ہوش آنے پر یہ کہتے ہیں کہ میرے بال بچے ہیں کیسے اس عورت کو الگ کردوں چنانچہ اس سے حرام تعلقات قائم کئے رہتے ہیں اور کسی کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوتی اور اسی حال میں انکو موت آجاتی ہے پھر بعض مرتبہ بعض حالات کی وجہ سے ان سے ایمان ہی سلب ہو جاتا ہے لہذا اے میرے بھائی! اپنے حالات و معاملات کو موت آنے سے پہلے پہلے درست کرلو یعنی فوراً ان سے تائب ہو جاؤ اس لئے کہ تم کو کچھ خبر نہیں کہ کب موت آجائے اور یہ سمجھ لو کہ عمر قلیل ہے اور اس کے بعد حسرت طویل ہے۔ (تنبیہ الغافلین صفحہ ۱۴۹) راقم جامی

شریعت کا احترام اور علماء کا احترام دونوں لازم و ملزوم ہیں

اس زمانہ میں لوگوں میں بد دینی اور گمراہی جو عام ہوتی جارہی ہے اور شریعت کا احترام جو قلوب میں نہیں باقی رہ گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کا احترام دلوں میں نہیں ہے۔ شریعت کا احترام علماء کے احترام سے ہونا ہے اسی طرح سے شریعت کے احترام سے علماء کا احترام ہوگا یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں ـــ تو جب قلب میں علم دین اور علماء دین ہی کا احترام نہ ہوگا تو پھر اس قلب میں دین کی کیا عظمت رہ سکتی ہے اور اس کو دین کیسے حاصل ہوسکتا ہے

علماء ہی محافظ شریعت ہیں

آج جیسا کچھ بھی دین موجود ہے وہ علماء ہی کی وجہ سے ہے کیوں کہ اتنی بات تو آپ سب

لوگ جانتے ہیں کہ شریعت کی حفاظت ضروری ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور علماء ہی شریعت کے محافظ ہیں اور یہی لوگ اس خدمت کی وجہ سے نائب رسول ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی شریعت کے محافظ حضرات علماء ہی ہیں۔ دین کی حفاظت سب پر فرض تھی اس لئے کہ دین صرف علماء ہی کا نہیں ہے سب کا ہے۔ لیکن حفاظت اس کی علماء ہی فرما رہے ہیں اس لئے اس باب میں بھی ان کا اُمت پر احسان عظیم ہے۔ اس لحاظ سے بھی اُمت کے ذمہ لازم ہے کہ وہ ان کی تعظیم و توقیر کریں۔ اور سنئے:۔

حدیث میں ہے:۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ یعنی اُمت کے علاوہ کام کریں گے جو بنی اسرائیل میں انبیاء کرتے تھے سبحان اللہ کیا شرف ہے علماء امت کا۔ اور جس طرح سے یہ شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اسی طرح سے یہ علماء بھی رہیں گے اور دین حق کی خدمت کرتے رہیں گے پس انھیں سے دین بھی حاصل کرنا ہوگا مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

چونکہ شد خورشید و مارا کردہ داغ
چارہ نبود در مقامش جز چراغ

(یعنی جب کہ آفتاب غروب ہوگیا اور ہم کو اپنی جدائی کا داغ دے گیا تو اب اس کی جگہ بجز چراغ کے استعمال کے چارہ کار ہی کیا ہے۔)

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

(یعنی جب کہ گلاب کا پھول نہیں رہ گیا اور گلستاں ہی اُجڑ گیا تو اب اس کی خوشبو کہاں سے حاصل کریں؟ عرق گلاب سے)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ جب آفتاب چھپ گیا اور اندھیرا ہوگیا تو سوائے چراغ کے اور روشنی کا ذریعہ ہی کیا ہوسکتا ہے۔ حالانکہ آفتاب اور چراغ میں کیا نسبت ہے؟ اسی طرح نبی اور عالم میں بھی کوئی نسبت نہیں مگر جس طرح احتیاج چراغ کی طرف رات میں ہوتی ہے اسی طرح علماء بھی محتاج الیہ ہیں جب انبیاء حضرات تشریف نہیں رکھتے۔

اسی طرح میں نے کہا ہے کہ علماء کا بڑا مرتبہ ہے اور ان کی اہانت شریعت کی اہانت ہے اور

اس سے کفر کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ایمان کی حفاظت ضروری ہے۔

دین اور حاملین دین کی اہانت کا انجام

اور میں تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے دین کے حاملین ہی اہانت اور تحقیر کی وجہ سے آج مسلمانوں کو یہ روز بد دیکھنا پڑا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ عذاب ہے کہ عام طور سے یہ دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی عقل اور فہم رخصت ہی ہو چکی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بالکلیہ ان کے نفس کے حوالہ فرما دیا ہے اور اپنی عون اور مدد ان سے روک لی ہے یہی وجہ ہے جو اس زمانہ میں لوگوں کے مزاج بگڑ گئے ہیں۔ اچھائی اور برائی میں تمیز نہیں ہے۔ بلکہ معاملہ برعکس ہو کر عیوب ہی کمالات معلوم ہوتے ہیں چنانچہ کذب۔ افترا۔ بہتان۔ غیبت۔ شکایت۔ بدزبانی۔ بدکلامی۔ سوءظن۔ فتنہ و فساد۔ نفاق و اختلاف بغض و حسد یہ سب چیزیں پسند ہیں اور جو شخص کہ ان امور کا ساعی ہوتا ہے اس کی تعریف اور تائید کی جاتی ہے۔ برخلاف ان کے صدق۔ حسن ظن۔ اتفاق و اتحاد۔ احترام و اکرام اور ادب۔ فتنہ وغیرہ سے دور رہ کر دوسروں کو بھی دور رکھنا۔ اور اخلاص و اخلاق کا طریقہ بتانا ـــــ یہ سب چیزیں ناپسند ہیں رہبر کو لوگ رہزن سمجھتے ہیں اور رہزن کو رہبر سمجھ رکھا ہے۔ فساد و صلاح۔ افساد و اصلاح اور مفسد و مصلح اور صالح و فاسد میں امتیاز نہیں رہ گیا ہے۔ اب یہ فہم کے سلب ہونے کی علامت نہیں تو اور کیا ہے!

اور جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نظر کرم اور رحمت سے گر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال نہیں ہوتی تو سب سے پہلی جو چیز اس کو بطور سزا کے ملتی ہے وہ اس سے اس کے نور علم کا سلب ہو جانا ہے ؎

اذا لم یکن عونٌ من اللہ للفتی فاولُ ما یجنی علیہ اجتہادُہٗ

جب کہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عون اور مدد ختم ہو جاتی ہے تو سب سے پہلی چیز جو اس کو نقصان پہنچاتی ہے وہ اس کا اجتہاد ہوتا ہے ـــــ یہی وجہ ہے جو آج بصیرت سلب ہے صلاح و فساد میں امتیاز باقی نہیں رہ گیا ہے بلکہ فساد ہی نظر آتا ہے افساد ہی اصلاح معلوم ہوتی ہے ـــــ انتہا یہ کہ دین اور ایمان جو نہایت ہی پاکیزہ چیزیں ہیں اب انھیں کو محل فساد بنایا جاتا ہے۔ یعنی فساد دینی صورت میں سامنے آتا ہے۔ تو تو یہ ہے سراسر فساد اور افساد لیکن نفسانیت اس کو دین کے رنگ میں پیش کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے ناواقف مسلمان اس کا شکار ہو جاتے ہیں اور ایسے وقت میں بجز

اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق وتائید کے حق سمجھنا آسان بھی نہیں رہ جاتا۔
بدقسمتی سے آج ہم اسی دور سے گزر رہے ہیں اور یہ سب کرشمے ہیں جہالت کے کیونکہ آدمی کو جب حدود شرع کا علم ہی نہ ہوگا تو کیا وہ کسی کو پہچانے گا۔ نہ عالم دین کو اور نہ دین کو حتیٰ کہ اپنے کو بھی نہ پہچانے پھر کیا کسی کا حق ادا کرے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ ایمان بھی باقی نہ رہے اور محض اپنی جہالت کی وجہ سے ایسے لوگ مسلوب الایمان ہوکر (العیاذ باللہ) دنیا سے رخصت ہوں اور جب غبار چھٹے اس وقت ان کو معلوم ہو کہ ہم گھوڑے پر سوار تھے یا کسی اور سواری پر ؎

فسوف تری اذا انکشف الغبار

افرس تحت رجلك ام حمار

(عنقریب جب غبار دور ہوگا اس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

عوام کے اس برتاؤ کی وجہ اور اسکا علاج

عوام کی طرف سے علماء کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ جو ہوتا ہے تو اس کی اصل وجہ تو وہی ہے جو ابھی بیان کی گئی یعنی جہل۔ اس لئے اس کا علاج تو یہ ہے کہ لوگوں کو اسلامی اخلاق اور شریعت کے حدود کا علم پہنچایا جائے لیکن اس سلسلہ کے بڑھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عوام کی ان باتوں کو سن کر علماء یہ خیال کرتے ہیں کہ کون ان جاہلوں کے منہ لگے۔ لہٰذا صبر ہی کرتے ہیں۔ اس میں تو شک نہیں کہ اس پر ان کو آخرت میں اجر ملے گا مگر یہ حضرات تو ایسا اپنی خوش اخلاقی کی بناء پر کرتے ہیں اور یہ جاہل اس سے یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے ان لوگوں کا ناطقہ بند کر رکھا ہے اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ ایسی صورت میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ صبر کر لینا بھی جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص بدون تعدی (زیادتی) کے انتصار ہی چاہے (یعنی بدلہ لینا) تو یہ بھی جائز ہے بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ انتصار ہی ہے چنانچہ احکام القرآن میں آیت والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون کے تحت لکھتے ہیں کہ:۔

روی عن ابراھیم النخعی فی معنی الآیۃ قال کانوا یکرھون للمؤمنین ان یذلوا انفسھم فیجتری علیھم الفساق
وقال السدی ھم ینتصرون معناہ ممن بغی علیھم من غیران یعتدوا علیھم۔ (احکام القرآن صفحہ ۳۸۶ ج ۳)

حضرت ابراہیم نخعی سے آیت کے یہ معنی منقول ہیں کہ مسلمانوں کے لئے وہ لوگ پسند نہیں کرتے تھے کہ اپنے نفسوں کو ذلیل کریں تاکہ فساق ان پر خوب دلیر ہو جائیں۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم ینتصرون کے معنی

یہ ہیں کہ ان لوگوں سے بدلہ لیتے ہیں جو ان پر ظلم کئے ہوتے ہیں بدون اسکے کہ ان پر زیادتی کریں اس پر حضرت ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اور بہت سی جگہوں پر تو ہمارے لئے حقوق العباد کے سلسلہ میں عفو اور درگزر کرنے ہی کو مندوب فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ وان تعفوا اقرب للتقوی اور فرمایا کہ فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ اور فرمایا کہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔ اور یہ سب آئتیں کچھ منسوخ بھی نہیں ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کا یہاں یہ ارشاد فرمانا کہ والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون اس کا ذکر استجابۃ اللہ اور اقامت صلوٰۃ کے بعد ہی متصلاً ہے اس لئے انتصار کی مدح اور فضیلت نکلی چنانچہ ابراہیم نخعیؒ نے جو فرمایا ہے کہ لوگ مومنین کے لئے یہ مکروہ سمجھتے تھے کہ اپنے کو ذلیل کریں تاکہ فساق و فجار کی جرات نہ بڑھے پس یہ انتصار کی فضیلت اس شخص کے مقابلے میں ہے جو تعدی کرے اور اس پر اصرار کرے اور جہاں نصوص میں عفو کا حکم اور ترغیب ہے تو وہ اس جگہ ہے کہ قصور کرنے والا اپنے کئے پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے اس کام کے ترک کا عزم کر چکا ہو۔

خاتمہ

اس وقت علماء اور شریعت کے احترام اور عظمت کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا۔ الحمدللہ کہ اکابر کی تصریحات کی روشنی میں بیان کر چکا۔ اب آخر میں اس دعا پر مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین اور حاملین دین متین کی قدر و منزلت کے پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو دین کا وہ فہم بخشے جس سے ہم اُن کے حقوق کو سمجھ سکیں اور ان کو ادا کر سکیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۵ وصلی اللہ تعالیٰ
علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین
برحمتک یا ارحم الراحمین

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر نہیں رکھنا چاہتے جس پر تم لوگ اب ہو یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے (واقعات کے ذریعہ) متمیز نہ فرمادے۔ ۱۲

الامر الفارق بین المخلص والمنافق

از افادات

مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مومن مخلص اور منافق میں باہم امتیاز ضروری ہے

قال اللہ تعالیٰ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ــــ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتے جس پر تم اب تک ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے متمیز نہ فرمادے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے امور غیبیہ پر تم کو مطلع نہیں کرتے و لیکن ہاں جس کو خود چاہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، ان کو منتخب فرماتے ہیں۔ پس اب اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور پرہیز رکھو تم پھر تم کو اجر عظیم ملے۔

(بیان القرآن)

تفسیر آیت بالا

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا تھانوی نے بیان القرآن میں یہ عنوان قائم فرمایا ہے کہ

"حکمت شدائد بر مؤمنین در بعض احیان"

یعنی مؤمنین پر بعض مرتبہ جو شدائد واقع ہوتے ہیں اس میں کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔ پھر اس کے تحت فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت (اختلاط و عدم امتیاز مخلصین ومنافقین) پر

رکھنا نہیں چاہتے جس پر تم سب اب موجود ہو (بلکہ واقعات اور شدائد کا ہونا اس وقت تک ضروری ہے) جب تک کہ ناپاک (یعنی منافق) کو پاک (یعنی مومن مخلص) سے متمیز نہ فرمادے۔ اور یہ تمیز شدائد سے خوب ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور (اگر تم کو یہ وسوسہ ہو کہ بلا نزول شدائد بھی نزول وحی الی الرسول سے یہ تمیز سہل ہے کہ بتلا دیا جاتا فلاں فلاں منافق ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ (بمقتضائے حکمت) ایسے امور غیبیہ پر تم کو (بلا واسطہ وقوع حوادث وغیرہ) مطلع نہیں کرنا چاہتے ولیکن ہاں جس کو اس طرح مطلع کرنا خود چاہیں اور ایسے حضرات وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو (اس طرح مطلع کرنے کے لئے اپنے بندوں میں سے) منتخب فرما لیتے ہیں (اور تم پیغمبر ہو نہیں سو تم کو ہم اس طرح ایسے امور کی کیوں اطلاع دیدیں البتہ واقعات ایسے نازل فرماتے ہیں جس کے واسطہ سے بطور استدلال کے یہ تمیز ظاہر ہو جائے اور حکمتیں اس میں گو بے شمار ہیں اور ان کی تفتیش کی ضرورت نہیں لیکن ظاہراً یہ حکمت بھی معلوم ہوتی ہے کہ صرف وحی سے معلوم ہونے سے ظاہری اختلاط تو رہتا اور غیر متجانسین کا اختلاط ظاہری سبب ہوتا ہے اکثر مفاسد کا اور اگر مسلمان اُن کو جدا کرنا چاہتے تو ان پر کوئی وجہ احتجاج کی نہ تھی وہ کہتے کہ ہم تو مخلصین ہیں بخلاف اس صورت کے کہ واقعات پیش آئے اور وہ نکل بھاگے۔ پھر خود ہی ان کا منھ نہ رہا کہ دعویٰ اخلاص کریں اور مفاسد اختلاط سے اس طرح نجات ہوگی۔

(بیان القرآن ص۷۸ ج ۲)

تمیز کی نسبت خبیث کیجانب کئے جانیکی وجہ

حق تعالیٰ نے شروع میں تو یہ فرمایا کہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ یعنی مومنین کو ان کے حال پر نہ چھوڑیں گے لیکن اس کے بعد یہ فرمایا کہ حتّٰی یمیز الخبیث من الطیب یعنی یہاں تک کہ منافق مخلص سے ممتاز ہو جائے تمیز کی نسبت خبیث کی جانب فرمائی اس کے متعلق یہ سمجھئے کہ یہاں کلام اپنی انتہائی بلاغت کو پہنچا ہوا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس مقام پر بعض محققین کے حوالہ سے جو تقریر نقل فرمائی ہے اس کو حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنی تفسیر کے منہیہ میں ذکر فرمایا ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ۔

قلت دھو حری بان یکتب بسواد العین وقلم شعائہا۔

(بیان القرآن)

ترجمہ:۔ یعنی یہ تقریر اسقدر عمدہ اور پسندیدہ ہے کہ حق تو اس کا یہ ہے کہ اس کے لکھنے کیلئے آنکھ کی شعاع کو قلم بنایا جاتا اور اس کی پتلی کو روشنائی

میں یہاں روح المعانی سے پہلے وہ تقریر نقل کرتا ہوں پھر اس کے بعد اسکی مزید توضیح بھی کروں گا۔

تقریر بعض محققین جو صاحب روح المعانی نے نقل فرمائی

وتعلیق المیز بالخبیث مع ان المتبادر مما سبق من عدم ترک المومنین علی الاختلاط تعلیقہ بھم وافرازھم عن المنافقین لما ان المیز الواقع بین الفریقین انما ھو بالتصرف فی المنافقین وتغییرھم من حال الی حال اخری مع بقاء المومنین علی ما کانوا علیہ من اصل الایمان وان ظھر مزید اخلاصھم لا بالتصرف فیھم وتغییرھم من حال الی حال مع بقاء المنافقین علی ما ھم علیہ من الاستتار وانما لم ینسب عدم الترک الیھم لما انہ مشعر بالاعتناء بشان من نسب الیہ فان المتبادر منہ عدم الترک علی حالۃ غیر ملائمۃ کما یشھد بہ الذوق السلیم قالہ بعض المحققین

(روح المعانی)

ترجمہ:۔ اور تمییز کا تعلق اور اسکی نسبت خبیث کے ساتھ کی حالانکہ ماقبل کے بیان یعنی مومنین کا اختلاط پر باقی نہ رہنے کا تقاضا یہ تھا کہ تمیز کا تعلق بھی مومنین ہی سے ہوتا اور انھیں کو منافقین سے جدا کیا جاتا۔ تو یہ اس لئے کہ تمیز جو کہ دونوں فریق کے مابین واقع ہوئی وہ منافقین ہی میں تصرف ہو کر ہوئی ہے اور انھیں کی حالت ایک سے دوسری ہوئی اور مومنین تو جس حال پر پہلے تھے یعنی اصل ایمان اسی پر بعد میں بھی رہے بلکہ ان کا اخلاص کچھ اور زیادہ ہی ہو گیا۔ اور یہ نہیں ہوا کہ مومنین میں تصرف ہوا ہو اور ان کا حال ایک سے دوسرا بدل گیا ہو اور منافقین اپنے پہلے ہی حال یعنی استتار پر باقی رہے ہوں، ایسا نہیں ہوا۔

اسی طرح سے عدم ترک کو منافقین کی جانب منسوب نہیں کیا اس لئے کہ اس سے اعتنا اور

اہتمام معلوم ہوتا اس کا جو اس کی جانب منسوب ہوتا کیونکہ ظاہر اس سے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی نہ رہنے دیں گے یعنی کسی ایسی حالت پر جو غیر مناسب ہو (اور یہ عین شفقت ہے جس کے مورد مؤمنین ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ منافقین) جیسا کہ صاحب ذوق سلیم پر مخفی نہیں ہے بعض محققین نے یہاں یہی تقریر فرمائی ہے۔

توضیح مقام

میں کہتا ہوں کہ بعض محققین کے ارشاد کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ فرمایا کہ ماکان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ جس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین کو ان کے موجودہ حال (یعنی حالت اختلاط) پر باقی رکھنا منظور نہیں لیکن اس کے بعد یہ فرمایا کہ حتی یمیز الخبیث من الطیب یعنی یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے متمیز فرمادے۔ یہاں سباق کا تقاضا تھا کہ حتی یمیز الطیب من الخبیث فرماتے تاکہ سیاق و سباق دونوں مطابق ہو جاتے تو یہاں سیاق جو مطابق سباق کے نہیں ہے اس کا نکتہ یہ ہے کہ دونوں فریق میں جب تمیز ہو جائے گی تو ظاہر ہے کہ ہر ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں گے لیکن اس تمیز کی صورت یہ ہوگی کہ منافقین میں تصرف ہوگا۔ یعنی وہی ایک حال سے دوسرے حال پر منتقل ہو جائیں گے۔ یعنی پہلے اُن کا نفاق مستور تھا اب عیاں ہو جائے گا ایسا کہ اس کے بعد اب عوام الناس کے لئے بھی استدلال سے ان کی تمیز آسان ہو جائے گی اور مومن بیچاروں میں کوئی تصرف نہ ہوگا وہ پہلے جس حال پر تھے ان شدائد و محن کے بعد بھی اسی حال پر قائم رہیں گے بلکہ ان کا اخلاص کچھ اور بڑھ ہی جائے گا تو چونکہ ذریعہ تمیز فی المنافقین بنا سلئے تمیز کی نسبت خبیث کی طرف کی گئی نہ طیب کی طرف تو اب چاہئے تھا کہ ماکان اللہ لیذر المومنین کی جگہ لیذر المنافقین فرماتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمنین کی شان کا اعتناء مقصود ہے کہ اُن کو کسی حالت غیر ملائمہ پر نہیں چھوڑنا چاہتے اس لئے ان پر شفقت منظور ہے اس لئے اس اعتناء بالشان کے ظاہر کرنے کے لئے مؤمنین کا ذکر فرمایا اور منافقین کی طرف اعتناء نہیں ہے اسلئے ان کا ذکر متروک فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ بلاشبہہ ان بعض محققین نے بڑی عمدہ بات بیان فرمائی اور حضرتؒ کا اس کے متعلق یہ فرمانا کہ یہ نکتہ آنکھ کی شعاع کے قلم اور پتلی کی روشنائی سے لکھے جانے کے

قابل ہے بالکل صحیح ہے اور میں بھی یہ کہتا ہوں کہ دل کو اس کے لکھنے کے لئے کاغذ بنانا چاہئے۔

تمثیل معقول بالمحسوس

غرض یہاں حتی یمیز الخبیث من الطیب جو فرمایا تو اسکی محسوس مثال یہ ہے کہ دودھ سے مکھی نکال کر پھینک دی جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ مکھی دودھ سے نکال کر پھینک دی گئی یہاں تمیز کے لئے اور نکالنے کی نسبت مکھی طرف کی گئی دودھ کی طرف نہیں، اگرچہ اسکا کچھ اثر دودھ پر بھی پڑ جاتا ہے کہ اس میں بھی حرکت ہو جاتی ہے لیکن مقصود اس میں تصرف کرنا نہیں ہوتا ـــــ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ مومن مخلص اور منافق میں اختلاط کی وجہ سے جو تمیز باقی نہیں، یہ تمیز پیدا ہو جائے تو شدائد و مصائب اور آلام بھیجے جس سے مقصود تو منافقین میں تصرف کرنا تھا اور ان کی حالت میں تغیر کرنا تھا کہ وہ حالت اختلاط اور استتار سے اظہار اور امتیاز کی حالت کی طرف منتقل ہو جائے کہ حالت شدائد میں اس کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے بخلاف مومن مخلص کے کہ وہ ایک حالت پر رہتا ہے اور یہ تمیز استدلال و مشاہدہ اور واقعات سے خوب متعین ہوتی ہے۔ اور عام طور پر اس کو سمجھا جاتا ہے صرف وحی سے معلوم ہو سکتا تھا کہ فلاں فلاں منافق ہے۔ مگر ظاہری اختلاط اس صورت میں بھی رہتا اور غیر متجانسین کا اختلاط ظاہری، سبب ہوتا ہے اکثر مفاسد کا اور اگر مسلمان ان کو جدا کرنا چاہتے تو کوئی وجہ احتجاج کی نہ تھی کہ وہ منافق ہیں، اس کو تسلیم نہ کرتے، وہ کہتے کہ ہم مخلص ہیں: بخلاف اس صورت کے کہ واقعات پیش آئے اور کم ہمتی سے وہ نکل بھاگے۔ پھر خود ہی ان کا منہ نہیں رہا کہ دعویٰ اخلاص کریں اور اس طرح مفاسد اختلاط سے نجات ہو گئی۔

میں کہتا ہوں کہ آیت کی یہ تفسیر تو بہت دنوں سے ذہن میں تھی۔ لیکن ان دنوں پھر جب یہ آیت نظر سے گذری اور اس پر حضرتؒ کا منہیہ دیکھا جس میں روح المعانی کے حوالہ سے بعض محققین کا قول نقل فرمایا ہے تو اس کو پڑھ کر بڑا ہی لطف آیا اور از سر نو یہ بات ذہن میں آئی کہ واقعی یہ مخلص اور منافق میں تمیز اور ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنا شریعت کے اور قرآن کے اہم مقاصد سے ہے۔ تمیز مومنین کی منافقین سے اسی دار دنیا میں واقعات اور حوادث سے ہو جاتی ہے۔ اور جو تمیز کہ واقعات اور حوادث سے ہوتی ہے استدلالی بلکہ ظاہر و باہر

ہوتی ہے۔ بدیہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شیخ اپنے کسی مرید کی نسبت کچھ کہے تو گو اس کا یہ کہنا بھی دلیل ہے اور زبردست دلیل ہے مگر واقعات سے کسی شخص کی تکذیب ہو جائے تو یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ اس میں کسی شخص کو کلام کی گنجائش باقی نہیں رہتی حتیٰ کہ اس کو بھی۔

مخلص اور منافق کے مابین یہ امتیاز کیوں ضروری ہے

اب چونکہ اس تمیز بین المخلص والمنافق کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سنت خداوندی ہے جس سے قیامت تک کے لئے ان دونوں فریق میں یہ تمیز ہوتی رہے گی۔ جیسا کہ مشاہد ہے اور سب کے لئے واجب العمل ہے خاص کر علماء اور مشائخ کے لئے یعنی ہر زمانہ میں خواص کو اور عوام کو بھی یہ چیز پیش آئے گی اور ان کو اسی طرح تمیز کرنا چاہئے یعنی اگر بصیرت کے ساتھ واقعات پڑنے کے بعد غور کیا جائے تو اپنے متعلقین اور دوست احباب اسی معیار پر پرکھے جا سکتے ہیں۔ اور یہ خلاف شرع نہیں ہے۔ ورنہ اختلاط کے مفاسد کا شکار رہنا لازمی ہے۔

واقعات ہی امتیاز کی کسوٹی ہوتے ہیں اس کی تائید حافظ شیرازیؒ کے کلام سے

پس یہ واقعات گویا ایک محک اور کسوٹی ہیں، جس کی وجہ سے صادق اور کاذب میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ یعنی کاذب ذلیل اور رسوا ہوتا ہے اور صادق اس سے مطمئن ہوتا ہے اور بشارت حاصل کرتا ہے۔ اسی کو حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی و بیغش باشد		اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں		تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

یعنی کیا اچھا ہو اگر امتحان کی کسوٹی درمیان میں آ جائے تاکہ جس کے اندر کھوٹ ہو وہ سیہ رو ہو جائے۔

اور صوفی کا تمام تر نقد صاف اور بے میل کے نہیں ہوتا بہت سے خرقے (مراد اہل خرقہ) آگ میں ڈالے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔

غش پر مشتمل ہونے کے سبب سے یہ کلام اس مضمون کے ادا میں بے نظیر ہے۔ اور آخر شعر تو گویا اسی آیت کی تفسیر ہے۔

مضمون بالا کی تائید امام غزالیؒ کے کلام سے

صادق اور کاذب میں امتیاز کرنے کے لئے حافظ شیرازیؒ نے جس طرح محک تجربہ کا ذکر فرمایا ہے، یعنی یہ کہ ہر شخص جو کہ دعویٰ اخلاص کرے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ حقیقۃً مخلص ہی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے ساتھ اس کا جو تعلق ہے وہ ابھی رسم سے متجاوز نہ ہوا ہو۔ یعنی قلبی اور دلی نہ ہو اس لئے کسوٹی پر اس کو کسنا چاہئے تاکہ امتیاز ہو جائے۔

اسی طرح سے اس مضمون کو امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں کتاب آداب الالفۃ والاخوۃ والصحبۃ میں بیان فرمایا ہے جس کو میں اکثر بیان کرتا ہوں اور اپنے بعض رسالوں میں بھی اس کو لکھ دیا ہے۔ چنانچہ میرے ایک دوست نے امام غزالیؒ کے اس مضمون کو بہت پسند کیا خود وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں نے اس کو پڑھے لکھے طبقہ اور عقلاء کے مجمع میں سنایا تو لوگوں نے اس بات کو بہت پسند کیا۔

چونکہ دیکھتا ہوں کہ لوگ امامؒ کے اس مضمون کو سراہ رہے ہیں اس لئے اس کو یہاں بھی بیان کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ

فاعلم ان عقدۃ الاخوۃ لم ینعقد بعد فی الباطن وانما الجاری بینکما مخالطۃ رسمیۃ لا وقع لہا فی العقل والدین۔ (احیاء العلوم ص۱۷۵)

ترجمہ:۔ جان لو کہ وہ عقد اخوت (یعنی دوستی کا تعلق) جو قلب سے نہ ہوا ابھی تک قائم ہی نہیں ہوا۔ تو تمہارے درمیان جو کچھ جاری ہے وہ محض ایک رسمی ہی میل جول ہے جس کا نہ تو عقل کے نزدیک کوئی اعتبار ہے اور نہ دین ہی میں اس کی کچھ وقعت ہے۔

اسی مضمون کی تائید شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے بیان سے

امام غزالیؒ کا ارشاد تو آپ نے سنا اب شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ نے آداب الصالحین میں حضرت علیؓ کا جو ارشاد نقل فرمایا ہے اس کو بھی سنئے فرماتے ہیں کہ

"اخوان الزمان جواسیس العیوب"

"یعنی اس زمانے کے دوست تو عیوب کے جاسوس ہیں" اور اُسکے بعد شاہ صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ اور جس کا تو امتحان نہ کرے اس پر اعتماد نہ کرا اور تھوڑی سی ملاقات و ہمنشینی پر مغرور نہ ہو جب تک کہ معاملہ مکرر نہ پڑے حق امتحان کا یہ ہے کہ سب حالتوں میں آزمادے تو۔ حالت معزولی میں بھی۔ اور حکومت میں بھی۔ اور محتاجگی میں بھی اور غنا میں بھی۔ اور غضب میں بھی اور رضا میں بھی۔ اور حاضر میں بھی اور غائب میں بھی۔ اور عیش میں بھی اور سختی میں بھی۔ جب سب حالتوں میں یکساں ہو تو وہ قابل مصاحبت کے ہے۔

پس اگر ایسا آدمی پاوے تو، تو اگر بڑا ہے تو بجائے باپ کے جان اور اگر چھوٹا ہے تو بجائے بیٹے کے جان۔ اور اگر برابر ہے تو بھائی ٹھہرا اس کو وگرنہ کنارہ کر اس سے نہ بھائی کسی کا ہو اور نہ باپ اور نہ بیٹا۔"

(ہادی الناظرین ص۸۵)

حاصل کلام

حاصل ان تصریحات کا یہ ہوا کہ (۱) ہر شخص کے لئے مخلص اور منافق۔ صادق اور کاذب۔ دوست اور دشمن خبیث اور طیب پاک اور ناپاک۔ محب غیر محب احباب و اغیار میں امتیاز کرنا نہایت ضروری ہے (۲) اور اس تمیز کا سب سے بہتر ذریعہ اپنے ساتھ اس کے پیش آنے والے واقعات ہیں کہ وہی دراصل کسوٹی ہیں کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کی (۳) اور یہ امتیاز خلاف شرع نہیں ہے بلکہ عین منشا شریعت ہے (۴) اسی کے نہ ہونے کی صورت میں یعنی اختلاط کا ہونا اور مخلص و منافق کا باہم گڈمڈ رہنا ہی مفاسد کا سب سے بڑا سبب ہے۔

دعاء

بس اب اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق اور اپنے دین کا فہم نصیب فرمائیں۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ٥

وصی اللہ عفی عنہ

ماہ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

بخشی بازار (روشن باغ) الہ آباد

اضافہ (نصیحت مرشدؒ) از ناقل

فرمایا کہ آپ لوگوں کو ایک نہایت ضروری بات بتاتا ہوں ۔ اگر اس کے مطابق کوئی کام کریں گے تو زندگی بھی آرام سے گزار سکیں گے اور ممکن ہے کہ دو چار مخلص دوست بھی میسر ہو جائیں ورنہ بظاہر تو لوگ زیادہ جمع ہو جائیں گے کہ جنھیں میں منافق بھی آجائیں گے اور سب کام خراب ہو جائے گا ۔ طریقہ یہ ہے کہ اس زمانے میں کسی کا اعتبار جلدی نہ کیجئے اور نہ کسی کو جلدی دوست اور راز داں بنائیے جب آپ اس طرح سے رہیں گے تو جو آپ ہی کے مسلک کا ہو گا وہی آپ سے ملے گا اور ایسے لوگ چند ہی ہوں گے باقی دوسرے لوگ علیٰحدہ ہو جائیں گے ۔ اِس زمانہ میں کام اسی لئے تو نہیں ہو رہا ہے کہ لوگ شروع ہی سے زیادہ مجمع چاہتے ہیں جس میں غیر مخلصین بھی بھر جاتے ہیں اور وہی کام خراب کر دیتے ہیں ورنہ اگر دو چار ہی ساتھی پر قناعت کر کے لوگ کسی کام کو شروع کر دیں تو کچھ نہ کچھ کام ہو جائے کیونکہ مقصود کام ہے نہ کہ مجمع اور زیادہ مجمع لیکر ہو گا کیا لوگ مخلص ہوں چاہے تھوڑے ہوں یہی اچھا ہے اور کام کے لوگ تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ۔ لیکن لوگوں کا یہ حال ہے کہتے ہیں کہ جب تک مجمع کثیر نہ ہو وعظ کہتے نہیں بنتا مضامین کی آمد ہی نہیں ہوتی یہ سب غلط ہے اخلاص کے منافی ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک صاحب کہتے تھے دیکھئے عورتوں کے مجمع میں بھی دو دو گھنٹے اور تین تین گھنٹے وعظ فرماتے ہیں حالانکہ یہ نہیں معلوم کہ وہ سُن بھی رہی ہیں یا سو گئی ہیں پردے کے اندر موجود بھی ہیں یا چلی گئی ہیں ایسی حالت میں وعظ کہنا واقعی بڑا مشکل کام ہے اور یہ بدون اخلاص کے ناممکن ہے اُس سے معلوم ہوا کہ اخلاص ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے مخلص کا تو یہ حال ہوتا ہے ؎

کس بشنود یا نشنود من گفتگوے می کنم

اور ؎ حاصل آید یا نیاید آرزوے می کنم

(وصیۃ الاحسان صفحہ ۸)
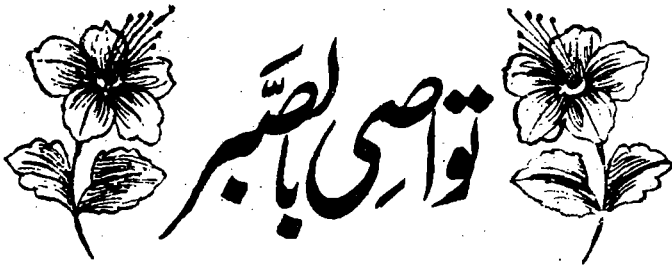
ازافاضات

مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

رسالہ "الامر الفارق بین المخلص والمنافق" کا مضمون تو یہاں تک ختم ہوا آگے حضرت والا مدظلہ العالی کا ایک دوسرا رسالہ "تواصی بالصبر" ہدیۂ ناظرین ہے۔ اس کے تالیف کا سبب یہ ہوا کہ جس زمانہ میں رسالۂ اولیٰ زیر تالیف تھا اسوقت یہاں اہل حق کو بعض ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا جس سے ہر زمانہ میں اور ہر مقام پر علماء حقانی اور عاملین بالسنۃ کو سابقہ پیش آتا ہی رہتا ہے اور پیش آنا ناگزیر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ہر شخص میں تحمل کا مادہ تو ہوتا نہیں اس لئے اندیشہ ہوا کہ مبادا یہ شگوفہ مسلمانوں میں مزید اختلاف و نزاع کا سبب بن جائے چنانچہ حضرت والا دامت برکاتہم نے عام مسلمانوں کو عموماً اور اپنے متوسلین کو خصوصاً ایسے مواقع میں صبر و تحمل ہی کرنے کی ہدایت فرمائی اور اس سلسلہ میں ایک مختصر سا مضمون بھی تحریر فرما دیا تاکہ دوسرے لوگ بھی اس شرعی تعلیم پر عمل کر کے فتنہ و فساد سے بچ سکیں اور مسلمانوں میں تفریق کا سبب بننے سے بر احل دور رہا کریں۔

"در شریعت ما غیر ازیں گناہ نیست"

والسلام۔

راقم ناشر عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

میں اپنے یہاں کے اور دیگر اضلاع کے تمام احباب بلکہ تمام اہل سلسلہ کی خدمت میں بادب یہ گزارش کرتا ہوں کہ وہ میرے اور میرے اکابر کی طرف سے کوئی جواب دہی نہ کریں کہ اس میں سوائے شور وشغب کے کوئی نتیجہ نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَئِن صَبَرْتُم لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝ (پ ۱۴)

ترجمہ:۔ اور اگر تم ان کی ایذاؤں پر صبر کرو تو وہ صبر کرنا صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے (کہ مخالف پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے اور دیکھنے والوں پر بھی اور آخرت میں موجب اجر عظیم ہے) اور آپ صبر کیجئے اور چونکہ آپ کا صبر کرنا خاص خدا ہی کی توفیق (خاص) سے ہے (اس لئے آپ تسلی رکھیں کہ صبر میں آپ کو دشواری نہ ہوگی) اور ان لوگوں کی مخالفت پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ مخالفت) میں تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو جئے (اس سے آپ کا کوئی ضرر نہ ہوگا کیونکہ آپ تقویٰ اور احسان کے ساتھ موصوف ہیں اور) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی ان کا مدد و معاون ہوتا ہے) جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔ (بیان القرآن ص ۶۸)

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا ان اللہ بما یعملون (پ ۴)

ترجمہ:۔ اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی (تم اس سے بے فکر رہو دنیا میں تو ان کو یہ ناکامی نصیب ہوگی اور آخرت میں

سزائے دوزخ ہوگی کیونکہ) بلاشبہہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر علمی احاطہ رکھتے ہیں کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں اس لئے وہاں سزا سے بچنے کے لئے کسی حیلہ حوالہ کی گنجائش نہیں۔

(بیان القرآن ص۵)

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور ۰ (پ)

ترجمہ:۔ اور اگر تم صبر کروگے اور (خلاف شرع امور سے) پرہیز رکھوگے تو تمہارے لئے اچھا ہوگا کیونکہ) یہ (صبر و تقویٰ) تاکیدی احکام میں سے ہیں (اور تاکیدی احکام پر عمل کرنا ہی اچھا ہے)

اور فرماتے ہیں کہ:۔

ولمن صبر وغفر إن ذلک لمن عزم الامور ۰ (پ۲۵)

ترجمہ:۔ اور جو شخص (دوسرے کے ظلم پر) صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی ایسا کرنا بہتر ہے اور اولوالعزمی ہے)۔

(بیان القرآن ص۵)

اور فرماتے ہیں کہ:۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقّٰھا الا الذین صبروا وما یلقّٰھا الا ذو حظ عظیم ۰ (پ۲۴)

ترجمہ:۔ آپ نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے پھر یکایک (دیکھ لینا کہ) آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے (یعنی بدی کی مکافات بدی سے کرنے میں تو عداوت بڑھتی ہے اور نیکی کرنے سے بشرط سلامت طبع عدو کی عداوت گھٹتی ہے حتیٰ کہ اکثر بالکل عداوت جاتی رہتی ہے اور اس امر میں مشابہ دوست کے ہوجاتا ہے گو دل سے دوست نہ ہو۔ اور یہ بات انھیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو (اخلاق کے اعتبار سے) بڑے مستقل مزاج ہیں اور یہ بات اس کو نصیب ہوتی ہے جو ثواب کے اعتبار سے بڑا صاحب نصیب ہے

(بیان القرآن ص۵)

اور فرماتے ہیں کہ:۔

ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ ومن یومن باللہ

یھد قلبہ (پ ۲۸)

ترجمہ:۔ کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہیں آتی (اور یہ سمجھ کر صبر و رضا اختیار کرنا چاہئے) اور جو شخص اللہ پر پورا ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو صبر و رضا کی راہ دکھا دیتا ہے۔

(بیان القرآن ص۱۱/۱۲)

صبر کی فضیلت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے کلام سے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی نے صبر کی فضیلت اور اس کے مفتاح الفرج ہونے کو تفہیمات الٰہیہ میں ایک عجیب ہی عنوان سے بیان فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

تفہیم

اعلم ان الجہاد لہ انواع من اعظمھا ھدایۃ الناس ظاھراً و باطناً و ناھیک من مفاخرہ ومناقبہ انہ ھو الذی بعث لہ الانبیاء قاطبۃ علیہم الصلوٰۃ والسلام وکل جہاد فیہ صبر ومعاناۃ شدۃ ثم النصر یکون بعد ذلک انا لننصر رسلنا۔

ترجمہ:۔ جان لو کہ جہاد کی بہت سی قسمیں ہیں اس کا سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ لوگوں کو ظاہراً اور باطناً ہدایت (یعنی اصلاح) کی جائے اور اس چیز کے فخر و منقبت کے لئے تمہیں یہی کافی ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس کے لئے تمام حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے اور ہر جہاد ہی میں اولاً صبر کرنا اور مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد ضرور آتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم اپنے انبیاء کی مدد کریں گے اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے کہ ؎

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود و لیک بخون جگر شود

(تفہیمات ص۱۰۳ ج۲)

لوگ بیان کرتے ہیں کہ پتھر جو لعل ہو جاتا ہے تو وہ صبر ہی کی بدولت کہ مدتوں آفتاب کی تمازت کو اپنے اوپر برداشت کرتا ہے میں کہتا ہوں کہ ہاں ہوتا تو ہے لیکن ایک زمانہ تک اُس کو

خون دل بھی بلنا پڑتا ہے۔

سبحان اللہ! صبر کی فضیلت کو کس عمدگی اور لطافت کے ساتھ اس شعر میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس قدر اس میں غور کیجئے گا لطف آئے گا۔ اسی کا ترجمہ کسی نے یوں کیا ہے اور خوب کیا ہے ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

یہاں موقع کے مناسب تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اتنی ہی عبارت پیش کرنی تھی لیکن اس کے بعد کا مضمون بھی چونکہ خالی از افادہ نہیں ہے اس لئے ہدیہ ناظرین ہے فرماتے ہیں کہ۔

واصحب الناس علی شریطتین احدھما قطع الطمع عنہم وعما فی ایدیھم ان شاء اللہ موصل الیک منہم ما ینجز منہ ولم تک ترقبہ بلا عزم منک وثانیھا النصیحۃ والانبساط وحسن الخلق لکل احد سواء المتمول والفقیر وصاحب الجاہ والخامل مع عرفان منزلۃ کل احد منہم وکل من عاداک بعد ذلک فانما ھو خبیث النفس ظالم وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (تفہیمات الٰہیہ ص۱۰۴)

ترجمہ:۔ اور لوگوں کے ساتھ دو شرط کیساتھ مصاحبت اختیار کرو ایک تو یہ کہ خود ان سے اور جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے اس سے طمع قطع کر دو اور یہ سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو نصیب مقدر فرما رکھا ہے وہ تو تم کو ان سے مل کر رہے گا تم اپنی جانب سے نہ اس کا ارادہ کرو اور نہ اس کے منتظر رہو اور دوسری چیز یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نصیحۃ (خیر خواہی) اور انبساط اور حسن خلق کے ساتھ پیش آؤ خواہ وہ متمول ہو یا غریب و محتاج ہو۔ کوئی صاحب جاہ ہو یا گمنام و گوشہ نشین ہو۔ اور اس کے بعد بھی جو شخص تم سے دشمنی کرے وہ خبیث النفس ہے اور ظالم ہے اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ انکو لوٹ کر جانا ہے۔

اسلاف کی کامیابی کا راز

ان نصوص خداوندی کے بعد اور کس مضمون اور کس چیز کی حاجت باقی رہ جاتی ہے۔

ہمارے اسلاف انھیں نصوص پر عمل کر کے کامیاب ہوئے ہمیں بھی کامیابی اسی طریقہ پر ہو سکتی ہے۔ حضرت رومیؒ ارشاد فرماتے ہیں ؎

خود چہ جائے جنگ و جدلِ نیک و بد کایں دلم از صلحہا ہم می رمد

(یعنی میرا دل تو صلح سے بھی بھاگتا ہے پھر بھلا کسی سے آویزش اور جنگ و جدال کا کیا سوال!)

حضرت مصلح الدین شیرازیؒ بوستاں میں بہلول دانا کا واقعہ بیان فرماتے ہیں ؎

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو چو بگذشت بر عارف جنگ جو

(یعنی عمدہ خصلت والے بہلول دانا نے کیا اچھی بات کہی جس وقت کہ ان کا گزر ایک ایسے عارف پر ہوا جو لوگوں سے لڑ رہا تھا)

گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(یعنی اگر یہ مدعی معرفت دوست (یعنی حق تعالیٰ) کا عارف ہوتا تو دشمن سے لڑنے میں نہ مشغول ہوتا)

گر از ہستی حق خبر داشتے ہمہ خلق را نیست پنداشتے

(یعنی اگر اس کو حق تعالیٰ کے وجود کی خبر ہوتی تو تمام مخلوق کو ان کے مقابلہ میں نیست سمجھتا پھر کس سے لڑنا اور کیسا جھگڑا)

وقت کا ایک اہم فریضہ

علاوہ ان فرائض کے جو ہم پانچوں وقت ادا کرتے ہیں کچھ اور فرائض بھی حسب حاجت اور ضرورت انسان کے ذمہ لازمی اور ضروری ہو جاتے ہیں ان کو احکام وقتیہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً جب بچہ بالغ ہوتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کی جانب سے نماز روزہ فرض ہو جاتا ہے تو ان کے احکام سیکھنا اس پر ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے لڑکا یا لڑکی جب بالغ ہو جائے تو والدین کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اُس کا عقد کر دیں اسی طرح سے کوئی شخص مثلاً مریض ہو جاتا ہے تو اس پر لازم ہوتا ہے کہ جلد علاج کی فکر کرے۔

اسی طرح اس وقت حاضر کا بھی ایک فریضہ جو ہم سب پر عائد ہوتا ہے اور ہم سب پر فرض ہے وہ یہ کہ ہم سب فساد سے بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے بچائیں اس لئے میں

عام مسلمانوں کو عموماً اور حضرات علماء اور مشائخ کو خصوصاً اس فریضہ کی ادائیگی کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آج ہم اپنے سارے اعمال سے فساد کے شکار ہو چکے ہیں اگر اس پر ہم خون کے آنسو بھی بہائیں تو نہایت کم ہے۔ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ کا ہمارا حال پورا پورا مصداق ہے۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ ــــ اس وقت کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ مسلمان فساد سے بچیں۔ عام ابتلاء اس وقت اسی کا ہے۔ گاؤں گاؤں شہر در شہر، اطراف و اکناف سب اسمیں مبتلا دیکھے جاتے ہیں اور فساد کے روکنے کی سب سے بڑی ذمہ داری علماء و مشائخ پر ہے۔ مذہبی حیثیت سے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ علماء اور مشائخ اس کے ذمہ دار ہیں یعنی اگر عوام کو اس سے نہیں روکیں گے تو ان سے قیامت میں سخت بازپرس ہوگی حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان کے ترک نہی عن المنکر پر سخت نکیر فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (پ ۶) (ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے واقعی ان کی یہ عادت بُری ہے) (بیان القرآن) اس لئے میں نے کہا ہے کہ علماء و مشائخ ذمہ دار ہیں اور اس پر ان سے بازپرس ہوگی ــــ میں نے یہ حکم جو بیان کیا ہے تو فساد کو روکنے کا بیان کیا ہے اور اگر یہی لوگ سبب بنیں فساد کا تو اب اسکا حکم اسی سے معلوم کر لیجئے اسوقت مسلمانوں کی حالت دیکھ کر گھبرا گھبرا کر طبیعت اس شعر کے پڑھنے کو چاہتی ہے کہ ؎

اے گرفتار آمدہ درد کا پیر بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

میں جو علماء کی ذمہ داری کے متعلق بیان کر رہا ہوں ایک بزرگ نے اس کی عجیب مثال بیان فرمائی، انھوں نے فرمایا کہ چوکیدار وہ ہے جو نہ خود چوری کرے اور نہ کسی اور کو کرنے دے۔ تو علماء کی مثال چوکیدار سے اس لئے دی تو ان کو بھی قابل احتراز امور سے خود بھی احتراز کرنا ضروری ہے اور دوسروں کو بھی منع کرنا ان پر واجب ہے ورنہ ان پر اس چوکیدار کی مثال صادق آئے گی جو خود بھی چور ہو اور دوسروں سے بھی چوری کرائے اور ظاہر ہے کہ یہ انکے منصب سے کس قدر بعید ہے۔

ختم شد

ادائے حقوق

قرض سے نجات پانیکا
مسنون علاج

ازافادات

مصلح الامت حضرت مولانا مرشدنا شاہ وصی اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امّا بعد

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اخذ اموال الناس یرید اداءھا ادی اللہ عنہ ومن اخذھا یرید اتلافھا اتلفہ اللہ۔ (رواہ البخاری وابن ماجہ وغیرہ) (الادب النبوی ص۴۴)	حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے لوگوں کا مال لیا (بطور قرض کے) اور ارادہ رکھتا ہے کہ اسکو ادا کردیگا تو اللہ تعالیٰ اسکی جانب سے اس کو ادا فرمادیں گے اور جس شخص نے کسی کا مال اس ارادہ سے لیا کہ اسکو ہضم کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اسی کو ختم اور تلف فرمادیں گے۔ (بخاری وابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت ہے)

صاحب ادب النبوی اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

من الناس من یقترض الاموال لحاجۃ من حاجۃ عازماً علی ادائھا فی الموعد المضروب او حین یقع فی یدہ مال فھذا یؤدی اللہ عنہ دیونہ فیفتح لہ من ابواب الرزق مالم یکن یحتسبہ مکافاۃ لہ علی نیتہ	بکچھ تو لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں سے اپنی کسی ضرورت پر قرض لیتے ہیں اور انکی یہ نیت ہوتی ہے کہ وقت مقررہ پر اسکو ادا کردینگے یا جب ان کے پاس روپیہ آجائے گا اسوقت دیدیں گے تو یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکے قرض کا خود کفیل ہے وہ ادا کردیگا جس کی صورت یہ ہوگی کہ انکے لئے ایسے طور سے رزق و آمدنی کے دروازے کھول دیئے جائیں گے کہ اسکا انکو شان وگمان بھی نہ ہوگا اور یہ محض بدلہ ہوگا

الصالحۃ وعزمہ المحمود علی ان لتلك الارادۃ اثرا فی اکتساب الرزق فانھا لاتزال بصاحبھا تدفعہ الی تلمس ابواب المکاسب والبحث عن طرق المال حتی یھتدی الیھا ویؤدی دیونہ۔

انکی نیت صالح اور عزم محمود کا یعنی اسکا کہ انھوں نے ادائیگی کا ارادہ کیا تھا (نیت کی ایک برکت تو یہ ہوتی ہے) مزید یہ کہ انکے اس ارادہ کو کسب آمدنی میں بھی دخل عظیم ہے اس لئے کہ یہی عزم ادا انکو ذرائع آمدنی کے تلاش کرنے کی جانب اور مال کمانے کے طریقوں میں غور و تامل کرنے کی طرف مضطر کریگا تاآنکہ من جدّ وجدان کے سامنے کوئی نہ کوئی صورت آجائیگی اور انکا قرض ادا ہوجائے گا۔

ومثل ھذا من یشتری من التجار طعامہ وشرابہ وحاجاتہ الاخری و بضاعۃ یتجر فیھا الی اجل ولیس بیدہ مایدفعہ نقدا فان عزم علی الاداء والوفاء یسر اللہ لہ المال حتی یوفی بما عاھد۔

اور اسی کی مانند وہ شخص بھی ہے جو تاجروں سے کھانے پینے کی اشیاء یا اور دوسری ضرورت کی چیزیں ادھار خریدے یا اس سے خود تجارت کرنے کے لئے سامان ایک وقت مقررہ تک کیلئے لے اور اسکے پاس نقد نہیں قیمت ادا کرنیکے لئے موجود نہیں ہے تو اگر اس شخص کی نیت اور عزم ادا کرنے اور بیباق کرنیکی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے مال کی تحصیل میں آسانی فرما دیگا یہاں تک یہ اپنے وعدہ ادائیگی کو پورا کردیگا۔

یہاں تک تو حدیث شریف کے اول جزو کی شرح تھی یعنی یہ کہ جو شخص قرض لے اور اسوقت اسکی نیت بھی یہ ہو کہ میں اسکو ادا کردونگا تو اللہ تعالیٰ اسکی ادائیگی کا انتظام غیب سے فرما دیں گے اور اسکے عزم وارادہ کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ باقی نہیں رہ جائے گا بلکہ ادا ہی ہوجائیگا۔ آگے حدیث شریف کے دوسرے جزو کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

امامن استقرض او اشتری شیئا دینا او طلب الی الناس ان یودعوہ اموالھا واستعار او استاجر عینا عازما علی

بہرحال وہ شخص جس نے قرض لیا یا کوئی چیز کسی سے ادھار خریدی یا لوگوں سے کہا کہ میرے پاس اپنے اموال امانت رکھدو یا عاریت پر کوئی چیز لیا یا کسی چیز کو اجارہ اور کرایہ پر لیا اور نیت اور عزم اس کا ابھی سے یہ ہے کہ ایکر مکر جاویگا یا انکار کردیگا یا مقصد یہ ہے کہ ...

المجحود والانكار والاتلاف
والاهلاك فان الله تعالیٰ
يتلفه فيوقع في خبث نيته
وسوء طويته ويفتح له من
النفقات ما يذهب بماله
طارفه وتليده او يسلط
عليه من البلايا والمصائب
ما يستاصل ملكه او يرسل
اليه جيشا من الامراض
الفتاكة يعمل في نفسه
واهله وولده ما يحرمهم
لذة الحياة ونعيمها الى
عذاب في الاخرة شديد
وهل رايت اكرمك الله
من اغتنى وتنعم في مال
غيره المغصوب ولئن
ضحكت له الدنيا اياما او
سنين استهزاء به او
استدراجا له فهي كاشرة
له عن انيابها ثم تلتهمه
التهاما او تستلب ما كنز
من اولاده واحفاده
استلابا۔

لوگوں کا مال لیکر اس کو تلف اور ہلاک کردے تو اسکو
سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ خود اسکو ہی تلف اور ہلاک
کردیگا جسکی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً اس کو اسکی بدنیتی
اور بدباطنی کے خبث کے وبال میں واقع کردیگا
اور اس پر خرچ کے اس قدر دروازے کھول
دیگا جو اسکا تمام مال جدید و قدیم ختم کر کے رکھدیگا
یا اس پر ایسی ایسی بلا اور مصیبتیں مثلاً مقدمہ وغیرہ
مسلط کردے گا جو اس کے مال کا استیصال کردیگا
یا اسپر امراض مہلکہ اور مزمن بیماریوں کا ایسا لشکر بھیجدیگا
جو خود اسکو اور اسکے اہل و عیال کو ایسا کر دیگا کہ سب کے
سب لوگ دنیا کی لذت اور اسکی نعمتوں سے محروم ہی
ہوجائیں گے اور یہ سلسلہ عذاب کا جاکر ختم ہوگا آخرت
کے عذاب شدید پر یعنی دنیا میں جو کچھ ہوگا وہ اس معاملہ
سے کہیں کمتر ہوگا جو اس کے ساتھ آخرت میں ہوگا اور
میں تم سے پوچھتا ہوں (اللہ تعالیٰ تمھیں مکرم بنائے) کہ تم نے
کسی شخص کو کبھی دیکھا ہو کہ وہ دوسروں کا مال غصب کر کے امیر بنجائے اور
اگر کوئی بالفرض ایسا ہو بھی ہو اور دنیا والے اسپر چند سال چند دن
ہنسے بھی ہوں اور تعم اُنکی یہ ہنسی استہزاء اور استدراجاً ہوتی ہو لیکن عنقریب ہی
ایسا بھی ہوا ہے کہ اسی دنیا نے اسپر اپنے غصے کے دانت دکھائے
ہیں اور اسکو لقمہ بنالیا ہے یا کبھی ایسا بھی ہوا کہ اس پشت میں نہ سہی تو دوسری
تیسری پشت میں باپ دادا کا اس طرح بیٹھا ہوا مال لٹ گیا ہے
اور ایسوں کی اولاد کوڑی کی محتاج ہوگئی ہے۔

(قال تعالیٰ)
فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)
سو یہ انکے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں انکے کفر کے

ظَلَمُوْا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا یُؤَخِّرُھُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْہِ الْاَبْصَارُ ۝

سبب سے بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے دانش مندوں کیلئے اور جو کچھ یہ ظالم لوگ کیا کر رہے ہیں اس سے خدائے تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھ ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی۔

فالنیۃ الصالحۃ والارادۃ الصادقۃ لھا اثرھا فی کسب المال والھدایۃ سبلہ و النیۃ الخبیثۃ جائحۃ المال ومبددۃ الثروۃ والقاضیۃ علی صاحبھا بالفقر والمتربۃ بل بالھلاک والخسار فلا تستدن الا عند الحاجۃ وان استدنت فاعزم علی الوفاء وجھد لتنفیذ العزم بتذلیل الاسباب والبحث عن مسالک المال وحذار ان تاخذ اموال الناس فی صورۃ استدانۃ وطویۃ نفسک غصب وسرقۃ وانتھاب وخیانۃ فتکون غشاشا لمن اعانک بل تکون منافقاً تبدی للناس غیر ما تضمر ولا تنس قولہ تعالیٰ

پس نیت صالح اور ارادۂ خالص کو کسب مال میں اور اس کے طرق کی جانب رہنمائی حاصل ہونے میں ایک خاص اثر اور دخل ہے اور بدنیتی مال کے حق میں ایک آفت ہے اور مالداری کو ختم کر دینے والی ہے اور یہ چیز بدنیت شخص کو فقیر بنا دیتی ہے اور اسکو خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے بلکہ خسارہ اور ہلاکت میں اسکو ڈالدیتی ہے۔ لہٰذا خبردار! تم بلا ضرورت کبھی قرض مت لینا اور اگر کبھی بالفرض لینا ہی پڑجاوے تو ادائیگی کا عزم ضرور رکھنا اور پھر اپنے عزم کو نافذ کرنے کے اسباب بھی اختیار کرنا اور مال حاصل ہونے کے جو ذرائع ہیں ان میں بھی غور و فکر کیا کرنا۔ اور خبردار ایسا ہرگز نہ کرنا کہ لوگوں کے مال پر قبضہ کرلو قرض کی شکل میں اور دل میں تمہارے یہ ہو کہ اس مال کو غصب کرلوگے یا سرقہ کرلوگے یا لوٹ لوگے اور خیانت کر جاؤگے کیونکہ اس صورت میں تو تم دھوکہ باز ثابت ہوگے اپنے معین کے حق میں کہ اسنے تو اعانت کی اور تم خیانت کر رہے ہو بلکہ منافق کہلاؤگے کہ باطن کے خلاف ظاہر کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو نہ بھولو کہ فرماتے

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا	بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم کرتا ہے کہ امانات کو اسکے اہل کو ادا کردو۔

صاحب الادب النبوی یہاں تک حدیث کے دونوں اجزاء کی تشریح کرچکنے کے بعد اب اخیر میں بطور ثمرہ اور نتیجہ کے حدیث سے جو سبق ملا ہے اس کا پھر مختصراً بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

فالحديث يحض على الاخلاص في النية وعلى اداء الحقوق ويتوعد من يضمر الشر ويستلب الاموال بالطرق الخفية وانه ليؤذن اولئك التجار الذين يملئون مخازنهم بالبضاعات يشترونها لاجل وفي نيتهم ان يعلنوا الافلاس بعد ان تمتلئ جيوبهم يوذنهم بالخسار والبوار بل يوذنهم بحرب من الله لا قبل بها فليتقوا الله في اموال الناس يرزقهم من حيث لم يحتسبوا ومن يتق الله يجعل له من امره يسراً	پس یہ حدیث نیت میں اخلاص پیدا کرنے پر ابھارتی ہے اور ادائے حقوق پر آمادہ کرتی ہے اور جو شخص کہ برائی دل میں رکھے اور لوگوں کے اموال کو پوشیدہ تدابیر سے حاصل کرے اسکو دھمکاتی ہے اور ان تاجروں کے متعلق انکا سوء صنیع بیان کرتی ہے جو کرتے یہ ہیں کہ اپنے خزانوں کو ادھار اور مقررہ وعدے پر خریدے ہوئے سامانوں سے بھر لیتے ہیں اور دل میں انکے یہ ہوتا ہے کہ جب مال جمع کرلیں گے اور جیب خوب بھر جائیگی تو دیوالیہ کا اعلان کردیں گے انکے متعلق یہ حدیث خسارہ اور ہلاکت کا اعلان کرتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی جنگ کے الٹی میٹم کی خبر دیتی ہے جس کے مقابلہ کی انکو طاقت نہ ہوگی۔ لہٰذا لوگوں کے مال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق دیں کہ وہاں کا وہم و گمان بھی نہ ہو اور جو شخص کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے معاملہ میں آسانی فرما دیتے ہیں

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے علامہ عبدالعزیز خولی مصری نے تھوڑے سے لفظوں میں کیسا اچھا وعظ کہدیا آج کل اسی قسم کے مضامین بیان کرنے کی ضرورت ہے لیکن ابناء روزگار کا یہ حال ہے کہ اس قسم کی باتیں بیان ہی نہیں کرتے اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ چونکہ اصلاح کا کام کوئی آسان کام نہیں ہے اس لئے اگر لوگ اس حدیث کی شرح بیان بھی کرنا چاہیں تو شاید زیادہ بیان بھی نہ کرسکیں اس میں انکی زبان ہی نہ چلے گی یوں اور مضامین میں گھنٹوں تقریر کرسکتے

ہیں تکرار پر کچھ نہیں۔

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض لینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قرض لیتے وقت نیت کی تصحیح کی جانب متوجہ فرمایا ہے کہ انسان اُسوقت پختہ عزم کرے کہ اسکو فوراً ادا کردیگا جب ایسا کریگا تو اسکی اس نیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوجائیگی یعنی اسکی آمدنی کے ذرائع وسیع ہوجائیں گے اور ادائیگی کی صورت نکل آئیگی اور ایسے شخص کے مال میں برکت بھی ہوگی۔ اور برکت کے معنی بہجۃ النفوس میں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ غیرضروری امور درپیش ہی نہ آویں جس میں مال خرچ ہوجائے بلکہ ضروری موقع ہی پر مال صرف ہو اسکا نام بھی برکت ہے۔

اسکے برخلاف اگر قرض لیتے وقت یا اس کے بعد نیت خراب ہوگئی تو اللہ تعالےٰ اسکو اور اسکے مال کو تلف فرمادیں گے طرح طرح کے نئےنئے خرچ اسکے سامنے آدیں گے کہیں مقدمہ کھڑا ہوجائے گا اور سب آمدنی وکیل ومختار اور اسٹامپ پر صرف ہوجائیگی یا کہیں کوئی بیماری ایسی لگ جائے گی کہ ساری کمائی حکیم وڈاکٹر اور دوا کی نذر ہوجائیگی اس کا نام بے برکتی ہے۔

لیکن اس قسم کے لوگ اسکو بجائے عیب کے کمال سمجھتے ہیں اور ہوتا تو ہے یہ سب وبال اور یہ لوگ ایسا کرکے اپنے کو ہوشیار بھی سمجھے جاتے ہیں حالانکہ مشاہدہ شاہد ہے کہ اسطرح سے جمع کی ہوئی رقم پھلتی پھولتی نہیں اگر ایک پشت کوئی اس سے منتفع بھی ہوا تو دوسری یا تیسری پشت پر اسکا اثر ضرور ہی پڑجاتا ہے اور باپ دادا کی اولاد کوڑیوں کی محتاج ہوجاتی ہے۔

قرض کی ادائیگی کیلئے فکر اور عزم نہایت ضروری ہے اور تجربہ ہے کہ جس پر فکر ادائیگی سوار ہوجاتا ہے اسکا قرض ادا بھی ہوجاتا ہے اور جن لوگوں کا قرض ادا نہیں ہوتا اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل انکو اسکی فکر ہی نہیں ہوتی۔

پھر ادائیگی کے لئے اسکا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ جب زیادہ سی رقم ہوجائے تب ہی ادا کرے اس طرح سے کبھی ادا نہ ہوگا بلکہ جزئی طور پر جو کچھ بھی پاس موجود ہو اسکو ادا کردے پھر تھوڑا سا ہوا اسکو ادا کردے اسی طرح کرتے کرتے قرض میں کمی اور اسکی ہمت میں ترقی ہوتی ہی جائیگی یہاں تک ایکدن اس سے بالکلیہ نجات پا جائے گا۔

ایک بداخلاقی عام طور سے مدیون کی جانب سے یہ ہوتی ہے کہ وہ جب وقت پر ادا

نہیں کر پاتا تو وہ اُن سے بھاگنے اور منھ چھپانے لگتا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے اسکو اور شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید میرا مال مارنا چاہتا ہے اور اسکی وجہ سے تعلقات پر برا اثر پڑتا ہے القرض مقراض المحبۃ اسی اعتبار سے کہا گیا ہے بلکہ اسکو یہ چاہیئے کہ وعدہ پورا ہونے کے بعد اگر ادا نہ کر سکے تو اس سے معذرت خواہ ہو اور مزید مہلت مانگے اسمیں بھی گو دائن کو قدرے ناگواری ہوگی تاہم پہلی صورت سے تو اسکی برائی بہت کم ہے اور اگر بالفرض غصہ میں صاحب حق کچھ کلمات بھی کہدے تو مدیون کو اسے برداشت کرنا چاہیئے کیونکہ حدیث میں ہے "فان لصاحب الحق مقالاً" - اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم -

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ ایسے نادھند ہوتے ہیں کہ باوجود قدرت اور استطاعت کے قرض ادا کرنا گویا جانتے ہی نہیں انکو یہ سمجھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مطل الغنی ظلم" صاحب مال کا ٹال مٹول کرنا ظلم کی بات ہے -

لین دین کا زیادہ تر سابقہ چونکہ تاجروں کو پیش آتا ہے اور یہ لوگ بھی معاملات میں بے احتیاطی کرتے اسی لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ التجار ھم الفجار یعنی یہ تاجر لوگ (بالعموم) فاجر ہی ہوتے ہیں لیکن اسمیں رہتے ہوئے اگر کوئی اپنے آپ کو ان برائیوں سے جو عام تاجروں میں ہوتی ہیں بچالے جائے تو واقعی یہ اسکا غایت تقوی اور بڑا ہی کمال ہے اس لیئے انکا مرتبہ بھی زیادہ ہے چنانچہ ایسوں کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تاجر صدوق امین قیامت میں انبیاء اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ہونگے -

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ادائے حقوق کے بارے میں آج مسلمانوں سے جو کوتاہی ہو رہی ہے وہ سب کو معلوم ہی ہے - ذرائع آمدنی میں سے سب سے سہل اور آسان ذریعہ آج یہی قرض تھا لیکن اپنی بدعقلی اور کم فہمی کیوجہ سے مسلمانوں نے اسکو بھی اپنے اوپر بند کر لیا یعنی قرض کے سلسلے میں لوگوں نے صاحب حق کو ایسا دق اور پریشان کیا ہے کہ جس کے پاس سے ایک دفعہ قرض لیکے آتے ہیں وہ دوبارہ دینے کے لئے کان پکڑ لیتا ہے اس طرح سے اس باب کو بھی انھوں نے اپنے اوپر بند کر لیا ہے حالانکہ آدمی جب یہ سمجھتا ہے کہ آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے بجز ایک ذریعہ کے تو ایسی صورت میں تو اسکو اس ذریعہ کا بڑا ہی خیال اور لحاظ رکھنا چاہیئے کہ اسمیں کوئی گڑبڑی نہ ہونے پائے اور اسکے حقوق میں فرق نہ پڑنے

مگر اسکی بھی فکر نہیں۔

انسان کو ضرورت پیش آتی ہی ہے اور بعض مرتبہ وہ قرض لینے پر مجبور بھی ہو جاتا ہے ایسی صورت میں کوئی اللہ کا بندہ ثواب کے خیال سے قرض دیدیتا ہے جس سے اُسکو بھی ثواب ملتا ہے اور اسکا کام بھی چلتا ہے لیکن جب لوگ اپنا اعتبار ہی کھو دیں گے تو اسکا انجام یہ ہوگا کہ انکی وجہ سے دوسرے نیک لوگوں کا بھی اعتبار چلا جائیگا ؎

چو از قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

یہ کہہ رہا ہوں کہ یہی تو ایک ذریعہ مسلمانوں کے پاس آمدنی کا رہ گیا تھا مگر اس کو بھی ان نادھندوں نے اپنے اوپر بلکہ سب کے اوپر بند کر دیا۔ ع

ہرچہ گیرد علتی علت شود

حالانکہ حدیث شریف سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض لینا منع نہیں ہے بلکہ ضرورت پر جائز ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غایت شفقت علی الامۃ سے اسکی ادائیگی کا طریقہ بھی بتا دیا جو کتنا سہل اور آسان ہے وہ یہ کہ جب ضرورت پر قرض لے تو اسی وقت اسکی ادائیگی کی نیت اور پختہ عزم کرے اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سبیل نکالدیں گے اب کون سی مشکل بات ہے پھر لوگ ان تعلیمات رسولؐ پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ آدمی عمل اسوقت کر سکتا ہے جب اسکو کسی چیز کا علم ہو اور علم جب ہو کہ کوئی بیان کرے اور اس زمانہ میں ان اصلاحی چیزوں کو بیان ہی نہیں کیا جاتا ہے

حالانکہ جس طرح سے لوگ آخر نماز روزہ کا ذکر کرتے ہیں تو لوگوں پر اسکا اثر ہوتا ہے اور بہت سے اللہ کے بندے سن کر عمل بھی کرتے ہیں اسی طرح سے اگر اخلاق کا اور نفس کی برائیوں کا بھی بیان کیا جائے تو ایسا نہیں ہے کہ کچھ لوگ بھی اسکی قدر کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے نہ نکلیں۔

میں تو دیکھتا ہوں کہ لوگ ان مضامین کو بھی نہایت توجہ کے ساتھ سنتے ہیں اور بہت سے لوگ عمل بھی کرتے ہیں مگر انکو بتایا ہی نہیں جاتا۔ لہٰذا اس زمانہ میں میرے نزدیک اسی قسم کے مضامین کا بیان کیا جانا نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ و رسولؐ سے بڑھکر اخلاقیات کی تعلیم اور امت کی تربیت کون کر سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر ایک ارشاد آدمی دل سے سمجھ لے تو ازالۂ مرض کیلئے کافی دوا فی ہے۔

صاحب الادب النبوی نے اسی کتاب میں پانچویں حدیث علامات النفاق کا عنوان قائم کر کے یہ نقل فرمائی ہے کہ "اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً الحدیث" جس میں خیانت، کذب، غدر اور فجور فی الخصومۃ کو علامتِ نفاق فرمایا گیا ہے۔

ان صفات بد کے متعلق صاحب کتاب فرماتے ہیں:۔

وحقا انہا لکبائر موبقۃ وجرائم مردیۃ لا تصدر عن مومن ملأ ایمان قلبہ

یعنی حق یہ ہے کہ یہ سب ایسے کبائر ہیں جو مہلک ہیں اور ایسے جرائم ہیں جو تباہ کر دینے والے ہیں اور انکا صدور کسی ایسے شخص سے کہ جس کے قلب میں ایمان بھرا ہوا ہو نہیں ہو سکتا۔

اسی حدیث کی شرح سے فارغ ہو کر آخر میں لکھتے ہیں کہ

والحدیث دعامۃ کبیرۃ من دعائم الاخلاق التی ترتکز علیہا عزۃ الامم وسعادتہا۔

یعنی یہ حدیث اخلاق کے ان ستونوں میں سے ایک بڑا ستون ہے جن پر امم کی عزت اور سعادت قائم ہوتی ہے یعنی جسطرح ستون پر بنا قائم ہوتی ہے اور اسکے انہدام سے منہدم ہو جاتی ہے اسیطرح امم اور اقوام کی عزت دنیوی اور اسکی سعادت اخروی انہی پر قائم ہے اسکے خلاف میں وہ دونوں منہدم نظر آ رہے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ خولیؒ نے یہ دونوں باتیں نہایت ہی عمدہ بیان کی ہیں واقعی یہ حدیث ایسی ہی ہے لیکن میں نے جو حدیث ادائے حقوق سے متعلق ابھی بیان کی ہے وہ کچھ کم اہم نہیں ہے۔ آج عام طور سے مسلمان اسی قسم کی بدمعاملگی کے شکار ہیں کسی سے قرض لیکر نہ دینا تو معمولی سی بات ہے لوگ ایسا بھی کرتے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا کہ لیتے تو ہیں قرض کے نام سے اور دل میں انکے اسی وقت غصب، سرقہ، انتہاب اور خیانت کا خیال پوشیدہ رہتا ہے جو کہ عین نفاق ہے۔ قوم آج اپنی انھیں بداخلاقیوں کیوجہ سے ذلیل وخوار ہوتی جا رہی ہے مگر کچھ احساس نہیں ہے مخلوق کے نزدیک بے اعتبار ہو گئی ہے اور دنیا و دین کی ہر قسم کی سعادتوں سے محروم ہو گئی ہے جس کا انجام یہ ہوا کہ گویا قوم ہی ختم ہو گئی کیونکہ کسی قوم کا وجود اسکے اخلاق ہی سے سمجھا جاتا ہے اور جس قوم میں اخلاق ہی نہ ہوں وہ کچھ بھی نہیں ہے ۔

وانما الامم بالاخلاق ما بقیت فان ھم ذھبت اخلاقھم ذھبوا

امتیں اور قوم اخلاق سے ہوا کرتی ہیں جب کسی قوم کے اخلاق ہی ختم ہو جائیں تو سمجھ لو کہ وہ قوم ہی ختم ہو چکی اسلئے علامہ خولیؒ کے ان اخیر کے جملوں کو میں یہاں بھی دہراتا ہوں کہ حدیث بھی اخلاق کے ستونوں میں سے ایک ایسا ستون ہے جس پر انکی عزت وسعادت کا دار و مدار ہے۔ اسی پر عمل نہ کرنے سے عزت وسعادت دونوں رخصت ہو گئی جب مسلمان اس پر عامل تھے تو عزت اور سعادت انکے قدم چومتی تھی اور جب سے کہ انھوں نے اسکو ترک کر دیا عزت کی جگہ ذلت اور خواری لازم حال ہو گئی ہے۔

اور اس حدیث کے متعلق یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ سب باتیں کہ قرض لیکر نہ دے یا مال ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرے یا ظاہر تو قرض کرے اور دل میں خیانت کو پوشیدہ رکھے یہ سب امور ایسے ہیں کہ اس شخص سے جسکا قلب ایمان سے بھرا ہوا ہو صادر ہی نہیں ہو سکتے۔ سبحان اللہ کس قدر موثر کلام ہے۔ واقعی اگر کسی کے اندر غیرت ایمانی اور قلب میں اسلام کی شرم ہو تو آدمی ان بد اخلاقیوں کے پاس تک نہ پھٹکے۔

اخیر میں ایک حدیث شریف اور اسکا ترجمہ بیان کر کے مضمون کو ختم کرتا ہوں وھو ھذا

عن حکیم بن حزام قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعطانی ثم سالتہ فاعطانی ثم قال یا حکیم ان ھذا المال خضر حلو فمن اخذہ بسخاوۃ نفس بورک لہ فیہ ومن اخذہ باشراف نفس لم یبارک لہ فیہ وکان کالذی یاکل ولا یشبع والید العلیا خیر من الید السفلی قال حکیم فقلت یا رسول اللہ والذی بعثک بالحق لا ارزء احداً بعدک شیئاً حتی افارق الدنیا

حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مال کا سوال کیا تو آپ نے مجھے مرحمت فرمایا۔ میں نے پھر سوال کیا آپ نے مزید عطا فرمایا۔ اور فرمایا کہ دیکھو یہ مال بھی دیکھنے میں تو بہت سرسبز شاداب اور شیریں چیز ہے لہٰذا جو شخص اس کو سخاوت نفس (یعنی زہد) کے ساتھ لے تو اس میں اسکو برکت دی جاتی ہے اور جو شخص اسکو اشراف النفس (حرص) سے لیتا ہے تو اسکے ساتھ برکت نہیں کیجاتی اور یہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص کھاتا چلا جائے اور پیٹ نہ بھرے اور (یاد رکھو) اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) نیچے کے ہاتھ (یعنی لینے والے ہاتھ) سے بہتر ہوتا ہے حکیم کہتے ہیں کہ

وکان ابو بکرؓ یدعو حکیما لیعطیہ العطاء فیابی ان یقبلہ منہ شیئا ثم ان عمرؓ دعاہ لیعطیہ فابی ان یقبلہ فقال یا معشر المسلمین اشہدکم علی حکیم انی اعرض علیہ حقہ الذی قسم علیہ فی ھذا الفیئ فیابی ان یاخذہ فلم یرزا حکیم احداً من الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی توفی (متفق علیہ)	میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپکے بعد کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کروں گا مرتے دم تک چنانچہ ایسا ہی کیا حضرت ابو بکرؓ اپنے زمانہ میں انکو بلاتے تھے عطیہ دینے کیلئے یہ اسکے لینے سے انکار کرتے تھے پھر حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں بلایا کہ کچھ دیدیں مگر نہیں لیا پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ اے لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے حکیم کا حق جو مال غنیمت میں انکا ہوتا ہے انکے پیش کیا مگر انھوں نے اسکے لینے سے انکار کیا غرضیکہ حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پھر تا زندگی کسی سے سوال ہی نہیں کیا ان سبحان اللہ

دیکھئے! اس میں مال کے باب میں تربیت نبوی کا کتنا عمدہ نمونہ موجود ہے اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین۔

یعنی
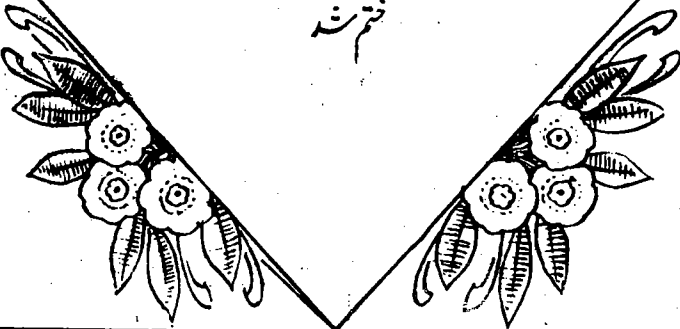
دوستی اور عداوت کا شرعی معیار

از افاضات

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد ۔ پیش نظر رسالہ مصلح الامت مرشدی ومولائی حضرت شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کی ایک تازہ تصنیف ہے جس میں صداقت وعداوت یعنی دوستی اور دشمنی کا شرعی اصول بیان کیا گیا ہے اور دلائل نقلیہ اور عقلیہ کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسی معیار کے نہ اختیار کرنے کی وجہ سے آج مسلمان گوناگوں دینی ودنیوی پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور طرح طرح کے نقصانات کے شکار ہیں ۔ اصلاح معاش اور معاد کیلئے اس دینی معیار کا برتنا بھی ضروری ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

والسلام

۱۵ / شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ

عبدالرحمن جامی عفی عنہ

۲۳ ۔ روشن باغ ۔ الہ آباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ ناظرین باتمکین کی خدمت میں عرض ہے کہ آج کل جو لوگ بزرگوں کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں اکثر ان لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں ایک ضیق اور تنگی پیش آتی ہے اور یہ ضیق بزرگوں ہی کو نہیں پیش آتی بلکہ ان آنے جانے والوں کو بھی پیش آتی ہے۔ آنے والوں کو تو اس سبب سے پیش آتی ہے کہ ان کے ساتھ ان کے گمان کے موافق یہاں شاید معاملہ نہ کیا جاتا ہو اور بزرگوں کو اس سبب سے پیش آتی ہے کہ ان لوگوں کی نسبت یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جائے یعنی دوست ہیں تو دوستی کا برتاؤ کیا جائے ورنہ دوسرا برتاؤ کیا جائے۔ اس ضیق کا سبب یہ ہوتا ہے کہ انکے آنے جانے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ معتقد اور محب ہیں لیکن معتقدین اور محبین کی باتیں نظر نہیں آتیں لہذا ان کا یہ آنا جانا صرف ایک رسمی ہی سا رہ جاتا ہے جسکی نہ تو عقل کے نزدیک کوئی وقعت ہے اور نہ دین ہی میں اسکا کچھ اعتبار ہے جیسا کہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:۔

فاعلم ان عقد الاخوۃ لم ینعقد بعد فی الباطن وانما الجاری بینکما مخالطۃ رسمیۃ لا وقع لها فی العقل والدین	جان لو اگر وہ عقد اخوت (یعنی دوستی کا تعلق) جو قلب سے ہے نہ ہو تو تمھارے درمیان جو کچھ جاری ہے وہ محض ایک رسمی ہی میل جول ہے جس کا نہ تو عقل کے نزدیک کوئی اعتبار ہے اور نہ دین ہی میں اسکی کچھ وقعت ہے۔
(احیاء العلوم ص۱۴۹ ج۲)	

پس لوگوں کے ان حالات سے جو ضیق ہوتی ہے اسکی وجہ سے ملنے ملانے میں بجائے لطف کے ایک بدمزگی کی سی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور میرا تو یہ خیال ہے کہ اس قسم کی ضیق اس زمانہ میں قریب قریب سبھی کو پیش آتی ہے چنانچہ میں ایک عرصہ تک اسکی جانب سے ایک تنگی میں مبتلا رہا

لیکن ایک حدیث نظر سے گذری اس سے الحمدللہ یہ مشکل حل ہوئی اور اسوقت سے ذہنی اور اعتقادی طور پر یہ ضیق رفع ہوئی اسلئے ارادہ ہوا کہ اسکو عام طور پر سب کو سمجھا دیا جائے چنانچہ وہ حدیث حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے :۔

ان عبد اللہ بن عقبۃ قال سمعت عمر بن الخطابؓ یقول ان اناسا کانوا یوخذون بالوحی فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الآن بما ظھر لنا من اعمالکم فمن اظھر لنا خیراً امناہ وقربناہ ولیس الینا من سریرتہ شئی اللہ یحاسب فی سریرتہ ومن اظھر لنا سوءً لم نامنہ ولم نصدقہ وان قال ان سریرتہ حسنۃ۔

(بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں تو وحی کے ذریعہ لئے جاتے تھے (یعنی اسی کے مطابق انکے ساتھ معاملہ کیا جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد اور آپکا انکے ساتھ کوئی معاملہ فرمانا سب وحی ہی سے ہوتا تھا) اور اب وحی کا سلسلہ تو بند ہو چکا ہے لہٰذا اب ہم تم کو تمھارے ظاہری اعمال ہی سے لیں گے (یعنی اسی کے مطابق تمھارے ساتھ برتاؤ کریں گے مطلب یہ کہ اس زمانہ میں تو وحی کیوجہ سے مخلص مسلمان منافق سے ممتاز تھے اور وحی ان دونوں میں مابہ الامتیاز تھی اور اب ظاہری اعمال مابہ الامتیاز ہیں) پس جو شخص ہم سے خیر (یعنی ایمان اور عدالت) ظاہر کرے گا تو ہم اس سے امون ہوں گے اور اسکو اپنا مقرب بنائیں گے اور اسکے باطن کی تحقیق ہمارے ذمہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ اسکے باطن کا حساب فرمائینگے اور جو شخص ہم سے سوء (اور ایک روایت میں ہے شر اور قرینہ تقابل سے اس سے مراد غیر ایمان اور غیر عدالت ہوگا) ظاہر کریگا تو ہم اس سے مامون اور مطمئن نہ ہوں گے اور اسکی تصدیق نہ کریں گے اگرچہ وہ کہے کہ میرا باطن اچھا ہے

(ایک تو اس لئے کہ یہ خداع ہے نیز اس لئے کہ سریرہ تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے دوسرے اس لئے کہ اس کا ظاہر اسکا مکذب ہے باقی وہ فرق ضالہ باطلہ مثلاً آغا خانی یا قادیانی وغیرہ جو زبان سے اسلام کا دعوے کرتے ہیں لیکن انکے اقوال اور اعمال میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو اسلام کے بالکل خلاف ہوتی ہیں بلکہ ان سے ضروریات دین کا انکار

ہو جاتا ہے تو علماء کا انکی تکفیر کرنا حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس حدیث کے عین مطابق ہے اور یہ کسی کے سریرہ پر حکم لگانے کے قبیل سے بھی نہیں ہے کیونکہ جو آثار کفریہ یعنی اقوال اور افعال ان سے ظاہر ہوئے ہیں انہی کو لیا گیا ہے اور انکے ہوتے ہوئے دعوئ اسلام کو قبول نہیں کیا گیا کہ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ شر اور سوء کے ظہور کے بعد ہم تصدیق نہیں کریں گے اگر چہ وہ کہے کہ میرا باطن اچھا ہے۔ اور یہی مطلب ہے حضرت حذیفہؓ کے اس ارشاد کا جس میں ہے کہ "نفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اور اب یا تو کفر ہے یا ایمان ہے۔" کیونکہ نفاق کا تعلق تو قلب سے ہے جس کا حال معلوم نہیں ہو سکتا لہٰذا اب ظاہری اقوال اور اعمال ہی کی بنا پر کسی کو مومن یا کافر سمجھیں گے)

دیکھا آپ نے حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد مخلص و منافق دوست و دشمن اور موافق و مخالف کے معیار میں کس قدر واضح ہے۔ مشائخ معتبرین کا عمل اسی پر رہا ہے کہ جب کسی سے کوئی عمل شر کا صدور ہو جاتا ہے تو اسی کو لیتے ہیں اور پھر اسکے خلاف نیت اور باطن کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ جب تک صدور اعمال خیر کا ہوتا رہے تو باطن کی تفتیش نہیں کرتے پس ان دونوں حالتوں میں یہ حضرات کس قدر پابند شریعت اور متبع سنت ہیں سبحان اللہ اس حدیث کی شرح میں صاحب فتح الباریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وفی روایۃ ابی فراس عن عمرؓ عند الحاکم انا کنا نعرفکم اذ کان فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا لوحی ینزل واذ یأتینا من اخبارکم وفیہ ایضاً الا ومن یظہر منکم خیرا ظننا بہ خیراً واحببناہ علیہ ومن یظہر لنا شرا ظنناہ بہ شرا وابغضناہ علیہ سرائرکم فیما بینکم وبین ربکم (فتح الباری ج ۵)	حاکم نے ابو فراس کی روایت میں حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں "بیشک ہم تم لوگوں کو اس وقت پہچانتے تھے جبکہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور وحی نازل ہوتی تھی اور تمہاری خبریں ہمکو ملتی رہتی تھیں اسی روایت میں ہے کہ سن لو! جو شخص تم میں سے خیر ظاہر کریگا تو ہم بھی اسکے ساتھ حسن ظن رکھیں گے اور اسکو مقرب بنائیں گے اور جو شخص ہم سے شر یعنی برائی ظاہر کریگا تو ہم بھی اسکے ساتھ گمان بد رکھیں گے اور اس سے بغض رکھیں گے، رہا باطن کا معاملہ تو تم جانو تمہارا رب جانے یہ تمہارے اور اسکے درمیان ہے۔

اس حدیث کے سب طرق کو جمع کرنے سے اور ان میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں اس سے یہ ضیق رفع ہو گئی اس طرح سے کہ اسمیں ایک فریق سے محبت رکھنے کو، اسکو مقرب بنانے کو، معتمد بنانے کو اور اسکے ساتھ حسن ظن رکھنے کو فرماتے ہیں اور دوسرے فریق سے بغض رکھنے کو، اسکی تصدیق نہ کرنے کو، اس سے مامون نہ ہونے کو اور اس سے سوء ظن رکھنے کو فرماتے ہیں اور اسکا مدار اسی کے ظاہری اعمال کو قرار دے رہے ہیں۔

پس اس حدیث میں ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ رکھنے اور برتاؤ کرنے کو نہیں بتلایا گیا ہے بلکہ ہر ایک کے ساتھ اسکے حال کے مطابق معاملہ کرنے کو مامور بہ اور شرعی حکم بتایا گیا ہے اور یہ جو آج کل یکساں برتاؤ رکھنے کا معمول ہے اور اسی کو اخلاق شرعی سمجھتے ہیں یہ حدیث اس ذہنیت کا رد کر رہی ہے اور یہ تنگی جو بیان کر رہا ہوں بزرگوں ہی کو نہیں پیش آتی بلکہ تمام عوام و خواص بلکہ ہر شخص کو اس ظاہر و باطن اور لسان و قلب کے اختلاف کے دور میں پیش آ رہی ہے اور اس سے طرح طرح کے نقصانات کے سب شکار ہو رہے ہیں اور یہ کسی کے بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکا سبب کیا ہے؟ میں بتلاتا ہوں کہ اسکا سبب یہی اختلاف ہے جو اوپر ذکر ہوا اور اس کا علاج اس حدیث میں ہے عمل کیجئے اور فائدہ دیکھئے ورنہ اس کے نتائج بد کے شکار رہیئے۔

اب فقہا نے جو اس حدیث سے استنباط کیا ہے اسکو سنیئے بخاریؒ اس حدیث کو باب الشهداء العدول وقول الله تعالیٰ واشهدوا ذوی عدل منکم وممن ترضون من الشهداء میں لائے ہیں جس سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ بعد انقطاع وحی ظاہری اعمال کی شہادت کافی ہو گی اور اسکے موافق عملدرآمد کیا جائے گا اور یہ کافی و وافی ہے اس کے وضوح کیلئے چند جزئیات فقہیہ بطور مثال کے بیان کرتا ہوں۔

وفی الملتقط صبی احتلم لا اقبل شهادته مالم اسئل عنه ولابد ان یاتی بعد البلوغ بقدر ما یقع فی قلوب اهل مسجده ومحلته کما فی الغریب انه صالح

ملتقط میں کسی کا قول نقل کیا ہے کہ لڑکا جو کہ بالغ ہوا ہے تو جب تک میں اسکے حالات دریافت نہ کرونگا اسکی شہادت قبول نہیں کروں گا اور بعد بلوغ کے بھی اتنی مدت توقف کرنا چاہیئے جتنے میں کہ اہل مسجد اور اسکے اہل محلہ کے قلوب میں اسکا صالح یا غیر صالح ہونا ثابت ہو جائے اور یہی حکم مسافر کا بھی ہے یعنی کچھ دنوں

او غیرہ (بحر ج ۷) کے بعد ہی اسکا اعتبار کیا جائے گا۔

دیکھئے فقہا کے اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا اعتبار اسوقت کیا جائے گا جبکہ اسکے ظاہری حالات سے قلوب میں اسکی اصلاح اور دینداری کا یقین قائم ہو جائے چنانچہ بالغ ہونے کے بعد ہی فوراً لڑکے کی گواہی نہیں قبول کیگئی بلکہ کچھ دنوں کے بعد جب اسکا نمازی ہونا، نیک ہونا اور فسق و فجور کی باتوں سے دور رہنا اچھی طرح ثابت ہو گیا تب اسکو قابل شہادت قرار دیا گیا۔

اور میرے خیال میں یہاں اس میں اتنی قید ضروری ہے وہ یہ کہ اہل محلہ اور اہل مسجد بھی متدین لوگ ہوں ورنہ انکا بھی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ آجکل بستی کی بستی اہل صلاح سے بغض و نفرت رکھتی ہے اور انکی غیبت اور عیب جوئی کرتی ہے اور میرے اس خیال کی تائید فقہا کے کلام سے ہوتی ہے بحر میں ہے کہ:۔

وینبغی للقاضی ان یختار فی المسئلہ عن الشھود من ھو اخبر باحوال الناس و اکثرھم اختلاطاً بالناس مع عدالتہ عارفاً بما لا یکون جرحاً وما یکون جرحاً غیر تابع ولا فقیر کیلا یخدع بالمال فان لم یکن فی جیرانہ ولا اھل سوقہ من یثق بہ سال اھل محلتہ وان لم یجد فیھم ثقہ اعتبر فیھم تواتر الاخبار وخص فی بزازیہ السوال من الاصدقاء

(بحر ج ۵ ص ۲۴)

قاضی کو چاہئے کہ شہود کے حالات دریافت کرنے کیلئے ایسے اشخاص کا انتخاب کرے جو لوگوں کے حالات سے باخبر ہوں اور انکے ساتھ زیادہ اٹھتے بیٹھتے ہوں اور ساتھ ہی ساتھ عادل بھی ہوں اور یہ جانتے ہوں کہ کن باتوں کے ہونے سے انسان عادل رہتا ہے اور کن امور کی وجہ سے اسکی عدالت ختم ہو جاتی ہے اور فقیر اور لالچی نہ ہوں تاکہ مال کے ذریعہ انکو دھوکا نہ دیا جا سکے پس اگر اسکے پڑوسیوں اور بازار کے ساتھیوں میں ایسے ثقہ لوگ ہوں تو پھر اسکے محلہ والوں سے دریافت کرے اور اگر ان میں بھی کوئی ثقہ نہ ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ عام طور پر لوگ اسکو کیسا سمجھتے ہیں اور بزازیہ میں ہے کہ صرف اسکے دوست احباب سے اس کے حالات معلوم کئے جائیں گے۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ کسی شخص کے پڑوسی یا بازار کے احباب ہو سکتا ہے کہ ثقہ

نہ ہوں اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی محلہ کا محلہ یا بستی کی بستی ایسے لوگوں سے خالی ہو جنکی شہادت شرعاً معتبر ہے اسی لئے میں نے کہا تھا کہ کسی شخص کے بارے میں اسکے اہل مسجد اور اہل محلہ کی شہادت اسی وقت معتبر ہے جبکہ یہ لوگ خود بھی ثقہ ہوں ورنہ ان سے نہ تحقیق کیجا دیگی بلکہ دوسروں کا انتخاب کیا جائے گا۔

آج ہم مسلمانوں کے حالات جو دیکھتے ہیں تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نہ صرف مسجد اور محلہ بلکہ بستی کی بستی اور قریہ کا قریہ ایسے ہی لوگوں سے بھرا ہوا ہے شرعاً جنکی شہادت مقبول نہیں اور مزید افسوس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں علم اور اہل علم کی کمی نہیں۔ گاؤں گاؤں مدرسے قائم ہیں لیکن عملی کساد بازاری کا یہ حال ہے کسی بستی سے ایسے دو چار آدمی بھی دستیاب نہیں ہوتے جو شرعی اصول پر ہلال و نکاح و دیگر معاملات میں شرعی شاہد بن سکیں۔ حالت تو یہ ہے لیکن اس پر ستم یہ ہے کہ آج کوئی عالم لوگوں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمہاری گواہی معتبر نہیں ہے اور اگر کسی نے کہدیا تو پوری قوم اسکی مخالف ہو جاتی ہے اور اسکو برا بھلا کہنے کے درپے ہو جاتی ہے۔ ایک طرف تو قوم کی بدعملی کا یہ حال ہے مگر دوسری جانب انکے علماء سے تکبر کا بھی یہ حال ہے کہ انکی اصلاحی باتیں بھی انکو ناگوار اور ناپسند ہیں جہاں کسی عالم نے انکی جہالت پر انکو ٹوکا تو کہتے ہیں کہ دیکھئے صاحب! ہم کو کہتے ہیں ہم لوگوں نے کچھ پڑھا لکھا ہی نہیں بالکل جاہل ہیں اور فسق و فجور کا یہ حال ہے کہ ہماری شہادت بھی معتبر نہیں ہے۔ پھر بھی ہم کو کہتے ہیں۔ (قل ہ نقل کرنا حضرت والا کا یہ مخصوص طرز تھا و طنز ملیح ہے) اور یہ کہتے ہیں کہ جاؤ جاؤ تم جیسے نہ معلوم کتنے عالم آئے اور ہم لوگوں کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے مگر ہم لوگوں نے انکو تو مانا نہیں پھر تم کو کس طرح سے مان لیں۔ (ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ قوم کی ربا و سرکشی جو اس زمانہ میں علماء سے ہے اسکی کس قدر صحیح تصویر ہے زبان قال سے اگر کوئی نہ بھی کہے مگر اسکی زبانِ حال تو یقیناً ناطق ہے ناقل عفی عنہٗ)۔

میں پوچھتا ہوں کہ آج جاہل کا کسی عالم کے ساتھ اس قسم کا تکبر کرنا کیا جائز ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیوں کیا جاتا ہے؟ عالم کو تو اللہ تعالےٰ نے وہ مرتبہ دیا ہے کہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ عالم جس شخص کی جانب سے سکوت اختیار کریگا تو اسکا سکوت ہی اسکی تعدیل کے حکم میں ہوگا۔ بحرالرائق میں ہے کہ

ویکتفی بالسکوت من اھل العلم والصلاح سکوتہ تزکیۃ للشاھد (بحر۔ ج، ص) | اہل علم اور اہل صلاح کی جانب سے سکوت پر اکتفا کیا جائے گا اور انکا سکوت ہی شاہد کے حق میں تزکیہ شمار ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل صلاح و اہل علم کی کسی کی جرح و تعدیل سے سکوت اختیار کرنا ہی اسکی تعدیل اور توثیق کیلئے کافی ہے اور یہ دلیل بنے گی اسکی عدالت کی۔ فقہاء تو یہ کہتے ہیں اور اب یہ خربطہ ہو گیا ہے کہ جہلاء اپنے کو اہل جرح و تعدیل سمجھتے ہیں اور اپنے ہی سکوت کو دلیل قرار دیتے ہیں اہل علم و صلاح کی تعدیل و توثیق کی۔ ع۔ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

اور سنیئے!

قال محمد کم من رجل اقبل شھادتہ ولا اقبل تعدیلہ یعنی ان الشھادۃ علی الظواھر ولا کذلک التعدیل فیشترط لجوازھا شروط۔ | امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے آدمی ہیں کہ میں انکی شہادت تو قبول کرونگا لیکن انکی تعدیل نہ قبول کرونگا۔ یعنی شہادت ظاہر کے اعتبار سے ہوتی ہے بخلاف تعدیل کے۔ پھر شہادت کے جواز کیلئے چند شرائط ہیں۔

الاول ان تکون الشھادۃ عند قاض عدل عالم۔ الثانی ان تعرفہ وتختبرہ بالشرکۃ او معاملتہ او سفر۔ الثالث تعرف انہ ملازم للجماعۃ۔ الرابع ان یکون معروفا بصحۃ المعاملۃ فی الدینار والدرھم۔ الخامس ان یکون مؤدیا للامانۃ۔ السادس ان یکون صدوق اللسان۔ السابع اجتناب الکبائر۔ الثامن ان تعلم منہ اجتناب الاصرار علی الصغائر وما یخل بالمروۃ | اول یہ کہ شہادت قاضی عادل عالم کے پاس ہو دوسرے یہ کہ اسکو پہچانے اور اسکا امتحان کیے ہو شرکت سے یا معاملہ سے یا سفر میں (ساتھ رہنے سے) تیسرے یہ کہ جماعت کا پابند ہو چوتھے یہ کہ روپیہ پیسہ کے معاملہ میں صحت معاملہ کے ساتھ معروف ہو پانچویں یہ کہ امانت کا ادا کرنے والا ہو۔ چھٹے یہ کہ زبان کا سچا ہو۔ ساتویں یہ کہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتا ہو۔ آٹھویں یہ کہ گناہ صغیرہ پر اس کا اصرار نہ دیکھا جاتا ہو۔ نیز جو چیزیں کہ مروت میں مخل ہیں وہ نہ کرتا ہو

(بحر الرائق ص ج ۷)

دیکھیے یہاں امام محمدؒ نے شہادت کے صحیح اور معتبر ہونے کیلئے شاہد میں کتنے امور کے پائے جانے کو ضروری قرار دیا ہے اس سے اندازہ کیجئے کہ تعدیل جو کہ شہادت سے کہیں بڑھکر ہے اس میں کس قسم کے لوگوں کا قول معتبر ہوگا۔

نیز اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہد کی تحقیق حال کے طریقوں میں سے ایک طریقہ رفاقت سفر اور شرکت معاملہ بھی ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ جن لوگوں سے کسی کے حالات دریافت کئے جائیں گے ان میں سب سے مقدم اسکے پڑوسی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ فقہائے نے یہ ساری باتیں جو بیان کی ہیں تو وہ سب کی سب احادیث اور آثار صحابہؓ سے ماخوذ ہیں۔ چنانچہ انھیں مذکورہ امور میں سے بعض کا ذکر حضرت عمرؓ کے اس واقعہ میں بھی ہے جسے امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بیان فرمایا ہے۔ وھو ھذا

شهد عند عمرؓ شاهد فقال ائتني بمن يعرفك فاتاه برجل فاثنى عليه خيراً فقال له عمر انت جاره الادنى الذي يعرف مدخله ومخرجه قال لا فقال كنت رفيقه في السفر الذي يستدل به على مكارم الاخلاق فقال لا قال فعاملته بالدينار والدرهم الذي يستبين به ورع الرجل قال لا قال اظنك رأيته قائما في المسجد يهمهم بالقرآن يخفض رأسه طوراً ويرفعه اخرى قال نعم فقال اذهب فلست تعرفه وقال للرجل اذهب

حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص نے گواہی دی آپ نے فرمایا کہ جاؤ اپنے کسی پہچاننے والے کو لاؤ چنانچہ وہ ایک شخص کو لایا جس نے اسکی توثیق کی کہ یہ شخص اچھا ہے حضرت عمرؓ نے اس مزکی سے پوچھا کہ تم کیا اسکے پڑوسی ہو جسکی وجہ سے اسکی نقل وحرکت سے واقف ہو اس نے کہا نہیں فرمایا اچھا تو پھر کیا کسی سفر میں تمہارا اسکا ساتھ رہا ہے کیونکہ اسکے ذریعہ سے بھی کسی کے اخلاق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس نے کہا نہیں یہ بھی نہیں ہوا آپ نے فرمایا اچھا تو کیا اسکے ساتھ کبھی تمہارا روپے پیسے کا کوئی معاملہ ہوا ہے کہ اسکے ذریعہ سے بھی انسان کا تقویٰ معلوم کیا جا سکتا ہے اس نے کہا نہیں اسکا بھی اتفاق نہیں پڑا آپ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر میرا یہ خیال ہے کہ تم نے اسکو کبھی مسجد میں کھڑے ہو کر قرآن شریف گنگناتے سنا ہوگا اس طور پر کہ کبھی سر کو نیچے جھکاتا ہوگا اور کبھی اوپر اٹھاتا ہوگا اس نے کہا جی ہاں یہی بات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ تم اسکے پہچاننے والے نہیں ہو اور اس شخص سے کہا کہ

فائتنی بمن یعرفک (احیاء العلوم ص ۲۷ ج ۲) جاؤ کسی دوسرے شخص کو لاؤ جو تم کو پہچانتا ہو

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ کسی شخص کی صحیح جانچ کیلئے اسکے ساتھ سفر یا معاملات وغیرہ کا تجربہ بھی ضروری ہے باقی صرف کسی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لینا تو اس زمانہ میں بھی توثیق و تعدیل کیلئے کافی نہ تھا تو پھر اس زمانہ میں جبکہ ظاہر و باطن کا اختلاف عام ہو گیا ہے محض اسکی وجہ سے کسی پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے آج اسی کے سبب سے بہت لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے۔

الغرض جس ضیق کے رفع کا میں نے شروع میں بیان کیا تھا اسکا خلاصہ عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ:-

"جن کی صداقت اور دوستی معلوم ہے ان سے صداقت کا معاملہ کرنا شرعاً ضروری ہے اور جنکی عداوت معلوم ہے دوستی کا برتاؤ ان کے ساتھ نہ کیا جائے مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی البتہ جائز ہے اور جن کا حال دوستی و دشمنی کا معلوم نہیں ہے تو خصوصی برتاؤ اور انکا اعتبار کر لینے کا انسان مکلف نہیں ہے یہی شرعی معیار ہے۔"

بزرگان دین کا تعامل بھی اسی پر معلوم ہوتا ہے چنانچہ شیخ مصلح الدین شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

دامش مدہ آنکہ بے نماز است گرچہ دہنش ز فاقہ باز است

او فرض خدا نمی گزارد از قرض تو نیز غم ندارد

یعنی اس شخص کو قرض مت دو جو کہ بے نمازی ہے اگرچہ اسکا منہ فاقہ کیوجہ سے کھلا ہوا ہو کیونکہ وہ جب خدا تعالیٰ کا فرض نہیں ادا کرتا تو اسکو تمہارے قرض کی کب فکر ہوگی ؎۔ اسی طرح سے یہی حضرت شیرازیؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:-

---

؎ بطور مزاح کے فرمایا کہ فرض میں تو ایک ہی نقطہ ہے جب اسکو نہ ادا کیا تو قرض جسمیں دو نقطے ہیں اسکو بھلا کیا ادا کریگا۔ نیز شیخ کے اس شعر سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس میں بے رحمی کی تعلیم ہے کہ ایک شخص تو فاقہ سے مر رہا ہے اور شیخ اسکو قرض کی امداد بھی منع فرما رہے ہیں جواب یہ ہے کہ حضرت شیرازیؒ قرض دینے سے منع فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ یوں کہیگا کہ مجھے کچھ روپیہ دیدو میں فلاں وقت دیدونگا جو ایک وعدہ ہے تو جو شخص خدا تعالیٰ کا حق ادا نہ کرے وہ تمہارے وعدہ کا بھی پاس و لحاظ نہ کریگا لہٰذا اسکے وعدہ کا اعتبار کر کے اسکو قرض کے نام سے کچھ مت دینا باقی یوں بطور امداد و صدقہ کے بھی کچھ مت دو اسکی تو شیخ ممانعت فرما نہیں رہے ہیں صدقہ کے طور پر جتنا چاہیئے دیجئے مگر واپسی کی امید اور وعدہ پر اعتماد کر کے ایسے شخص کو دینا بلاشبہ حماقت ہے اور حزم کے خلاف ہے۔ ۱۲

ایک مرتبہ چند بزرگ سیر و سیاحت میں باہم متفق تھے اور رنج و راحت میں باہم ایک دوسرے کے شریک تھے مجھکو وہ لوگ پسند آئے میں نے چاہا کہ انکے ساتھ رہوں انھوں نے اپنی رفاقت میں مجھکو قبول نہ کیا اور اپنے ساتھ لینے سے صاف انکار کردیا مجھے اسکا رنج ہوا میں نے ان سے اظہار کیا تو فرمایا کہ آپ رنج نہ کیجئے اور بُرا نہ مانئے ہم نے جو آپ کو شریک نہیں کیا اُسکی ایک معقول وجہ ہے وہ یہ کہ ہم لوگ صاف دل کے ہیں چند روز ہوئے ایک شخص ہمارے ساتھ شریک سفر ہوگیا تھا اور ہم نے اسکو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک قلعہ کے نیچے ہم لوگ ٹھہرے ہوئے تھے ہمارے ایک ساتھی کا لوٹا اٹھایا ساتھی یہ سمجھے کہ استنجا وغیرہ کرنے جارہا ہے اور وہ لے جارہا تھا۔ پھر یہ کیا کہ قلعہ میں گھس کر ایک ڈبہ چرایا اور اور چلتا بنا۔ ہم لوگ ابھی سو ہی رہے تھے کہ اہل قلعہ آئے اور ہم لوگوں کو پکڑ کر قلعہ کے اندر لے گئے اور خوب مارا اسوقت یہ سمجھ میں آیا کہ اتنی سادہ لوحی ٹھیک نہیں ہے ہر شخص کا اعتبار کرنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ اسکا بھی اصول ہے اس لئے آپ کو شریک سفر نہیں کرتے۔

یہ قصہ گلستاں میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ سلف کے یہاں دوستی کا اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے کا بھی ایک اصول تھا اور یہ بے اصولی جو آج کل رائج ہوگئی ہے پہلے نہیں تھی۔

اسی لئے میں سب لوگوں کے لئے عموماً اور نیک لوگوں کیلئے خصوصاً اس زمانہ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ جلدی کسی کا اعتبار نہ کریں تاکہ اپنے کو ضرر سے محفوظ رکھ سکیں یہی چیزیں آج لوگوں کو سکھلانا چاہتا ہوں۔ اور اسی کا نام تیقظ۔ بیدار مغزی اور حزم ہے اور اسی کے فقدان کیوجہ سے آج مسلمان دین و دنیا کے خسران میں مبتلا ہیں کیونکہ یہ نیک لوگ دوسروں کی چکنی چپڑی باتوں میں بہت جلد آجاتے ہیں اور بعض مرتبہ اسکی وجہ سے انکو بڑے بڑے نقصانات برداشت کرنے پڑجاتے ہیں اور اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ ان نیک لوگوں کے پاس جہاں کوئی گیا بس اسکو یہ اپنا سمجھ لیتے ہیں اور پھر سب گفتنی ناگفتنی اس کے سامنے کہہ گذرتے ہیں حالانکہ ان آنے والوں میں سے بہت سے مخلص بھی نہیں ہوتے جو اس طرح کی باتوں کو گھر گھر پہونچا دیتے ہیں جس کے سبب طرح طرح کے فسادات رونما

ہوتے ہیں۔

لہٰذا میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ ہر شخص جو آپ کے پاس آجائے اسکو اپنا نہ سمجھ لیجئے اور اپنا بھید اور اپنی راز کی باتیں ہر ایک سے نہ کہدیا کیجئے اگر آپ اس میں کامیاب ہو جائیں گے تو یہ دنیا کی زندگی بھی راحت سے گذرے گی۔ آج دوست دشمن کی تمیز ہی تو اٹھ گئی ہے اسی لئے یہ تمام فتنے ہیں اسی لئے مولانا روم بھی فرماتے ہیں کہ ؎

دشمن ارچہ دوستانہ گویدت دام داں گرچہ زدانہ گویدت

یعنی دشمن کتنے ہی دوستی کے انداز میں کیوں نہ کہے اسکی باتوں کو دام اور جال ہی سمجھو اگرچہ وہ تم کو دانہ کی خبر دے۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ دشمنِ دانا نادان دوست سے بہتر ہے تو اس قسم کے لوگ بھی نادان دوست ہی ہیں اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں دوست اور دشمن کی تمیز نہایت ضروری ہے لیکن ہمارے پاس نہ آج دوستی کا کوئی معیار اور اصول رہ گیا ہے نہ دشمنی کا! عجب اندھا دھند اور خربطہ ہو گیا ہے حالانکہ ہمارے پاس اسکے اصول تھے مگر آج ہم ایسے ہو گئے ہیں گویا ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں بات یہ ہے کہ جب ہم نے شریعت کو چھوڑا تو سب کچھ کھو دیا۔ معمولی معمولی چیزوں کی فہم اور عقل بھی ہم سے رخصت ہو گئی جس کا جی چاہے ہم کو دھوکا دیدے اور جو چاہے ہمارا نقصان کردے آج ہم اپنے دوست اور دشمن تک کو پہچاننے سے قاصر ہیں۔

لہٰذا جب تک کہ ہم پھر شرعی اصول کی جانب رجوع نہیں کرینگے اور اس بارہ میں بھی شریعت سے تمسک کرکے جب تک کچھ نورِ بصیرت نہ پیدا کرینگے اسی طرح سے برابر نقصان ہی اٹھاتے رہیں گے اور دینی فلاح تو بڑی چیز ہے دنیا کی بھی فلاح سے محروم ہی رہیں گے

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک طالب کا تاثر بھی نقل کردوں جنکو اسی مضمون کا کچھ حصہ لکھا گیا تھا اسکے جواب میں انھوں نے لکھا کہ:-

"حکیمانہ معیارِ شناخت" (مراد یہی مضمون ہے) کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں اور الفاظ کہاں سے لاؤں حضرت والا نے پہاڑ جیسے بوجھ سے سبکدوش فرمادیا ہلکا پھلکا ہو گیا۔ دل خالی ہو گیا۔ غبار چھٹ گئے، امن اور چین سے ہوں نہ میں کسی کا نہ کوئی میرا ماضی پر غور کرتا ہوں اور حضرت والا کے معیار پر جب سے رکھتا ہوں

تو کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں مل رہا ہے جس کو (حقیقی معنوں میں) دوست کہہ سکوں۔ اور غضب تو یہ ہے کہ اس معیار تمیز پر اپنے حقیقی بھائی بھی خیر خواہ ثابت نہیں ہوئے۔ اس المناک حقیقت کا اظہار کرتا ہوں کہ اس حدیث گرامی کے پیش نظر میری ساری زندگی دوستوں سے بالکل خالی گذری ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

تعجب ہوا کہ یہ حدیث پہلے کیوں سننے میں نہیں آئی کسی اور مخلص ہمدرد نے اسے کیوں عام سطح پر پیش نہیں کیا، یہ معیار تو ایسا معیار ہے کہ اگر اہل اسلام اسے اپنا لیں تو ہر مقام پر دوست دشمن میں تمیز کر پائیں اور ملت کی داخلی و خارجی اور بین الاقوامی زندگی میں مشکلات کی درآمد بند ہو جائے۔

حضرتؒ کے الفاظ لفظ بہ لفظ درست ثابت ہوئے کہ اسے اپنائیے اور فائدہ اٹھائیے۔ واللہ العظیم مجھے تو اسی دن سے فائدہ شروع ہو گیا ہے۔ کھوٹا کھرا نظر آ رہا ہے۔ دوست اور دشمن معلوم ہوتے جا رہے ہیں۔ البتہ یہ بات آج ہی معلوم ہوئی کہ میری زندگی میں کسی مخلص اور حقیقی ندیم و دوست کا کوئی وجود نہیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ بلکہ والدین نے بھی (جو سچ پوچھئے تو) حقیقی خیر خواہی نہیں فرمائی۔

حضرتؒ نے کامل خلوص اور ہمدردی سے عہد حاضر کے تقاضوں کا سیر حاصل جائزہ لے لیا ہے اور انکو ایسا چھانا پھٹکا ہے کہ ان کے اجزاء لا یتجزیٰ بھی الگ الگ ہو کر سامنے آ گئے ہیں مثلاً یہی مسئلہ کہ زیر بیان ہے کبھی کسی سے سننے میں نہیں آیا۔

بس اب اسی پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرما دیں۔ و اخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔
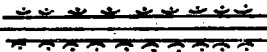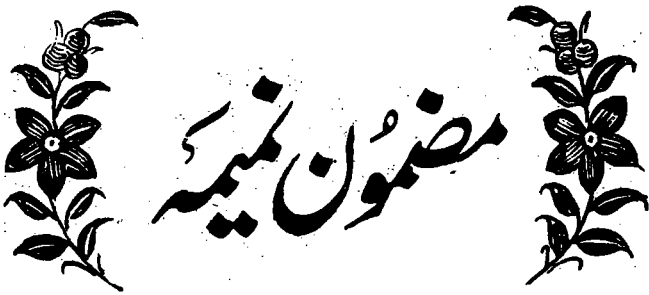
مضمون نمیمہ

از افاضات

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قاموس کی شرح تاج العروس جو لغت کی نہایت ہی معروف و مشہور کتاب ہے اس میں نمیمہ کے یہ معنی بیان کئے ہیں

نم الحدیث نیمہ ونمیمہ بالوجہین اذا نقلہ وکذا نم بہ ونم علیہ ھو نقل الحدیث من قوم الی قوم علی جھۃ الافساد والشر

یعنی عربی زبان میں نمیمہ اسکو کہتے ہیں جو ایک جماعت کی بات دوسری جماعت سے نقل کیجائے۔ اور مقصد اس سے افساد اور شر ہو۔

قال ابوبکر عن ابی العباس النمام معناہ فی کلام العرب الذی لایمسك الاحادیث ولم یحفظھا۔

(تاج العروس ص جلد ۹)

ابوبکر نے ابوالعباس سے نقل کیا ہے کہ نمام کلام عرب میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جو باتوں کو دل میں روک نہ سکے اور انکی حفاظت پر قادر نہ ہو۔

نمیمہ کی یہ تعریف جو صاحب تاج العروس نے کی ہے بہت عمدہ اور نہایت جامع ہے شرع میں بھی یہی معنی معتبر ہیں چنانچہ صاحب فتح الباری فرماتے ہیں۔

ولا یعد نمیمۃ مذمومۃ الا ان قصد بذلك الافساد المطلق۔

یعنی (کسی کی کوئی بات کسی کو پہونچانا) نمیمہ مذمومہ نہیں شمار ہوگا مگر اسوقت جبکہ اس سے اس کا مقصد فساد پھیلانا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ نمیمہ مذمومہ اسوقت شمار کیا جائے گا جب کہ پہونچانے والے کی نیت محض افساد ہو یا افساد کا ضرر اس سے پہونچتا ہو۔

اب قرآن وحدیث میں اسکی مذمت جو وارد ہے ہم یہاں وہ آیات واحادیث نقل کرتے ہیں۔ بڑا ہی اہم واقعہ اس آیت میں مذکور ہے جو ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے جو حرم

اور احتیاط کی بے نظیر مثال ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ○ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ	اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہونچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ اور جان رکھو تم میں رسول اللہ ہیں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر تمہارا اس میں کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہونچے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اسکو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی ایسے لوگ خدائے تعالیٰ کے فضل و انعام سے راہ راست پر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں مومنین کو مخاطب فرما کر یہ امر فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی فاسق کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے جس کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور جب تک اس قصہ کو جسکی طرف آیت اشارہ کر رہی ہے معلوم نہ کیا جائیگا آیت کی تفسیر اور توضیح نہیں ہوسکے گی اسلئے ہم تفسیر مظہری سے اس آیت کا شان نزول اور واقعہ نقل کرتے ہیں کہ مقام کی خوب وضاحت ہو جائے وھو ہذا۔

ذکر البغوی ان الأیۃ نزلت فی ولید بن عقبۃ بن ابی معیط بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بنی المصطلق مصدقا وکان بینہ و بینھم عداوۃ فی الجاھلیۃ فلما سمعہ القوم تلقوہ تعظیما لامر رسول اللہ	بغوی کہتے ہیں کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کی جانب زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا تھا اور ان میں اور ان لوگوں میں زمانۂ جاہلیت میں عداوت تھی قوم نے جب نکا آنا سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی تعظیم

صلى الله عليه وسلم فحدثه الشيطان انهم يرون قتله فهابهم فرجع من الطريق الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال ان بني المصطلق قد منعوا صدقاتهم وارادوا قتلي

کرتے ہوئے استقبال کے لئے نکلے اور انکو شیطان نے یہ سمجھا دیا یہ لوگ تمھیں قتل کرنے کیلئے آرہے ہیں انکو اپنی جان کا اندیشہ ہوا اور راستہ ہی سے پھر حضورؐ کی خدمت میں واپس ہوگئے اور آکر عرض کیا کہ بنی مصطلق نے زکوٰۃ روک لی اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

وفي الروح برواية اخر قد تركوا الصلوٰة وارتدوا وكفروا بالله تعالى (انتهى)

اور روح المعانی میں ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے نماز چھوڑ دی اور مرتد ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔ (انتہی)

فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهمّ ان يغزوهم فبلغ القوم رجوعه فاتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا يا رسول الله لما سمعنا برسولك خرجنا نتلقاه ونكرمه ونؤدي اليه ما قبلناه من حق الله عزوجل فبدأ له الرجوع فخشينا انما رده من الطريق كتاب جاءه منك بغضب غضبته علينا وانا نعوذ بالله من غضبه وغضب رسوله ـ

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غصہ آیا آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے غزوہ کریں۔ اور قوم کو جب انکی واپسی کی اطلاع ملی تو حضورؐ کی خدمت میں بھاگتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے جب آپ کے فرستادہ کے متعلق سنا کہ وہ تشریف لا رہے ہیں تو ہم انکے استقبال اور اکرام کیلئے نکلے اور یہ ارادہ کیا کہ ہم نے جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا قبول کیا ہے وہ انکو دیدیں کہ اس اثنا میں انھیں معلوم نہیں کیا خیال گذرا کہ وہ راستہ ہی سے واپس چلے آئے ہمیں اندیشہ ہوا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی کی جانب سے ہمارے اوپر خفگی کا کوئی خط آگیا ہے جسکی وجہ سے وہ واپس چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے اور اللہ کے رسولؐ کے غضب سے ہم پناہ مانگتے ہیں۔

قال البغوي فاتهمهم رسول الله صلى الله عليه وسلم وبعث خالد بن الوليد خفية في عسكر وامره ان يخفي عليهم وقال له انظر فان رأيت منهم ما يدل على ايمانهم فخذ منهم زكوٰة

بغوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں متہم سمجھا چنانچہ حضرت خالدؓ کو ایک لشکر کے ہمراہ پوشیدہ طور سے بھیجا اور ان سے فرمایا کہ ان سے اپنے آپ کو پوشیدہ ہی رکھنا اور انکی حرکات وسکنات کو دیکھتے رہنا اگر ایمان کے آثار معلوم ہوں تو اپنے کو ظاہر کردینا اور انسے انکے اموال کی زکوٰۃ طلب کرنا اور اگر اسکے خلاف

اموالهم وان لم ترذلك فاستعمل فيهم ما يستعمل في الكفار ففعل ذلك خالد و واتاهم فسمع منهم اذان صلوٰة المغرب والعشاء واخذ صدقاتهم ولم ير فيهم الا الطاعة والخير فانصرف الى رسول الله صلى الله عليه وسلم واخبرہ الخبر فانزل الله تعالىٰ يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق يعني الوليد بن عقبة بنبأ اي بخبر ارتداد القوم وتنكير الفاسق والنباء لشيوع الحكم كانه قال اي فاسق جاءكم باي نباء

دیکھنا تو جس چیز کا استعمال کفار کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے تم ان لوگوں میں بھی روا رکھنا (مراد یہ ہے کہ پھر ان سے جہاد کرنا) حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا شام کے وقت وہاں پہونچے سنا کہ اذان مغرب ہو رہی پھر عشاء کے وقت بھی اذان کی آواز آئی غرض ان لوگوں میں سوائے طاعت اور خیر کے کچھ نہیں پایا اس لئے ان سے زکوٰۃ وصول کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے اور صورتِ حال بیان کی اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو اگر تمھارے پاس کوئی فاسق یعنی ولید بن عقبہ خبر لائے یعنی ارتداد قوم کی خبر۔ اور فاسق اور نبار کا نکرہ لانا حکم کے شیوع کے لئے ہے گویا فرمایا کہ تمھارے پاس جو بھی فاسق کوئی بھی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو)۔

صاحب روح المعانی نے بھی اس روایت کو جسمیں کچھ زیادتی بھی ہے نقل فرمایا ہے جو نہایت ضروری اور مفید ہے اس لئے بعینہٖ اس روایت کو ہم بھی نقل کرتے ہیں۔ وہو ہذا

اخرج عبد بن حميد عن الحسنؓ قال اتى النبي صلى الله عليه وسلم آت فقال يا نبي الله ان بني فلان حيا من احياء العرب وكان في نفسه عليهم شئ وكان حديث عهد بالاسلام قد تركوا الصلوٰة وارتدوا وكفروا بالله تعالىٰ فلم يعجل رسول الله عليه الصلوٰة والسلام ودعا خالد بن الوليدؓ

عبد ابن حمید نے حضرت حسنؓ سے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی آنے والا آیا اور کہا کہ اے اللہ کے نبی فلاں قبیلہ کے لوگوں نے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور مرتد ہو گئے ہیں اور کفر اختیار کر لیا ہے واقعہ یہ تھا کہ کہنے والے نو مسلم تھے اور اپنے دل میں اس قبیلہ سے کچھ رنجش رکھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کو سنکر تعجیل نہیں فرمائی بلکہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو بلایا اور انکو اس قوم کیطرف بھیجا اور یہ فرمایا کہ ان کو نماز کے وقت تاڑنا اگر واقعی ان لوگوں نے نماز کو ترک کر دیا ہے

فبعثه اليهم ثم قال ارمقهم	تو جو چاہنا کرنا ورنہ فیصلے میں جلدی نہ کرنا۔ حضرت
عند الصلوات فان كان	خالد ان لوگوں کے پاس غروب شمس کے وقت
القوم قد تركوا الصلواة	پہونچے اور چھپ گئے تاکہ نماز کی آواز سنیں
فشانك بهم والا فلا تجعل	تو ان کو دیکھا کہ غروب کے بعد موذن کھڑا
عليهم فدنا منهم عند	ہوا اور اس نے اذان دی پھر نماز کھڑی ہوئی
غروب الشمس فكمن حتى	اور سب نے مغرب کی نماز پڑھی۔ حضرت
يسمع الصلواة فرمقهم فاذا	خالدؓ نے کہا میں تو ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتا
هو بالموذن قد قام عند	ہوں شاید کہ ان لوگوں نے مغرب کے علاوہ
غروب الشمس فاذن ثم اقام	کوئی اور نماز پڑھنی ترک کر دی ہو۔ یہ خیال
الصلواة المغرب. فقال خالد	کر کے پھر چھپ رہے یہاں تک کہ جب رات
ما اراهم الا يصلون فلعلهم	طاری ہو گئی اور شفق غروب ہو گئی تو انکے
تركوا الصلواة غير هذه	موذن نے پھر اذان دی اور سب نے عشار
ثم كمن حتى اذا جنح الليل	کی نماز پڑھی۔ حضرت خالدؓ کہتے ہیں کہ یہ
وغاب الشفق اذن موذن	لوگ شاید اور کوئی دوسری نماز چھوڑتے
فصلوا فقال لعلهم تركوا	ہوں گے اس لئے پھر چھپ رہے یہاں تک
صلواة اخرى فكمن اذا	کہ جب آدھی رات ہوئی تو حضرت خالدؓ اور
كان في جوف الليل تقدم	آگے بڑھے یہاں تک گھوڑوں نے ان کے
حتى اطل الخيل بدورهم	گھروں کو گھیر لیا اس وقت دیکھا کہ قوم قرآن
فاذا القوم تعلموا شيئا من	شریف سیکھ رہی ہے اور لوگ اس کو تہجد
القرآن فهم يتهجدون به	کی نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ پھر انکے پاس
من الليل ويقرؤنه ثم اتاهم	صبح کے وقت آئے دیکھا کہ جوں ہی صبح
عند الصبح فاذا الموذن	صادق ہوئی موذن نے فجر کی اذان دی اور
حين طلع الفجر قد اذن	اقامت ہوئی اور سب لوگوں نے جماعت
واقام فقاموا وصلوا فلما	سے نماز پڑھی جب نماز پڑھ کر لوٹے
انصرفوا واضاء لهم النهار	اور روشنی ہو چکی تو دیکھا کہ انکے گھروں

اذا هم بنواصی الخیل فی دیارهم فقالوا ما هٰذا قالوا خالد بن ولید قالوا یا خالد ما شانك قال انتم واللّٰه شانی اتی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقیل له انکم ترکتم الصلواة وکفرتم باللّٰه تعالیٰ فجثوا یبکون فقالوا نعوذ باللّٰه تعالیٰ ان نکفر ابدا فصرف الخیل وردها عنهم حتی اتی النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم وانزل اللّٰه تعالیٰ یا ایها الذین امنوا الآیة -

یں گھوڑوں کی پیشانیاں چمک رہی ہیں آپس میں کہنے لگے یہ کیا ہے؟ ان لوگوں نے کہا یہ خالدؓ بن ولید ہیں قوم نے حضرت خالد سے پوچھا کہیئے کیا معاملہ ہے؟ حضرت خالدؓ نے کہا خدا کی قسم اسوقت میرا معاملہ تمھیں لوگ ہو بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہونچی ہے کہ تم لوگوں نے نماز ترک کردی ہے اور کافر ہوگئے ہو یہ سنکر سب آگر گر گئے اور رونے لگے اور کہا کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ کبھی بھی کافر ہوں یہ سنکر حضرت خالدؓ نے گھوڑا پھیر لیا اور فوج کو انکے پاس سے لوٹا لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آگئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی　　(روح المعانی ص۱۳۲ ج۲۶)

اس واقعہ میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے ایک بات اپنے گمان سے بنی مصطلق کے بارے میں آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہدی تھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انکی خبر کی تصدیق فرمالیتے اور تحقیق نہ فرماتے اور جہاد کیلئے لشکر روانہ فرما دیتے تو بتلایئے کتنا عظیم ضرر ہوتا اور کس قدر فساد ہوتا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت تہس نہس ہو جاتی کتنے مسلمان قتل کردیئے جاتے اور یہ محض ایک جھوٹی خبر کے پہونچانے کی بنا پر ہوتا اور اسی کا نام نمیمہ ہے جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ اسی بنا پر اللہ تعالےٰ نے آیت نازل فرمادی کہ بلاتحقیق کے ایسی خبروں پر عمل نہ کیا جائے۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت یہ سرخی ہی قائم فرمائی ہے کہ "نہی از عمل بالنمیمہ بلاتحقیق" اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں نمیمہ کا ذکر ہے اور نمیمہ پر بلاتحقیق کے عمل کرنے کی ممانعت ہے۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ اگر یہاں یہ سرخی قائم نہ فرماتے تو ہمارے ذہن میں یہ بات بھی نہ آتی کہ اس آیت میں نمیمہ کا ذکر ہے کیونکہ ہم اس آیت سے بیش از بیش یہ سمجھتے کہ کوئی فاسق خبر لادے تو اسکی تحقیق ضروری ہے بغیر تحقیق

عمل نہیں کرنا چاہیئے مگر یہ تو کبھی بھی نہیں سمجھتے کہ فاسق کا ایسی خبر لانا جو خلاف واقعہ ہونے کے ساتھ ساتھ موجب فساد عظیم بھی ہے یہی نیمیہ ہے۔

اب ہم فاسق کی خبر کے قبول اور رد کے متعلق تحقیق لکھتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ

ومن ھنا امتنع طوائف من العلماء من قبول روایۃ مجھول الحال لاحتمال فسقہ فی نفس الامر وقبلھا آخرون لانا انما امرنا بالتثبت عند خبر الفاسق وھذا لیس بمحقق الفسق لانہ مجھول الحال۔ (تفسیر ابن کثیر ص۲۰۹ ج۴)

اور یہیں سے علماء کا ایک گروہ مجہول الحال کی روایت کے قبول کرنے سے رک گیا ہے اسلئے کہ احتمال ہے کہ وہ فی الواقع فاسق ہو اور دوسرے گروہ نے اسکی روایت کو قبول کیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو تثبت (تحقیق و توقف) کا جو حکم ہے تو اس فاسق کی خبر میں ہے جس کا فسق متحقق ہو اور یہ شخص چونکہ مجہول الحال ہے اسلئے اسکا فسق متحقق نہیں اسکی روایت قبول کیجائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ فاسق اور اسی طرح مجہول الحال کی خبر کے قبول کرنے میں علماء کے دو قول ہیں ایک فریق یہ کہتا ہے کہ تحقیق سے پہلے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا منع ہے۔ امام غزالیؒ مطلقاً تصدیق کو منع فرماتے ہیں اور اسکو مردود الشہادت کہتے ہیں اور یہ پہلے فریق سے ہیں جو مطلقاً قبول کو منع کرتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خبر کی طرف التفات نہ کرے یہ بھی جائز ہے اور اگر عمل کرنا ہو تو تحقیق ضروری ہے یہ اس آیت کے بارے میں علماء کے اقوال ہیں۔ احوط یہی ہے کہ معمولی خبروں کی طرف التفات نہ کرے جیسا کہ صاحب روح المعانی کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے۔ وہو ہذہ۔

قال الراغب لایقال للخبر فی الاصل نبأ حتی یکون ذا فائدۃ عظیمۃ یحصل بہ علم او غلبۃ ظن و قولہ تعالیٰ ان جاءکم فاسق بنباء اذا کان الخبر شیئاً عظیما لہ

امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ دراصل ہر خبر کو نبار نہیں کہتے۔ اس وقت نبار اس پر بولا جاتا ہے جب وہ کسی عظیم فائدہ پر مشتمل ہو اور اس سے یقین یا کم از کم غلبۂ ظن حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان جاءکم فاسق بنبأ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب خبر اہم ہو اور

قد رفحقه ان يتوقف فيه وان علم او غلب صحته على الظن حتى يعاد النظر فيه ويتبين فضل تبين (روح المعانی)

اسکی عظمت ہو تو مناسب ہے کہ اس میں توقف کیا جائے اگرچہ یقین ہو جائے یا اسکی صحت کا غالب گمان ہو جائے تا اس میں نظر ثانی کیجا سکے اور اور خوب اچھی طرح تحقیق ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی ایسی اہم خبر ہو کہ اس پر بلا تحقیق عمل کر لینے میں ضرر یا کوئی مفسدہ ہو تو ایسی خبر کی تحقیق اور اسمیں خوب غور و فکر ضروری ہے اور اگر خبر اس درجہ کی نہ ہو یعنی اسکی تحقیق نہ کرنے سے کوئی ضرر یا مفسدہ نہ پیدا ہوتا ہو اور نہ اسپر کوئی فائدہ ہی مرتب ہوتا ہو تو اسکی طرف اصلا التفات نہ کرنا ہی اسلم ہے۔

جس طرح فاسق کی خبر میں قبل از عمل تحقیق ضروری ہے ویسے ہی جب کوئی عادل خبر دے اور قرائن کذب کے موجود ہوں تو بھی تحقیق ضروری ہے جیساکہ قاضی ثناء اللہ صاحب نے لکھا ہے۔

قلت والوليد بن عقبة كان صاحبا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يكن فسقه ظاهرا قبل هذا الكذب المبني على فساد ظنه واتهامه من كان له اعداء في الجاهلية فلعل مراد بالفاسق ههنا من لم يظهر صدقه وعدالته فيدخل فيه مستور الحال ايضا او المراد بالفاسق من كان مخبرا لشئ يدل القرينة على كذبه وان كان المخبر ظاهر العدالة فان ارتداد بني المصطلق

میں کہتا ہوں کہ ولید بن عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور انکا فسق اس کذب سے پہلے ظاہر نہ ہوا تھا جن کا منشاء ان کا سوء ظن اور جو لوگ جاہلیت میں انکے دشمن رہ چکے تھے انھیں متہم قرار دینا تھا لہٰذا ہو سکتا ہے کہ فاسق سے مراد یہاں پر وہ شخص ہو جس کا صدق اور عدالت ظاہر نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا اس حکم میں مستور الحال بھی داخل ہو جائے گا۔ یا فاسق سے مراد وہ شخص ہو جو ایسی چیز کی خبر دے رہا ہو کہ قرینہ اس کے کذب پر دال ہو اگرچہ مخبر ظاہر العدالۃ ہو (یہاں پر قرینہ یہ ہے کہ قوم بنی مصطلق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خوشی خوشی ایمان لانے اور احکام اسلام قبول کرنے کے

بعد ایمانھم عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طوعاً وقبولھم احکامہ ابعد احتمالا من کذب الولید عمداً او زعماً فاسداً (تفسیر مظہری ج ۹)	بعد (ایک لخت) مرتد قرار دینا اس سے کہیں زیادہ بعید ہے کہ ولید کو کاذب عمد قرار دیا جائے یا اپنے گمان فاسد کی بنا پر کاذب سمجھا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں صرف قرائن خارجیہ پر عمل نہیں کیا گیا واقعہ کی تحقیق کے لئے واحد عدل یا عدول بھیجے گئے انھوں نے پہلی خبر کو غلط قرار دیا انکے کہنے پر عمل ہوا یا اگر یہ واقعہ کو صحیح بتلاتے تو اس پر عمل ہوتا۔ اور آیت تو بعد میں نازل ہوئی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویب کے لئے اور یہ بتلایا گیا کہ آئندہ کوئی فاسق جس کے فسق پر دلائل قائم ہوں یا مستور الحال خبر دے تو اسکی تحقیق ضروری ہے اس کے بعد اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ آیت سے صحابی کا فاسق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا تو ان سے شیطان کے بہکانے سے غلطی ہوئی توبہ کے بعد وہ معاف ہوگئی صحابی سے بعید ہے کہ غلطی پر مصر رہیں اور اسکے خلاف پر عمل ہونے کے بعد بھی اپنی خبر کو سچی سمجھتے رہیں۔ اور ساری عمر میں ایک آدھ بار ایسا ہونا محل تعجب نہیں اور عدالت میں بھی یہ مخل نہیں ہے۔"

اب ایک اور بات لکھتا ہوں جسکی طرف صاحب روح المعانی کے کلام میں بھی اشارہ ہے وہ یہ کہ تبین کے معنی جس طرح تحقیق کرنے کے ہیں اسی طرح اسکے معنی تثبت یعنی جمے رہنے کے بھی آتے ہیں۔ چونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کی خلاف باتوں کو سنکر انسان طبعاً گھبرا کر تلملا جاتا ہے اور بے قابو ہو جاتا ہے اسی بنا پر بعض صحابہؓ بھی یہ خبر سنکر از خود رفتہ ہوگئے اور بنی مصطلق سے قتال کا ارادہ ظاہر کیا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس قسم کی خبروں سے ایسے پریشان ہوکر بے قابو نہ ہو جایا کرو بلکہ ثابت قدم اور باحواس رہا کرو۔ روح المعانی کی عبارت یہ ہے۔

کانہ قیل یاایھا الذین آمنوا تبینوا ان جاءکم فاسق ولا تکونوا امثال ھؤلاء من استفزہ النباء قبل تعرف صدقہ	گویا کہ کہا گیا کہ اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمھارے پاس آوے تو ثابت قدم رہو اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جنھیں خبر نے تحقق صدق سے پہلے ہی از خود رفتہ کردیا

ثم لا یقنعہ ذلک حتی یرید ان یستتبع رای من ھو المتبوع علی الاطلاق فیقع ھو وغیرہ فی العنت والارھاق۔	پھر ایسا شخص اس پر بس نہیں کرتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ جو متبوع علی الاطلاق ہے اسکی رائے کو بھی تابع بنائے پس وہ خود اور دوسرے لوگ سب مشقت اور دشواری میں پڑ جائیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے تو شاذ ونادر اس قسم کی لغزشیں صادر ہوئیں مگر اب تو اس قسم کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں اور ہمیں ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جن سے ہمارا سکون کالعدم اور قلب پریشان ہو جاتا ہے مگر افسوس ہمارے علم پر کہ ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ زمانۂ رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں جب ایسے مواقع پیش آئے تو صحابہؓ کا کیا حال ہوا اور کیا اثرات مرتب ہوئے ایسے حالات میں کونسی آیات نازل ہوئیں اور کیا تعلیمات دی گئیں اگر ہم لوگ قرآن و حدیث کی طرف توجہ کریں اور اسی طرح اسلاف کے حالات میں بھی غور کریں کہ کہ انھوں نے اس قسم کے واقعات پیش آنے کے وقت کیا کیا تو ہمارا امر اور ہر واقعہ کے متعلق ہمیں شرعی لائحۂ عمل مل جائے اور اطمینان وسکون حاصل ہو جائے۔

ایک بات اور خوب سمجھ لیجئے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے (جن کا ہر ہر فرد ثقہ اور عادل ہے) جو اس قسم کی خطا اور لغزش کبھی صادر ہوئی تو اولاً تو وہ معصوم نہ تھے کہ خطا کا صدور ہی نہ ہو دوئم یہ کہ وہ اس پر مستمر اور مصر نہ رہے بلکہ فوراً تائب ہو گئے اور اتنے سے عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ نیز وہ خطائیں امت کے حق میں تو فضل ہی فضل ہیں اسلئے کہ وہ زمانہ وحی کا تھا کوئی بات سرزد ہوتی تو وحی آجاتی تھی جن سے ہمیشہ کیلئے حکم شرعی معلوم ہو جاتا تھا۔ اگر لغزشیں نہ ہوئی ہوتیں تو اب جب کہ عام طور پر لوگ ایسی غلطیوں میں مبتلا ہوتے ہیں انکا حکم معلوم کرنا چاہتے تو کیسے معلوم کرتے اور مرضیٔ الٰہی کے معلوم کرنے کا کیا ذریعہ ہوتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزشوں اور خطاؤں میں امت کے لئے نہیں معلوم کتنے مصالح اور منافع ہیں لہٰذا ہمارا منہ نہیں ہے کہ ہم انھیں کچھ کہہ سکیں یا کوئی بات خلاف ادب زبان سے نکال سکیں۔

اس آیت کے علاوہ اور بھی قرآن پاک میں آیتیں ہیں جن میں نمیمہ کی مذمت و شناعت وارد ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِیْمٍ و قال اللّٰہ تعالےٰ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ قیل انہا کانت نمامۃ حمالۃ للحدیث

یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ جو طعنہ دینے والا اور چغلیاں لگاتا پھرتا ہو' اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے حمالۃ الحطب ابولہب کی بیوی کے بارے میں سے اسلئے کہ نمامہ تھی اور ادہر کی بات ادہر نقل کیا کرتی تھی۔

خصلت نمیمہ ایک نہایت مذموم اور مبغوض خصلت ہے قرآن و حدیث سے معلوم کرکے اکابر امت نے اس سے بہت تحذیر فرمائی ہے۔ قرآن شریف سے تو اسکی مذمت آپ سن چکے اب اسکے بعد چند احادیث بھی سنیے جن میں نمیمہ کی مذمت وارد ہے۔ وھو ہذا

قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایدخل الجنۃ نمام و فی حدیث اٰخر لایدخل الجنۃ قتات القتات ھو نمام۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمام جنت میں داخل نہیں ہوگا اور دوسری حدیث میں بجائے نمام کے قتات کا لفظ آیا ہے اور قتات نمام ہی کو کہتے ہیں۔

وقال ابوھریرۃ قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم احبکم الی اللّٰہ احاسنکم اخلاقا۔ الموطئون اکنافا الذین یالفون و یؤلفون و ان ابغضکم الی اللّٰہ المشاؤن بالنمیمۃ المفرقون بین الاخوان الملتمسون للبرآء العثرات

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ نے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک تم میں کے بہتر وہ لوگ ہیں جو ازروے اخلاق بہتر ہیں یعنی وہ لوگ جو کہ نرم خو ہیں جو خود بھی محبت و الفت لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں اور لوگ بھی انکے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں اور تم میں کے مبغوض تر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں کرتے پھرتے اور بھائیوں کے آپس کے تعلقات میں تفریق ڈالتے رہتے ہیں اور جو لوگ ان سے محفوظ ہیں انکی لغزشوں کو تلاش کرتے ہیں۔

قال ابوذر قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اشار بمسلم بکلمۃ یشنیہ بھا بغیر حق شانہ اللّٰہ بھا فی القیامۃ۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کی طرف ایسی بات منسوب کی جو اسکو عیب لگاتی ہے تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اسکو عیب لگائے گا۔

روی کعب الاحبارؓ ان بنی اسرائیل اصابهم قحط فاستسقی موسی علیه السلام مرات فما سقوا فاوحی الله تعالیٰ الیه انی لا استجیب لك و لمن معك فیكم نمام . وقد اصر علی النمیمة فقال موسیٰ یا رب من هو دلنی علیه حتی اخرجه من بیننا قال یا موسیٰ انهاکم عن النمیمة واکون نماما فتابوا جمیعا فسقوا ۔	حضرت کعب احبارؓ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک دفعہ قحط پڑا، موسیٰ علیہ السلام نے چند مرتبہ بارش کیلئے دعار فرمائی پانی نہیں برسا اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں آپ کی اور آپکے ساتھیوں کی کسی دعار نہیں قبول کرونگا اسلئے کہ تمھارے اندر ایک چغل خور موجود ہے، جو نمیمہ پر مصر ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یارب وہ کون ہے، مجھے بتلا دیجئے تاکہ اسکو اپنے درمیان سے نکال دوں ۔ فرمایا کہ تم کو تو نمیمہ سے منع کرتا ہوں اور خود نمام بنوں، بس سارے مجمع نے توبہ کی (اسمیں نمام بھی تھا ۔ پھر بارش ہوئی ۔

نمیمہ کی تعریف اہل لغت اور شرع کے کلام سے ہم بیان کر چکے ہیں مزید افادہ کیلئے امام غزالیؒ نے جو اسکی تعریف کی ہے اور حکمار کے اور مضامین جو اسکے متعلق انھوں نے بیان کئے ہیں وہ مابعینہٖ مع ترجمہ کے نقل کرتے ہیں ۔

(بیان حد النمیمة وما یجب فی ردها) ۔	(نمیمہ کی تعریف اور اسکے رد کے سلسلہ میں جو چیزیں واجب ہیں انکا بیان) ۔
اعلم ان اسم النمیمة انما یطلق فی الاکثر علی من ینم قول الغیر الی المقول فیه کما تقول فلان کان یتکلم فیك بكذا وكذا ولیست النمیمة مختصة به بل حدها کشف ما یکره کشفه سواء کرهه المنقول عنه او المنقول الیه او کرهه ثالث وسواء کان الکشف	جان لو کہ نمیمہ علی العموم اطلاق کیا جاتا ہے کسی شخص کے اس قول پر جس کو وہ مقول فیہ تک پہونچا دے جیسے کہ تم کہو کہ فلاں شخص تمھارے بارے میں ایسا ایسا کہتا تھا حالانکہ نمیمہ کچھ اسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص جس چیز کے کشف کو مکروہ سمجھے اس کو ظاہر کر دینا عام اس سے کہ منقول عنہ اس کو برا سمجھے یا منقول الیہ برا سمجھے یا کوئی تیسرا برا سمجھے عام اس سے کہ اظہار

بالقول او بالکتابۃ او بالرمز
او بالایماء سواء کان
المنقول من الاعمال او من
الاقوال و سواء کان
ذلک عیبا ونقصا فی المنقول
عنہ او لم یکن بل حقیقۃ
النمیمہ افشاء السر وھتک
الستر عما یکرہ کشفہ بل کل
ما راٰہ الانسان من احوال
الناس فینبغی ان یسکت عنہ
الا ما فی حکایتہ فائدۃ لمسلم
او دفع لمعصیۃ کما اذا راٰی
من یتناول مال غیرہ فعلیہ
ان یشھد بہ مراعاۃ لحق
المشھود علیہ فاما اذا راٰہ
یخفی مالا لنفسہ وذکرہ فھو
نمیمۃ وافشاء للسر فان
کان ما ینم بہ نقصا وعیبا
فی المحکی عنہ کان قد جمع
بین الغیبۃ والنمیمۃ
فالباعث علی النمیمہ اما ارادۃ
السوء للمحکی عنہ او اظھار
الحب للمحکی لہ او التفرج
بالحدیث والخوض فی الفضول
والباطل وکل من حملت الیہ

اور کشف قول کے ساتھ ہو یا کتابت یا اشارہ و
کنایہ کے ساتھ ہو نیز عام اس سے کہ جو چیز نقل
کیگئی ہے وہ اعمال کے قبیل سے ہو یا اقوال کے
اور عام اس سے کہ وہ بات جس کے متعلق ہے
اسکے لئے عیب اور نقص ہو یا نہو۔ پس حقیقت نمیمہ
کی کسی کے بھید کا ظاہر کر دینا اور جس چیز کے
اظہار کو کوئی ناپسند کرتا ہو اسکی پردہ دری کر دینا ہے
لہٰذا ہر وہ چیز احوال ناس میں سے جسے انسان
دیکھے مناسب ہے کہ اس سے سکوت ہی اختیار
کرے بجز اس چیز کے کہ جس کے بیان کرنے میں
کسی مسلمان کا نفع ہو یا کسی معصیت کا دفع
ہو جیسے کہ جب کوئی شخص کسی کو دیکھے کہ وہ
غیر کا مال لے رہا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ
گواہی دے اور یہ مشہود علیہ کے حق کی رعایت
کیوجہ سے ہے بہرحال جب کسی کو یہ دیکھے کہ وہ
اپنا مال چھپا رہا ہے اور اسکو ظاہر کر دیا تو یہ نمیمہ
ہے اور افشار راز ہے، اب اگر جس بات کی
چغلی کھائی ہے وہ محکی عنہ کے لئے نقص اور
عیب بھی ہو تو اس شخص نے غیبت اور نمیمہ
دونوں کو جمع کر لیا۔ پس نمیمہ کا باعث یا تو
محکی عنہ کے ساتھ برائی کا ارادہ ہوتا ہے یا
محکی لہ سے اظہار محبت یا یونہی بات کی تفریح
اور لغو اور باطل امور میں خوض اس کا
سبب ہوتا ہے۔ ہر وہ شخص جس کو کوئی بات
پہونچائی جائے یعنی اس سے کہا جائے کہ

النميمة وقيل له ان فلانا
قال فيك كذا او فعل في
حقك كذا او هو يسعى في افساد
امرك او في ممالاة عدولك
او تقبيح حالك او ما يجري مجراه
فعليه ستة امور الاول
ان لا يصدقه لان النمام
فاسق وهو مردود الشهادة
قال الله تعالى يا ايها الذين
امنوا ان جاءكم فاسق
بنبا فتبينوا ان تصيبوا قوما
بجهالة. الثاني ان ينهاه عن
ذلك وينصح له ويقبح عليه
فعله قال الله تعالى وامر بالمعروف
وانه عن المنكر. الثالث ان
يبغضه في الله تعالى فانه بغيض
عند الله تعالى ويجب بغض
من يبغضه الله تعالى الرابع
ان لا تظن باخيك الغائب
السوء بقول الله تعالى اجتنبوا
كثيرا من الظن ان بعض
الظن اثم. الخامس ان
لا يحملك ما حكى لك على
التجسس والبحث والتحقق
اتباعا لقوله تعالى ولا تجسسوا

فلاں شخص تمہارے متعلق ایسا کہتا ہے یا تمہارے
حق میں ایسا کیا ہے
یا تمہارے معاملہ کے فاسد کرنے میں وہ کوشش
کرتا ہے یا تمہارے دشمن کے مدد کرنے کی فکر
میں ہے یا تمہارے حال کے خراب کرنے کی
سعی کررہا ہے یا اسیطرح کی کوئی اور بات پہونچائے
تو اس منقول الیہ پر چھ چیزیں لازم ہیں اول تو یہ کہ اسکی
تصدیق نہ کرے اسلئے کہ نمام فاسق ہوتا ہے اور فاسق
مردود الشہادت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے
ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر
لائے تو اسکی تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نادانی
سے ضرر پہونچادو۔ دوم یہ اسکو اس سے منع کرے
اور اسکو نصیحت کرے اور اسکے اس فعل کی تقبیح کرے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے معروف کا حکم کیجئے اور منکر
سے روکیئے۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے اس سے بغض
رکھے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض
ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ بغض رکھے اس سے بغض
رکھنا واجب ہے۔ چہارم یہ کہ اپنے اس غائب
بھائی کے ساتھ سوءِ ظن نہ کرے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضا
ظن گناہ ہوتا ہے۔ پنجم یہ کہ اس نے تم سے
جو کچھ بیان کیا ہے وہ تم کو تجسس اور بحث
پر آمادہ نہ کرے تاکہ تم اس قول کی تحقیق کرلو
اس لئے کہ تجسس منع ہے۔ حق تعالیٰ کا
ارشاد ہے "ولا تجسسوا"۔

السادس ان لا ترضى لنفسك
مانهيت النمام عنه ولا تحكي
نميمة فتقول فلان قد حكى
لي كذا وكذا فتكون به نماما
ومغتابا وتكون قد
اتيت ما عنه نهيت وقد
روى عن عمر بن عبد العزيز
رضي الله عنه انه دخل عليه
رجل فذكر له عن رجل شيئاً
فقال له عمر ان شئت نظرنا
في امرك فان كنت كاذبا
فانت من اهل هذه الاية
ان جاءكم فاسق بنباء وان
كنت صادقا فانت من اهل
هذه الاية همّاز مشاء بنميم
وان شئت عفونا عنك فقال
العفو يا امير المؤمنين لا اعود
اليه ابداً وذكر ان حكيماً
من الحكماء زاره بعض اخوانه
فاخبره بخبر عن بعض اصدقائه
فقال له الحكيم قد ابطأت
في المزيارة وأتيت بثلاث
جنايات بغضت اخي الي وشغلت
قلبي الفارغ واتهمت نفسك
الامينة وروى ان سليمان

ششم یہ کہ اپنے نفس کیلئے اس چیز کو نا پسند
کرو جس سے تم نے نمام کو منع کیا ہے۔ یعنی
اب اس بات کو دوسرے سے نہ بیان کرنے
لگو کہ یوں کہو کہ فلاں شخص نے مجھ سے ایسی
ایسی بات بیان کی تھی کیونکہ اسکی وجہ سے
تم بھی نمام اور مغتاب بن جاؤگے اور جس چیز سے منع کیا تھا
اسی کے کرنیوالے ہو جاؤگے۔ عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے کہ انکے پاس ایک شخص آیا اور
ان سے کسی شخص کی کوئی بات بیان کی حضرت
عمر ابن عبدالعزیزؓ نے اس سے کہا کہ اگر تم چاہو
تو ہم تمھارے معاملہ میں غور کریں اگر تم جھوٹے نکلے
تو اس آیت کے جو لوگ مصداق ہیں ان میں سے
ہو جاؤگے یعنی ان جاءکم فاسق بنباء اور اگر
تم سچے ثابت ہوئے تو اس آیت کے مصداق ہوگے
ھماز مشاء بنمیم۔ اور اگر تم چاہو تو ہم تم کو معاف
کردیں۔ اس نے کہا اے امیرالمؤمنین مجھے
معاف ہی فرمادیجئے اب میں کبھی ایسا نہ کروں گا
بیان کیا گیا ہے کہ ایک حکیم سے اسکے ایک دوست
نے ملاقات کی اور اسکے کسی دوست کے متعلق
کوئی بات بیان کی حکیم نے اس سے کہا کہ ایک تو تم نے
ملاقات میں بہت دیر کی اور دوسرے اسوقت
تین جنایتیں کیں۔ میرے بھائی کو میری طرف
مبغوض کردیا اور میرے فارغ قلب کو مشغول
کردیا اور اپنے نفس امینہ کو متہم کردیا۔ مروی
ہے کہ سلیمان ابن عبدالملک بیٹھے ہوئے

بن عبد الملك كان جالسًا وعنده الزهري فجاءه رجل فقال له سليمان بلغني انك وقعت في وقلت كذا وكذا فقال الرجل ما قلت فقال سليمان ان الذي اخبرني صادق فقال له الزهري لا يكون النمام صادقا فقال سليمان صدقت ثم قال للرجل اذهب بسلام وقال الحسن من نم اليك نم عليك وهذا اشارة الى ان النمام ينبغي ان يبغض ولا يوثق بقوله ولا بصداقته وكيف لا يبغض وهو لا ينفك عن الكذب والغيبة والغدر والخيانة والغل والحسد والنفاق والافساد بين الناس والخديعة وهو ممن يسعى في قطع ما امر الله ان يوصل ويفسدون في الارض وقال تعالى انما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون في الارض بغير الحق والنمام منهم۔ وقال صلى الله عليه وسلم ان من شرار الناس من

تھے اور انکے پاس زہری بھی موجود تھے اتنے میں سلیمان کے پاس ایک شخص آیا تو اس سے سلیمان نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ تم نے میری غیبت کی ہے اور ایسا ایسا کہا ہے اس شخص نے کہا کہ میں نے تو نہیں کہا سلیمان نے کہا کہ جس نے مجھے خبر دی ہے وہ سچا ہے تو زہری نے کہا کہ نمام صادق نہیں ہوتا سلیمان نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس شخص سے کہا کہ سلامتی کے ساتھ چلے جاؤ۔ حسن فرماتے ہیں کہ جو شخص تمہاری طرف کوئی بات نقل کرے وہ تمہاری بات بھی دوسروں سے نقل کریگا اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مناسب ہے کہ نمام سے بغض رکھا جائے اور اسکے قول کی توثیق نہ کیجائے اور اسکی دوستی پر اعتماد نہ کیا جائے اور اس سے بغض کیوں نہ رکھا جائے درانحالیکہ وہ کذب سے غدر اور خیانت سے غل اور حسد سے نفاق اور افساد بین الناس سے اور خدیعہ سے کسی وقت خالی نہیں ہوتا نیز وہ ان لوگوں میں سے ہے جو قطع کرتے ہیں ان چیزوں کو جنکے وصل کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں اور نمام انھیں میں سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں میں سب سے برا

اتقاه الناس لشره والنمام منهم
وقال لايدخل الجنة قاطع
قيل القاطع بين الناس وهو
النمام وقيل قاطع الرحم وروى
عن علي رضي الله عنه ان رجلا
سعى اليه برجل فقال له يا
نحن نسأل عما قلت فان كنت
صادقا مقتناك وان كنت كاذبا
عاقبناك وان شئت اقلناك
فقال اقلني يا امير المؤمنين
وقيل لمحمد بن كعب القرظي
اي خصال المؤمن اوضع له
فقال كثرة الكلام وافشاء السر
وقبول قول كل احد وقال رجل
لعبد الله بن عامر وكان امير
بلغني ان فلانا اعلم الامير
اني ذكرته بسوء قال قد كان
ذلك قال فاخبرني بما قال
لك حتى اظهر كذبه عندك
قال ما احب ان اشتم نفسي
بلساني وحسبي ان لا اصدقه
فيما قال ولا اقطع عنك الوصال
ذكر السعاية عند بعض الصالحين
فقال ما ظنكم بقوم يحمد الصدق
من كل طائفة من الناس الا

وہ شخص ہے جس سے لوگ اسکے شر کی وجہ سے دور رہیں
اور نمام بھی انھیں میں سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ جنت میں قاطع نہیں جائیگا کہا گیا کہ قاطع سے
مراد نمام ہی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ قاطع رحم مراد ہے
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص
نے انکے سامنے کسی کی چغلی کھائی آپ نے فرمایا کہ
اے شخص جو کچھ تو نے کہا ہم اسکی تحقیق کرتے ہیں
اگر تو سچا ثابت ہوا تو ہم تجھ سے ناراض ہونگے اور اگر
تو جھوٹا ثابت ہوا تو سزا دینگے اور اگر تو چاہے تو ہم تجھکو
معاف کردیں اس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین مجھکو معاف
ہی فرما دیجئے۔ محمد بن کعب قرظی سے کہا گیا کہ مومن
کی خصلتوں میں کونسی ایسی خصلت ہے جو اسکو
بالکل گرادینے والی ہے انھوں نے کہا کہ بہت زیادہ
بولنا، راز کا ظاہر کرنا اور ہر ایک کی بات مان لینا اور
ایک شخص نے عبد اللہ ابن عامر سے کہا جو کہ امیر تھے
مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ فلاں شخص نے امیر کو یہ بات
پہونچائی ہے کہ میں نے اسکو برائی کے ساتھ یاد کیا
انھوں نے کہا کہ ہاں ایسا تو ہوا ہے اس شخص نے
کہا اچھا یہ تو بتائیے اس نے کیا کہا ہے تاکہ میں آپکے
سامنے اسکا غلط ہونا ظاہر کردوں انھوں نے کہا کہ
مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے آپکو خود اپنی زبان سے گالی دوں
اور مجھکو یہ کافی ہے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے میں اسکی تصدیق
نہ کروں اور تجھ سے تعلق کو منقطع نہ کروں۔ بعض صالحین
کے سامنے سعایہ کا ذکر آیا کہا گیا ہے انھوں نے کہا کہ تمھارا
اس قوم کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جس کی جانب

منهم وقال مصعب بن الزبير	سے سچائی جیسی چیز بھی مذموم ہو رہی ہے حالانکہ ہر قوم میں اسکو اچھا
نحن نرى ان قبول السعاية	سمجھا جاتا ہے۔ مصعب بن زبیر نے فرمایا کہ ہم تو یہ دیکھتے
شر من السعاية لان السعاية	ہیں کہ سعایہ کا قبول کرنا سعایہ سے بھی بدتر ہے۔ اسلئے کہ
دلالة والقبول اجازة وليس	سعایہ تو دلالت ہے اور اسکا قبول اجازت۔ اور نہیں
من دل على شئ فاخبر به	ہے وہ شخص جس کو کوئی بات معلوم ہو بس اسکی خبر کر دے
كمن قبله واجازه فاتقوا	اس شخص کے مانند جو اسکو قبول کرے اور اجازت دیدے
الساعي فلو كان صادقا في	لہٰذا ساعی سے بچو اگر وہ اپنے قول میں سچا بھی ہوا
قوله لكان لئيما في صدقه حيث لم	تو اپنے صدق میں لئیم ہوگا اس طور پر کہ اس نے
يحفظ الحرمة ولم يستر العورة	حرمت کی حفاظت نہیں کی اور عیب کو نہیں چھپایا

(احیاء العلوم ص۱۵۵ ج۳)

سب سے اہم بات جو ان حکایات سے مستنبط ہوتی ہے اسے بھی سمجھ لینا چاہیے وہ یہ کہ عمل بالنمیمہ سے کیا مراد ہے امام غزالیؒ کی مذکورہ بالا عبارت میں جو دو حکایتیں سلیمان ابن عبد الملک اور عبد اللہ ابن عامر کی گذری ہیں ان سے یہ بات نکلتی ہے کہ نمیمہ پر عمل کرنا یہ ہے کہ خبر لانے والے کی تصدیق کرے اور مقول فیہ سے انتقام لے یا اس سے قطع تعلق کرے اور اسکے خلاف کرنا یعنی نمام کی تصدیق نہ کرنا اور مقول فیہ سے قطع تعلق نہ کرنا یہی نمیمہ پر عمل نہ کرنا ہے۔ مگر محض خبر پہونچ جانے کیوجہ سے مقول فیہ متہم ہو گیا لہٰذا دفع تہمت کے لئے اس سے دریافت کر لینا جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ابن ارقمؓ کے خبر پہونچانے پر عبد اللہ ابن ابی کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تم نے ایسا کہا ہے اور اسکے انکار کرنے پر اسکی تصدیق فرما دی۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ اور عبد اللہ بن ابی منافق کے اس واقعہ کو مفصل بیان کر دیا جائے جس سے مضمون نمیمہ کے بعض گوشوں پر بھی روشنی پڑے گی نیز اور بہت سی مفید باتیں معلوم ہونگی۔ وھو ھٰذا۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ بخاری وغیرہ نے زید بن ارقم سے تخریج کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن ابی کو اپنے اصحاب سے کہتے ہوئے سنا کہ "جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ مت کرو تاکہ وہ لوگ کھسک جائیں" اور یہ بھی

کہا کہ جب ہم مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔ اس بات کو میں نے اپنے چچا سے بیان کیا انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دیا۔ مجھکو حضورؐ نے بلا بھیجا تو میں نے بھی آپ سے بیان کیا۔ اس پر حضورؐ نے عبداللہ ابن ابی اور اسکے اصحاب کو بلوایا ان سبھوں نے قسم کھالی کہ ہم نے نہیں کہا اس پر حضورؐ نے میری تکذیب فرمادی اور اسکی تصدیق کی اسکی وجہ سے مجھکو ایسا صدمہ پہونچا کہ کبھی بھی ایسا نہیں پہونچا تھا۔ میرے چچا نے کہا تم نے نہیں ارادہ کیا مگر اس بات کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری تکذیب کریں اور تم سے ناخوش ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اذا جاءک المنافقون نازل فرمایا تو مجھکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا بھیجا اور اس سورت کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا بیشک اللہ تعالےٰ نے تمھاری تصدیق فرمائی۔

اور محمد ابن اسحاق وغیرہ جو اہل سیر میں سے ہیں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہونچی کہ بنی مصطلق آپ سے جنگ کیلئے جمع ہو رہے ہیں اور اسکے قائد حضورؐ کی زوجہ جویریہؓ کے والد حارث ابن ضرار ہیں پس جبکہ حضورؐ نے ان لوگوں کے متعلق سنا تو مدینہ پر زید ابن حارثہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ اس روایت میں ہے جس کو محمد ابن عمرو اور ابن سعد نے روایت کیا' اور ابن ہشام نے کہا ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو خلیفہ بنایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور مسلمانوں نے تیس گھوڑوں کو آگے کیا جن میں سے دس مہاجرین کے لئے تھے اور دو گھوڑے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سے منافقین بھی نکلے اس غرض سے کہ متاع دنیا کو حاصل کریں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات بنی مصطلق سے انکے ایک چشمہ پر ہوئی جس کو مریسیع کہا جاتا تھا جو مقام قدید کے پاس ساحل جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا تھا۔

حارث نے لڑائی کی تیاری کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صف آرائی فرمائی اور حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ لا الہ الا اللہ کہیں اسکے ذریعہ سے تم لوگ اپنے نفسوں اور اپنے اموال کو بچا لوگے۔ حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ بنی مصطلق نے اسکا جواب تیر اندازی کے ساتھ دیا اور سب لوگ باہم ایک دوسرے میں گھس گئے اور قتال شروع ہو گیا اللہ تعالےٰ

بنی مصطلق کو شکست دی ان میں بہت سے لوگ قتل ہوئے اور انکی اولاد اور مال اللہ تعالےٰ نے آپکو غنیمت میں عطا فرمایا۔ اسی اثناء میں کہ لوگ ابھی چشمے ہی پر تھے کچھ لوگ اور آگئے، حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ انکا ایک اجیر تھا جو بنی غفار کا تھا اور جس کا نام جہجاہ بن سعید غفاری تھا وہ آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑکر لیچل رہا تھا پس یہ جہجاہ اور سنان بن دبرہ جہنی جو کہ ابن عوف بن خزرج کا حلیف تھا اسی چشمہ پر باہم لڑ پڑے اور قتال کرنے لگے جہجاہ نے سنان پر ایک وار کیا جس سے خون بہ نکلا پس یہ سنان جہنی چیخا کہ اے انصار کی جماعت مدد کرو، ادہر غفاری بھی چلایا کہ اے مہاجرین کی جماعت مدد کو پہنچو۔ چنانچہ جہجاہ کی اعانت ایک مہاجر نے کی جس کا نام جعال تھا اس پر جانبین سے ایک ایک جماعت نکل آئی اور ہتھیار نکال لئے اور قریب تھا کہ ایک فتنۂ عظیم برپا ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے اور اس منظر کو دیکھکر فرمایا کہ یہ جاہلیت کا سا شور کیسا؟ آپ کو واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپؐ نے فرمایا مٹو چھوڑو اسکو یہ کھلا ہوا فتنہ ہے یعنی شرعاً مذموم ہے چاہیئے کہ انسان اپنے بھائی کی مدد کرے چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم یعنی اگر وہ ظالم ہو تو اسکو ظلم سے روک دے اسکی مدد کرنے والا ہو جائے گا اور اگر مظلوم ہے تو اس کی اعانت کرے پھر مہاجرین کی ایک جماعت نے عبادہ بن صامتؓ سے اور انصار کی ایک جماعت سے گفتگو کی تو انھوں نے سنان کو سمجھایا اس نے اپنا حق چھوڑ دیا۔ ادہر عبداللہ بن ابی بن سلول بیٹھا ہوا تھا اور اسکے پاس دس اشخاص منافقین موجود تھے جن میں مالک۔ سوید قاعس۔ اوس بن قیطی۔ زید بن صلت۔ عبداللہ بن نبیل اور معتب بن قشیر بھی تھے اور قوم میں زید بن ارقم جو ایک نوعمر لڑکے تھے یہ بھی موجود تھے ابن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب یہی کرو اسلئے کہ یہ لوگ ہم پر غالب آگئے ہیں اور ہمارے اس شہر میں انکی اکثریت ہے خدا کی قسم ہماری اور ان لوگوں کی مثال تو بالکل وہی ہے جو کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو خوب کھلا کھلا کر موٹا کرو تاکہ وہ ایک دن تمھیں کو کھا جائے، خدا کی قسم اگر ہم مدینہ پہونچے تو اسمیں سے عزیز ذلیل کو باہر نکال دیگا۔ عزیز سے اپنے کو مراد لیا اور ذلیل سے (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ پھر اپنے قوم کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ یہ تو تم لوگوں نے خود اپنے نفسوں کے ساتھ

کیا ہے تم نے خود ہی اپنے شہروں میں انکو داخل کردیا اور اپنے اموال انکو تقسیم کردیئے خدا کی قسم اگر تم لوگ جعال وغیرہ کو اپنا بچا ٹکڑا نہ دیتے تو آج یہ تمھاری گردنوں پر سوار نہ ہوتے بلکہ کسی اور جگہ منتقل ہوجاتے پس ان پر خرچ نہ کرو تاکہ یہ محمدؐ کے پاس سے کھسک جائیں یہ سنکر زید بن ارقمؓ نے کہا خدا کی قسم تو ہی ذلیل ہے حقیر ہے اور مبغوض ہے اپنے قوم میں۔ اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عزت عطا فرمائی اور مسلمانوں کے قلوب میں آپ کی محبت رکھی۔ یہ سنکر عبداللہ بن ابی بولا چپ رہو جی میں تو مذاق میں ایک بات کہہ رہا تھا۔ زید بن ارقمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے خبر دینے کو ناپسند فرمایا اور آپؐ کا چہرہ متغیر ہوگیا فرمایا کہ صاحبزادے جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو۔ انھوں نے کہا کہ نہیں، خدا کی قسم میں نے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا شاید تم سے کچھ سننے میں غلطی ہوگئی ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ایسا بھی نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا شاید تم کو شبہ ہوگیا ہو۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا بھی نہیں ہوا۔ اور ہر لشکر میں ابن ابی کی بات مشہور ہوگئی اور لوگوں میں ہر جگہ یہی چرچا تھا ابن ابی نے ایسا ایسا کہا ہے۔ انصار کی ایک جماعت زید بن ارقمؓ کو ملامت کرنے لگی اور یہ کہا کہ تم نے اپنی قوم کے ایک سردار کی ذلت کا قصد کیا اور ان پر جھوٹ لگایا تم نے بہت برا کیا اور قطع رحمی کا باعث بنے۔ زید نے ان لوگوں سے بھی کہا کہ خدا کی قسم جو کچھ اس نے کہا اسکو میں نے خود سنا ہے۔ خدا کی قسم خزرج میں کوئی شخص عبداللہ ابن ابی سے بڑھکر میرے والد کا دوست نہیں تھا تو اگر مجھے کچھ پاس و لحاظ ہوتا تو اپنے والد ہی کی دوستی کا ہوتا) لیکن یہ جملہ میں نے اپنے والد سے بھی سنا ہوتا تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ضرور پہنچاتا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ پر آیت نازل فرمائیں گے جس سے میرے کہے کی تصدیق ہوجائے گی۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ بن خطاب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس (منافق) کی گردن ماردوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ عباد بن بشیر کو یا کہا کہ محمد بن مسلمہ کو حکم فرمائیے تاکہ اسکا سر آپ کے پاس لے آدیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا حال ہوگا اے عمرؓ جبکہ

لوگ آپس میں یہ گفتگو کریں گے کہ محمد اپنے اصحاب ہی کو قتل کر دیتے ہیں لیکن آپ نے اسی وقت کوچ کر دینے کا حکم فرمایا اور وہ ایسا وقت تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت کوچ نہیں فرماتے تھے اس لئے کہ سخت گرمی تھی اور آپ کوچ ٹھنڈے وقت فرمایا کرتے تھے۔ لشکر کو آپ کے ارادہ کی اطلاع اسوقت ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر جس کا نام قصوی ہے سوار ہو چکے تھے اسکے بعد لوگوں نے بھی کوچ کا سامان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو بلوا بھیجا، وہ حاضر ہوا آپ نے کہا یہ بات جو مجھ تک پہونچی ہے کیا تم ہی اسکے صاحب ہو؟ عبداللہ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی میں نے ان باتوں میں سے کوئی بھی بات نہیں کہی زید رضی نے بالکل جھوٹ کہا۔ عبداللہ چونکہ اپنے قوم میں ایک شریف اور عظیم المرتبت شخص شمار ہوتا تھا اسلئے آپ کے انصاری صحابہ میں سے جو لوگ موجود تھے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہو سکتا ہے زید کو اپنی بات میں کچھ غلط ہو گیا ہو اور جو کچھ اس نے (ابن ابی نے) کہا ہو وہ انکو یاد نہ رہا ہو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معذور قرار دیا اور انصار کی جانب سے حضرت زید رضی کی عام طور سے تکذیب و ملامت ہونے لگی یہ دیکھکر حضرت زید رضی کے چچا نے ان سے کہا بس تم یہی چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب لوگ تمھاری تکذیب کر دیں اور تمھیں جھڑکیں۔ زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے چچا کی یہ بات سنکر شرما گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے رکنے لگے جب حضور جماعت کے سامنے سے گزرے تو سب سے پہلے جس نے آپ سے ملاقات کی وہ سعد بن عبادہ تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسید بن حضیر تھے چنانچہ ابن اسحٰق کی یہی رائے ہے انھوں نے کہا السلام علیک یا ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضور نے جواب میں فرمایا وعلیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسے ناوقت سفر فرمایا کہ کبھی ایسے وقت سفر فرمانا معمول نہ تھا آپ نے فرمایا تمھارے صاحب نے کیا کہا ہے کچھ اسکی بھی خبر ہے؟ عرض کیا کون صاحب؟ فرمایا ابن ابی کا یہ گمان ہے کہ جب وہ مدینہ واپس جائے گا تو جو عزیز ہوگا وہاں سے ذلیل کو نکال دیگا۔ عرض کیا

یارسول اللہ ٹھیک تو ہے انشاء اللہ آپ اسکو نکال دیں گے اور وہی ذلیل ہے اور آپ عزیز ہیں کیونکہ عزت اللہ کے لئے ہے آپ کے لئے ہے، اور مومنین کے لئے ہے۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ اسکے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیے اس لئے کہ جس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ یہاں (مدینہ میں) لایا اسوقت اس کا یہ حال تھا کہ اسکی قوم اسکے لئے جواہرات کو پرو رہی تھی تاکہ اسکا تاج بنا کر اسکے سر پر رکھے اس کی تیاری میں ایک جوہر کی کسر تھی جو یوشع نامی یہودی کے پاس تھا (اور وہ اسکے دینے میں ٹال مٹول کر رہا تھا) اور قوم کو آزما رہا تھا اسلئے کہ یہ سمجھتا تھا کہ ان لوگوں کو اسکی حاجت ہے تو ضرور لیں گے (اس سبب سے ابھی تاج مکمل نہیں ہوا تھا) کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اسی حالت میں یہاں لے آیا پس اس نے نہیں خیال کیا مگر یہ کہ آپ نے گویا اس کا ملک ہی چھین لیا۔

ادھر عبداللہ ابن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہ کو حضرت عمرؓ کا مقولہ پہونچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ جو کچھ آپ کو ابن ابی کے متعلق پہونچا ہے اسکے عوض اس کو قتل کریں تو مجھی کو حکم فرما دیجئے خدا کی قسم آپ کے اس مجلس سے اٹھنے کے پہلے پہلے اسکا سر حاضر خدمت کرونگا۔ بخدا قبیلۂ خزرج کو یہ معلوم ہے کہ اسکے اندر مجھ سے زیادہ اپنے والدین کا فرماں بردار کوئی شخص نہیں ہوا بایں ہمہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ میرے غیر کو اسکے قتل کا حکم فرمائیں گے تو میرے نفس کو یہ موقع ملیگا کہ میں کبھی اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں اور برداشت نہ کرسکوں اور مبادا کہ اسے قتل کردوں تو نتیجہ یہ ہو کہ میں ایک مومن کو کافر کے عوض قتل کرکے داخل نار ہو جاؤں لہٰذا اسکا موقع ہی نہ آنے دیجئے باقی آپ کا معاف فرما دینا یہ کہیں زیادہ افضل و اعظم ہے

؎ چنانچہ صاحب روح المعانی نے آیت وھموا بما لم ینالوا کے تحت اسی مضمون کی ایک حدیث نقل کی ہے ھذا نصہ عن ابی صالح انھم ارادوا ان یتوجوا عبد اللہ ابن ابی بتاج ویجعلوہ حکما ورئیسا بینھم وان لم یرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۱۴۹) ترجمہ (ابوصالح کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے عبداللہ ابن ابی کو تاج پہنانے کا ارادہ کیا تھا اور یہ ارادہ کیا تھا کہ اسکو اپنا حکم اور سردار بنالیں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہوں۔

یہ سنکر حضورؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہ میں نے اسکے قتل کا ارادہ تو کیا نہیں اور نہ کسی کو اسکا حکم دیا اور ہمارے درمیان جب تک وہ رہیگا ہم اسکے ساتھ اچھا ہی برتاؤ کریں گے حضرت عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس جھیل کے پاس بسنے والوں نے اتفاق کیا تھا کہ میرے باپ کو تاج پہنائیں کہ اسی اثناء میں اللہ تعالےٰ آپ کو لے آیا اسکو پست کردیا اور آپ کو رفعت عطا فرمائی (ایک تو یہ بات تھی) نیز اسکے ساتھ ایسے لوگ بھی تھے جو ان باتوں کا تذکرہ کرتے تھے جن میں اللہ تعالےٰ نے انھیں مغلوب کردیا تھا یہ اسباب باعث ہوئے اسکی اس بکواس کے)۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ سارا دن چلتے رہے یہانتک کہ شام ہوگئی پھر ساری رات چلتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی پھر اس دن کے ابتدائی حصے میں چلتے رہے یہاں تک کہ دھوپ کی تکلیف ہونے لگی اسوقت آپ نے منزل کیا۔ بس لوگ تھکے تو تھے ہی زمین پر اترتے ہی لیٹے اور سو گئے۔ آپ نے یہ مسلسل سفر اسلئے فرمایا تاکہ لوگوں سے ان تاثرات کو ختم کردیں جو ابن ابی کے قول سے ان میں پیدا ہوگئے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا یہاں تک کہ حجاز کے ایک پانی پر اترے جو نقیع سے اوپر کی جانب واقع تھا جس کا نام بقعار تھا۔

مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب مدینہ قریب ہوا تو بڑے زور کی ہوا چلی ایسی قریب

ع٥ کبراء قوم جب اپنی ترنگ میں آتے ہیں تو اسی قسم کے ہفوات زبان سے نکالا کرتے ہیں اس کے متعلق صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرز عمل اختیار فرمایا کہ صرف ابن ابی سے پوچھ لیا اور پھر قسم کھانے پر اسکا عذر قبول فرمالیا اس سے معلوم ہوا کہ قوم کے بڑے لوگوں کے اس قسم کے ہفوات پر مواخذہ نہیں کرنا چاہیئے تاکہ انکے اتباع کو اشتعال نہ ہو بلکہ صرف عتاب پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ مانصہ۔ وفی الحدیث من الفوائد ترك مواخذة کبراء القوم بالھفوات لئلا ینفر اتباعھم والاقتصار علی معاتبتھم وقبول اعذارھم وتصدیق ایمانھم وان کانت القرائن ترشد الی خلاف ذلك لما فی ذلك من التانیس والتالیف

تھا کہ سواری پر سوار انسان دفن ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہوا کسی منافق کی موت کے لئے بھیجی گئی ہے۔ چنانچہ جب ہم مدینہ آئے تو معلوم ہوا کہ منافقین کے بڑے لوگوں میں سے ایک شخص مرگیا ہے۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ جب ان لوگوں میں آندھی آئی تب لوگوں نے کہا کہ یہ ہوا نہیں اٹھی ہے مگر کسی اہم واقعہ کی بناء پر جو مدینہ میں رونما ہوا۔ اور مدینہ میں انکے اولاد اور انکے بچے تھے اور ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عُیَینہ بن حصین کے درمیان کوئی معاہدہ تھا جسکی مدت بھی قریب ختم کے تھی (اس لئے بھی لوگوں کو تشویش تھی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا اسکی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ مدینہ کی کوئی گلی ایسی نہیں ہے کہ جس میں کوئی فرشتہ حفاظت کیلئے موجود نہ ہو اور تمہارے پہنچنے سے پہلے کسی دشمن کی یہ مجال نہیں کہ اسمیں داخل ہو سکے لیکن بات یہ ہے کہ مدینہ میں جو ایک بڑا منافق تھا وہ مرگیا اسی لئے یہ ہوا چلی ہے اور منافقین کو اسکے مرنے کی وجہ سے سخت غم و غصہ تھا۔ اس منافق کا نام زید بن رفاعہ بن تابوت تھا جو اسی دن مرا تھا۔ یہ شخص منافقین کی جائے پناہ تھا۔ محمد بن عمرو حضرت جابرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اتنی سخت ہوا اس سے پہلے کبھی نہیں چلی تھی اور وہ زوال شمس تک چلتی رہی پھر شام کو بند ہوئی۔ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ ہوا اس اللہ کے دشمن کے دفن ہونے تک چلتی ہوئی پائی اس کے بعد وہ ٹھہری۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے اس دن ابن ابی سے کہا کہ تمہارے دوست زید بن رفاعہ تو چل بسے اور اسکی موت سے اسلام اور اہل اسلام کی فتح ہوئی۔ اس نے کہا ہائے افسوس کیا ایسا ہوا ہے۔ اور یہ کہا کہ اے ابا ولید تمکو کس نے بتایا ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ ابھی ابھی مرا ہے یہ سنکر وہ بہت ہی رنجیدہ ہوا اور حزین و غمگین ہو کر چلا گیا۔ محمد بن عمرو حضرت ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اونٹوں کے درمیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ قصویٰ کہیں نکل بھاگی مسلمان چاروں طرف اسکو تلاش کرنے لگے۔ اس پر زید بن صلت نے جو ایک منافق تھا اور انصار کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا جن میں عبادہ بن بشر بن وقش اور اسید بن حضیر بھی تھے، یہ کہا کہ یہ لوگ چاروں طرف کہاں دوڑ رہے ہیں لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ گم ہوگئی ہے اسی کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہ سن کر کہا کہ

(یہ تو نبی ہیں) اللہ تعالیٰ انھیں اسکے مکان کی اطلاع کیوں نہیں کر دیتے۔ قوم کو یہ بات بُری لگی۔ سب نے کہا اے اللہ کے دشمن! خدا تجھکو ہلاک کرے تو منافق ہوگیا پھر حضرت اسید بن حضیرؓ اسکی طرف بڑھے اور کہا (سن) خدا کی قسم میں تو ابھی تیرے پیٹ میں نیزہ بھونک دیتا اے اللہ کے دشمن۔ لیکن رکاوٹ صرف اس بات کی ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرا یہ اقدام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشار کے مطابق بھی ہوگا یا نہیں لیکن تجھ سے یہ کہتا ہوں کہ جب تیرے نفس میں ایسی خباثت بھری ہوئی تھی تو تو ہم لوگوں کے ساتھ نکلا ہی کیوں؟ اس نے کہا کہ میں اسلئے آیا کہ متاع دنیا (مال غنیمت) طلب کروں۔ خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم کو ناقہ سے کہیں زیادہ عظیم الشان چیزوں کی خبریں دیا کرتے ہیں چنانچہ آپ آسمان تک کی باتیں بیان فرماتے ہیں (پھر اونٹنی کے بارہ میں کیوں نہیں بتا دیتے جب کہ تم سب لوگ اسکے لئے پریشان بھی ہو) تو سب لوگوں نے کہا خدا کرے تجھ سے ہماری کبھی راہ و رسم نہ ہو اور ہم تم کبھی ایک سایہ میں جمع نہ ہوں۔ اگر ہم لوگ تیرے دل کی بات جانتے تو کبھی اپنے ساتھ تجھے نہ لاتے۔ یہ سنکر وہ کودا اور مجمع سے نکل بھاگا۔ اس ڈر سے کہ لوگ کہیں مار نہ بیٹھیں اور مال و اسباب چھین نہ لیں۔ بھاگ کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے اصحاب سے بچکر آپ کی پناہ پکڑی۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر آئے، حضورؐ نے فرمایا درانحالیکہ یہ منافق بھی سن رہا تھا کہ منافقین میں سے ایک شخص نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسکے مقام کی خبر نہ کر دی اور قسم ہے خدا کی محمدؐ تو ہم کو ناقہ سے کہیں بڑھکر چیزوں کی خبریں دیا کرتے ہیں تو (بھائی) اللہ کے سوا کسی کو غیب کا علم تو ہے نہیں مگر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے مجھے اسکے مقام کی خبر دیدی ہے، یہ کہ وہ فلاں گھاٹی میں ہے جو تمہارے آگے ہے اور اسکی مہار ایک درخت سے الجھ گئی ہے لوگ وہاں گئے جہاں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اور اسکو لے آئے۔ جب اسکو اس منافق نے دیکھا تو بہت نادم ہوا اور جلدی سے اپنے ساتھیوں کی طرف چلا اس حال میں کہ اسکے پیر لڑکھڑا

ف۔ مخلصین کا یہی طرز رہا ہے کہ جب اپنی جماعت میں کسی غیر مخلص کو گھسا ہوا پاتے تو چین نہیں ہوتے اور اس سے تبری کرتے

رہے تھے اور وہ سب لوگ اسی طرح بیٹھے تھے کوئی شخص بھی ان میں سے مجلس سے نہ اٹھا تھا جب یہ انکے پاس پہنچا تو ان لوگوں نے کہا کہ (خبردار) اب ہمارے پاس نہ آنا۔ اس نے کہا مجھے کچھ کہنا ہے۔ یہ کہکر قریب گیا اور کہا میں اللہ کی قسم دیتا ہوں یہ بتاؤ کہ کیا تم میں سے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا ہے اور میری بات کی انکو اطلاع دی ہے۔ لوگوں نے کہا، نہیں، خدا کی قسم ہم تو اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہیں۔ اس نے کہا (بڑے تعجب کی بات ہے) میری کہی ہوئی بات قوم ہی کے پاس رہی (یعنی ان سے متجاوز نہیں ہوئی) حالانکہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اسکو بیان فرما دیا۔ پھر قوم کو خبر دی اس بات کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور یہ بھی کہا کہ میں اب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں شک میں تھا اب گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور یوں سمجھو کہ گویا میں آج مسلمان ہوا ہوں۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو وہ تیرے لئے استغفار کر دیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ سے اپنے لئے استغفار طلب کیا۔ اور اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق پر پہونچے تو عبداللہ ابن عبداللہ بن ابی آگے بڑھکر ہر سوار کا جائزہ لینے لگے یہاں تک کہ انکے باپ گذرے تو انکی سواری کو بٹھانے کیلئے اسکے اگلے پیر کو اپنے پاؤں سے روندنے لگے ان کے باپ نے کہا اے کمینہ تو کیا چاہتا ہے؟ کہا خدا کی قسم آپ (مدینہ میں) داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں۔ اور تو جان لے کہ کون عزیز ہے اور کون ذلیل۔ تو ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس جو لوگ مسلمانوں میں سے انکے پاس سے گزرتے تھے وہ تو سیدھے چلے جاتے تھے اور انکے علاوہ جو گزرتے تھے وہ کہتے تھے کہ اپنے باپ کے ساتھ یہ حرکت کرتے ہو؟ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا، آپ نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ عبداللہ ہیں جو اپنے باپ کو روکے ہیں تا آنکہ آپ اسکو داخلہ کی اجازت دیدیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے اس حال میں کہ عبداللہ اپنے والد کی سواری کے اگلے پیر پر اپنا پیر رکھے ہوئے تھے اور ابن ابی کہہ رہا تھا واقعی میں بچوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں، واقعی میں عورتوں سے

بھی زیادہ ذلیل ہوں۔ یہ دیکھ کر حضور نے حضرت عبداللہ سے فرمایا کہ اپنے باپ کو چھوڑ دو تب انھوں نے اسے چھوڑا (اور روح المعانی میں اسی واقعہ میں اتنا اور بھی نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی جو کہ ایک مخلص صحابی تھے اپنے باپ کے سامنے تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے جس وقت کہ سب لوگ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے اور یہ کہا کہ قسم خدا کی میں اس تلوار کو نیام میں نہیں رکھونگا جب تک کہ تو نہ کہہ لے کہ محمدؐ عزیز ہیں اور میں ذلیل ہوں چنانچہ اس کے پاس سے ہٹے نہیں یہاں تک کہ کہلوا لیا)
(روح المعانی ج ۱۰۲/۲۸)

محمد بن عمر، رافع بن خدیج سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبادہ بن صامت کو اس دن ابن ابی سے یہ کہتے ہوئے سنا قبل اس کے کہ اس بارے میں قرآن نازل ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو آپ تیرے لئے استغفار فرمادیں گے۔ حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ دیکھا میں نے اسکو کہ اپنے سر کو اعراض کرتے ہوئے موڑ رہا ہے عبادہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تیرے اس طرح سر موڑنے کے بارے میں ضرور قرآن نازل فرمائیں گے جو نمازیں پڑھا جائے گا وہ کہتے ہیں کہ اسی اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دن تشریف لیجا رہے تھے اور زید ابن ارقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ پکڑنے کے لئے اپنی سواری کو آگے بڑھا رہے تھے کہ آپ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی، زید بن ارقم کہتے ہیں کہ اسکی پہچان اس سے ہوتی تھی کہ آپ پر سختی اور شدت کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور آپکی پیشانی پر پسینہ آجاتا تھا اور آپ کی سواری کے اگلے پیر بوجھ کی وجہ سے مڑنے لگتے تھے۔ ان نشانیوں سے میں نے پہچان لیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے اور میں نے یہ توقع کی کہ اللہ تعالیٰ میرے صدق کو ظاہر فرمادیں گے۔ زید کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کی مشقتیں ختم ہو گئیں تو آپ نے میرے دونوں کان پکڑے میں اسوقت اپنی سواری پر بیٹھا ہوا تھا اپنی جگہ سے اٹھ پڑا آپ نے دونوں کانوں کو اپنی طرف کھینچا یہ فرماتے ہوئے کہ لڑکے تیرے کان نے ٹھیک سنا تھا اللہ تعالیٰ نے تیرے قول کی تصدیق فرمادی۔ چنانچہ سورۂ منافقین اول سے آخر تک تنہا ابن ابی کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کے بعد ابن ابی جب کوئی بات کہتا تو اسی کی قوم اس سے عتاب کرتی اور مواخذہ

کرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب سے جس وقت کہ انکو منافقین کے یہ سب حالات معلوم ہوئے دریافت فرمایا کہ عمرؓ تم نے کیا دیکھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں تو جانتا ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کیلئے برکت ہے جو اس سے کہیں بڑی ہے۔ پس یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ سورۂ منافقین سفر میں نازل ہوئی آپ کے مدینہ تشریف آوری سے پہلے۔ اور بغوی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو زید بن ارقمؓ نے کہا کہ میں رنج اور شرم کی وجہ سے گھر بیٹھ رہا پس اللہ تعالےٰ نے سورۂ منافقین نازل فرمائی جس میں زید کی تصدیق تھی اور عبداللہ ابن اُبی کی تکذیب۔ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کا کان پکڑا اور فرمایا کہ اے زید! اللہ تعالےٰ نے تمھاری تصدیق فرمائی اور تمھارے کان نے سچ سنا تھا۔ رُواۃ کہتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی اور عبداللہ ابن ابی کا کذب ظاہر ہوگیا تو اس سے کہا گیا کہ اے ابا حُباب تیرے بارے میں کیسی سخت آیت نازل ہوئی ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو وہ تیرے لئے استغفار فرمادیں گے تو اپنے سر کو تکبر کے ساتھ موڑا اور کہا کہ تم لوگوں نے مجھ سے کہا کہ میں ایمان لاؤں تو میں ایمان لایا پھر مجھ سے مال کی زکوٰۃ دینے کو کہا میں نے اسکو بھی کیا۔ بس اب یہی باقی رہ گیا ہے کہ میں محمد کو سجدہ کروں اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ الآیۃ اور جب ابن اُبی مدینہ میں داخل ہوا تو تھوڑے ہی دن رہا کہ بیمار ہوا اور مر گیا۔

فائدہ: بقول ابن اسحاق کے یہ واقعہ شعبان ۶ھ میں ہوا اور یہی قول خلیفہ بن خیاط اور طبری کا بھی ہے لیکن قتادہ اور عروہ کہتے ہیں کہ شعبان ۵ھ کا ہے۔ اور

۵۔ میں کہتا ہوں عبداللہ ابن اُبی سے جو کلمات صادر ہوئے جنکی بنا پر سورۂ منافقون نازل ہوئی اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ سفر ہی کا ہے باقی حضرت زید بن ارقمؓ کا کان پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ تیرے کان نے سچ سنا (اور ظاہر ہے کہ یہ سورۂ منافقون کے نزول کے بعد ہی فرمایا) تو اسمیں دو روایتوں کا اختلاف ہے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی سفر میں ہوا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں پہنچکر ہوا۔

اور اسی واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہؓ بنت حارث بن ابی ضرار سے نکاح فرمایا۔ محمد بن اسحاق ۔ احمد ابوداؤد اور محمد بن عمر یہ سب حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ جویریہؓ ایک شیریں کلام عورت تھیں، نہایت حسین وجمیل انھیں جو بھی دیکھتا تھا فریفتہ ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چشمہ پر قیام کے وقت میرے پاس موجود تھے، جویریہؓ آپ کے پاس اپنی کتابت کے متعلق کچھ کہنے کے لئے آئیں پس خدا کی قسم جوں ہی میں نے انکو آتے دیکھا مجھے کھل گیا اور میں نے انکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا پسند نہیں کیا کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ آپ بھی ان سے وہ چیز دیکھیں گے (یعنی انکا حسن وجمال) جو میں نے دیکھا ہے ۔ انھوں نے آکر کہا یا رسول اللہ میں ایک مسلمان عورت ہوں، گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میرا نام جویریہ ہے ۔ حارث بن ابی ضرار جو اپنی قوم کا سردار ہے اسکی لڑکی ہوں ۔ مجھے جو کچھ پیش آیا وہ آپ پر مخفی نہیں چنانچہ ثابت بن قیس ابن شماش اور اسکے بھتیجے کے حصے میں پڑی تھی مگر اس نے اپنے بھتیجے سے کہہ کر مجھے اپنے لئے خاص کر لیا اور مدینہ میں قیام گزیں ہوں ۔ اسنے مجھے مکاتب بنایا ہے اتنے مال پر کہ مجھے اسکی ادائیگی کی طاقت نہیں اور اسکا ادا کرنا ضروری ہے اور انھوں نے ایک کثیر رقم اس لئے مجھ پر لادی کہ مجھے آپ سے توقع ہے لہٰذا میری مکاتبت میں میری اعانت فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے بڑھکر بات نہ کروں ؟ انھوں نے عرض کیا وہ کیا؟ آپؐ نے فرمایا تمھاری جانب سے بدل کتابت بھی ادا کردوں اور تم سے نکاح بھی کرلوں حضرت جویریہؓ نے کہا یا رسول اللہ اس سے بڑھکر کیا چیز ہے مجھے منظور ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو بلوا بھیجا اور ان سے جویریہؓ کو طلب کیا۔ ثابت نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں انکو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی کتابت کی رقم ادا فرمائی اور انکو آزاد کرا کے ان سے نکاح فرمالیا اور لوگوں کی طرف نکلے اس حال میں کہ بنی مصطلق کے سارے قیدی تقسیم کیے جا چکے تھے اور صحابہؓ انکی عورتوں سے انتفاع کے مالک ہو چکے تھے (جب مسلمانوں کو اس تقریب کا علم ہوا تو) سب نے کہا یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال کے لوگ ہیں لہٰذا سب نے اپنے اپنے غلاموں کو آزاد کردیا اور کسی کے پاس انمیں سے کچھ نہیں رہا۔ حضرت عائشہؓ

کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہؓ سے نکاح کرنے کے سبب سے سو گھرانے کی عورتیں آزاد ہوگئیں پس اپنی قوم کے حق میں ان سے بڑھکر عظیم البرکت کوئی عورت نہیں ہوئی۔ محمد بن عمر حرام بن ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جویریہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے تین دن قبل یہ (خواب) دیکھا تھا کہ گویا چاند یثرب سے چل کر میری گود میں آگیا ہے میں نے پسند نہیں کیا کہ اسکی اطلاع کسی کو دوں یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ پھر جب ہم لوگ قید ہوگئے تو مجھے گمان ہوا کہ اب شاید اس خواب کی تعبیر ظاہر ہو۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کرایا اور مجھ سے نکاح فرمایا اس وقت بھی خدا کی قسم میں نے اپنی قوم کے بارے میں حضور سے کچھ نہیں کہا یہاں تک کہ مسلمانوں ہی نے خود انکو چھوڑ دیا اور مجھے یہ بات اپنے چچا کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی سے معلوم ہوئی جب کہ وہ اس واقعہ کو مجھ سے بیان کر رہی تھی پس میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر حافظ بن عابد نے روایت کیا کہ حارث بن ابی ضرار یعنی جویریہؓ کے والد اپنی لڑکی کو چھڑانے کیلئے آئے جب مقام عقیق پر پہونچے تو اپنے ان اونٹوں پر ایک نظر ڈالی جن کو لڑکی کا فدیہ دینے کے لئے لا رہے تھے ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ تھے انھیں دیکھکر جی بھر آیا (انکی جدائی گوارا نہ ہوئی) اس لئے عقیق کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں اسے چھپا دیا پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد تمہارے پاس میری لڑکی ہے یہ اسکا فدیہ ہے (انھیں لیکر میری لڑکی واپس کردو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا اور وہ دونوں اونٹ کہاں ہیں جنھیں تم نے عقیق کی فلاں فلاں وادی میں چھپا رکھا ہے۔ حارث نے یہ سنکر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ واقعی مجھے ان دونوں میں رغبت تھی اور اسکی اطلاع سوائے اللہ کے کسی کو نہ تھی یہ کہکر مسلمان ہو گئے۔ محمد بن عمر کہتے ہیں کہ ابو سعید کہتے تھے کہ ہمارے پاس انکی جماعت آئی۔ پس انھوں نے بچوں اور عورتوں کا فدیہ دیا اور اپنے وطن واپس چلے گئے۔

فائدہ: ماقبل میں جو قصہ بیان ہوا اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دی اور شیخینؒ نے ابن عون سے روایت کیا ہے وہ کہتے

ہیں کہ میں نے نافع سے لکھکر دریافت کیا کہ کیا قتال سے پہلے دعوت اسلام ضروری ہے
انھوں نے جواب دیا کہ یہ شروع اسلام میں تھا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے بنی مصطلق پر حملہ کیا اور ان لوگوں نے حملہ کا جواب دیا دراں حالیکہ انکے جانور
پانی پی رہے تھے پس انکے لڑنے والے قتل کئے گئے اور انکے بچے قید کیے گئے۔ اور
اس میں ہے کہ یہ حدیث مجھ سے عبد اللہ ابن عمر نے بیان کی جو خود اس لشکر میں موجود تھے۔

ناظرین کرام نے ان روایات کو ملاحظہ فرمایا مزید افادہ کے لئے اس میں بیان کئے
ہوئے فوائد مرتب طور پر اختصاراً پیش کرتا ہوں تاکہ ذہن نشین ہو جائے اور لائحہ عمل بنانا
آسان ہو۔

یہ ساری روایتیں جو بیان ہوئیں جو سورۂ منافقون کے شان نزول سے متعلق
تھیں ان سب کو یکجا کر کے اور اس طرح سے مرتب طور پر ملاحظہ کرنے کے بعد اب
آپ کو بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ قرآن شریف سمجھنے کیلئے محض لفظی ترجمہ کافی نہیں ہے بلکہ
کسی آیت کی تفسیر کیلئے حدیث کی روایات اور اسکے شان نزول کا علم بھی ضروری ہے
ان سب کے جاننے کے بعد تفسیر کی دوسری ہی شان ہو جاتی ہے اور سمجھ میں آتا ہے
کہ ترجمہ اور چیز ہے اور تفسیر اور چیز ہے۔ چنانچہ یہی سورۂ منافقون ہی ہے کہ بہت دنوں
سے سمجھتا تھا کہ ایک مخصوص شان رکھتی ہے اور عظیم واقعات پر مشتمل ہے لیکن اب
تفسیر کی مراجعت سے معلوم ہوا کہ سبحان اللہ کیا عجیب وغریب سورۃ ہے
اس سے متعلق روایات مذکورہ کے دیکھنے سے نفاق اور اخلاص کا مفہوم معلوم ہوا
مخلص اور منافق کا مصداق سمجھ میں آیا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری
اور جاں بازی اور منافقین کی کذب بیانی اور فتنہ پردازی کا مشاہدہ ہوا اور خود
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق آپ کا تحمل اور چشم پوشی، رعایت اور آپکے
معجزات کی ایسی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بس مومن کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی تصدیق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ نیز حضرات صحابہؓ
کے حسن ادب اور پر از اخلاص اقوال اور افعال کا ایسا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا
ہے کہ انکے دیکھنے کے بعد انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی حسن ادب تو حضرات
صحابہؓ ہی کا حصہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت انھیں حضرات کو حاصل تھی

اور انھیں کا حوصلہ تھا کہ ہر موقع پر جادۂ اعتدال پر قائم رہے اور بڑے سے بڑا فتنہ بھی انکے قدم کو صراط مستقیم سے نہ ہٹا سکا۔ اس سورت کے متعلق تفصیلی روایات تو میں نے اوپر بیان کیا ہی ہے اب ان میں مومنین اور منافقین کی صفات یعنی ان کے اقوال اور افعال اور احوال الگ الگ ممتاز طریقہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

دیکھئے غزوہ بنی مصطلق میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلص مسلمانوں کو لیکر ان سے مقابلہ کیلئے تشریف لے گئے تو ساتھ ساتھ بہت سے منافقین بھی نکلے لیکن دونوں جماعتوں کی نیت میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ صحابہؓ اللہ و رسولؐ کے حکم کی اطاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ اور تحصیل اجر آخرت کے لئے نکلے تھے لیکن منافقین کی نیت محض حطام دنیا تھی۔ چنانچہ سب سے پہلی چیز یعنی نیت ہی میں جب فتور تھا تو اسکا ثمرہ جیسا کچھ ہوگا معلوم ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ رئیس المنافقین عبد اللہ ابن اُبی نے اسی موقع پر اپنی جماعت میں بیٹھکر حضرات مہاجرین صحابہ کے متعلق (بلکہ خود جنابؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق) کیسے کیسے سخت کلمات کہے ان پر انفاق سے لوگوں کو منع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے کو عزیز کہا۔ بالآخر حضرت زیدؓ ابن ارقم رضی اللہ عنہ جو ایک مخلص صحابی تھے اور اسی مجلس میں موجود تھے انکو اسکے یہ اہانت آمیز کلمات برداشت نہیں ہوئے چنانچہ انھوں نے الٹ کر کہدیا کم بخت تو ہی ذلیل ہے اور بے قدر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں اور ہم سب کے محبوب ہیں اس پر عبد اللہ نے کہا کہ اجی چپ رہو میں تو ہنسی مذاق کی باتیں کر رہا تھا۔ یہ ہے نفاق کہ اپنے مجمع میں ایک بات کہی اور جب یہ معلوم ہوا کہ کوئی غیر بھی تھا تو فوراً بات کو بدل دیا۔ چونکہ زید ابن ارقمؓ نو عمر صحابی تھے اس لئے ان سے تو مذاق ہی کی توجیہ کی لیکن جب یہی سوال اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ مجھے ایسی ایسی بات پہونچی ہے کیا تمھیں اسکے صاحب (کہنے والے ہو) تو قسم کھا گیا اور صاف انکار کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ منافق انتہائی بزدل اور کم ہمت ہوتا ہے اور نفاق کیلئے یہ ضعف لازم ہے خلاصی کے لئے جھوٹ بول دینا جھوٹی قسم کھا لینا بات بنا دینا انکے لئے کوئی بات ہی نہیں ہے

اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ ایک بات کہہ کر اسکو نبھا دے جہاں ذرا سا اندیشہ اپنے جان و مال یا جاہ کا ہوا بس فوراً بھاگ نکلتا ہے اسکے اسی وصف کا بیان اس آیت میں ہے کہ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ - یعنی یہ ہر غل و پکار کو اپنے ہی اوپر خیال کرتے ہیں اور یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیئے۔

برخلاف اسکے مخلص کا معاملہ دیکھئے کہ زید بن ارقمؓ نے محض اپنی غیرتِ ایمانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قلبی تعلق کی بناء پر اسکی اس بات کو آپ تک نقل کر دیا تو گو ابتداءً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا اور آپ کا چہرہ بھی متغیر ہو گیا چنانچہ زید ابن ارقمؓ سے آپ نے جرح بھی فرمائی کہ تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو شاید تم سے سننے میں غلطی ہو گئی ہو، شاید تمھیں کو وہم ہو گیا ہو۔ دیکھا آپ نے ایک مخلص صحابی نے ایک بات پہونچائی اور آپ نے اپنی بصیرت سے سمجھ لیا کہ بات صحیح ہے لیکن زید ابن ارقمؓ پر خفا ہوئے اور زجر فرمایا کہ تم نے کیوں اسکی بات پہونچائی۔ اب اس زمانہ میں اسپر کہیں عمل ہے کہ نمّام کے نمیمہ پر اسکو زجر کیا جائے۔ زجر تو درکنار اس سے خوش ہوتے ہیں اور وہ بھی اسکو ذریعۂ قربت سمجھتا ہے۔ چنانچہ اسی سنت کے ترک کا یہ وبال ہے کہ آج ہمارے ادارے، مراکز و مدارس سب فاسد ہو گئے، الا ماشاء اللہ۔ اسیطرح انصار کی ایک جماعت نے بھی نہایت شدّت سے انپر نکیر اور ملامت کی مگر زید بن ارقم نے چونکہ صدق و اخلاص سے یہ بات کہی تھی اس لئے اس سے بدلے نہیں یہی کہتے رہے کہ نہیں میں نے اسکو اپنے کانوں سے سنا ہے اور یہ بھی کہا کہ عبد اللہ ابن اُبی تو کس شمار میں ہے اگر اپنے باپ کی زبان سے بھی اس قسم کے کلمات سنیتا تو ضرور پہونچاتا اور یہ بھی کہا کہ گو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری تکذیب فرما دی ہے لیکن مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ پر ضرور آیت نازل فرما دیں گے جس سے میری تصدیق ہو جائے گی۔ اس سے ایک مخلص کی دیانت، صداقت حمایت اور سچی عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے جس کی منافقین کو ہوا بھی نہیں لگی ہوتی۔

نیز اسی واقعہ میں ایک دوسرے مخلص صحابی حضرت سعد بن عبادہ یا اسید

ابن حضیر کا فہم اور موقع شناسی اور حدود کی رعایت ملاحظہ فرمائیے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناوقت کوچ فرمایا اور آپ کا گزر انکے پاس سے ہوا تو انھوں نے سلام کے بعد عرض کیا کہ حضورؐ یہ ناوقت سفر کیسا؟ خیریت تو ہے؟ آپ نے فرمایا سنا نہیں تمہارے صاحب نے کیا کہا۔ عرض کیا صاحب کون؟ فرمایا ابن ابی؛ اسکا یہ خیال ہے کہ مدینہ پہونچکر وہاں سے عزیز ذلیل کو نکال دیگا۔ اس پر حضرت سعدؓ نے جو عرض کیا وہ انکے حسن ادب اور فہم پر دال ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ بالکل ٹھیک ہے انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہی اسکو نکال دینگے اور وہی ذلیل و خوار ہوگا کیونکہ عزت اللہ کے لئے ہے اور اسکے رسولؐ کیلئے ہے اور مومنین کیلئے ہے۔ حضرت سعد کا یہ مقولہ بارگاہ ایزدی میں ایسا مقبول ہوا کہ آیت انھیں الفاظ میں نازل ہوگئی۔ اسکے بعد انکی موقع شناسی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ اسکے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیے۔ انھوں نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کا تقاضا تھا اور نرمی کرنے کے متعلق جو عرض کیا تو خلق خدا کے ساتھ غایت نصح اسکا منشا تھا کیونکہ یہ حضرات مخلص تھے فتنہ پسند نہیں تھے اسلئے واقعی صورت حال آپ کے سامنے پیش کر دیا کہ یہ اپنی قوم کا سردار تھا قوم اسکے سر پر تاج رکھنے ہی والی تھی اسکی تیاری میں صرف ایک موتی کی کسر تھی کہ اسی اثنا میں آپ مدینہ تشریف لے آئے جسکی وجہ سے اسکی ساری آرزو خاک میں مل گئی اور اسکا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا اور اس نے یہ سمجھا کہ گویا آپ نے اسکا ملک ہی چھین لیا اور اسکو یہ امر کھل گیا اس قلق اور ضیق کی وجہ سے کبھی کبھی ایک ٹیس سی اسکے دل میں اٹھتی ہے جس کی بنا پر اس قسم کی ہفوات اور بکواس اور بہکی بہکی باتیں اپنی زبان سے اپنی قوم کے سامنے کہنے لگتا ہے۔ اسلئے یارسول اللہ اسکو معذور سمجھئے اور اسپر رحم فرمائیے اور نرمی کا معاملہ کیجئے۔

میں جب ان صحابی حضرت سعد ابن عبادہ کی اس گفتگو کو سوچتا ہوں تو نہیں کہہ سکتا مجھے کس قدر مسرت ہوتی ہے اور کہتا ہوں کہ اخلاص اسے کہتے ہیں اور مخلص ایسے ہوتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت اور آپکی محبت کا جو تقاضا تھا اسمیں بھی فرق نہیں آنے دیا اور نہایت خوش اسلوبی سے موقع کی ایک بات بھی خدمت اقدس میں پیش فرمادی۔ اور یہ بات کچھ انھیں کے ساتھ خاص نہ تھی صحابی میں سے

ہر مخلص صحابی کا یہی حال تھا چنانچہ عبداللہ ابن ابی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا حال بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کس قدر جذبہ اور جوش کے ساتھ حضورؐ سے عرض کیا کہ ابن ابی کی ہفوات کے عوض اگر آپ اسکے قتل کا ارادہ رکھتے ہوں تو مجھی کو حکم دیجئے اس کام کو میں ہی انجام دونگا کہ اسکی نوبت ہی نہ آنے پائے کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں اور مجھے بربنائے بشریت اشتعال ہو جائے اور میں اسے قتل کر بیٹھوں تو ایک مومن کو ایک کافر کے بدلے قتل کر کے اپنا ٹھکانہ جہنم بناؤں ۔ باقی آپ کا معاف فرما دینا کہیں افضل و احسن ہے اور آپ کے شایان شان ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں بھائی میرا اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور جب تک وہ ہم میں رہے گا ہم اسکے ساتھ حسن عشرت ہی کا معاملہ کریں گے یہاں بھی حضرت عبداللہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حضورؐ کو نرم پاکر اپنے باپ کی طرف سے عذر پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضورؐ بات یہ ہے کہ قوم نے اسکو تاج پہنانے کا ارادہ کیا تھا اور انکا خیال تھا کہ اسکو اپنا امیر اور سردار بنائیں کہ اسی درمیان میں اللہ تعالے آپکو یہاں لے آئے اور اسکو وضع فرما دیا اور آپکو رفعت بخشی جس سے اسکی جاہ کو دھکہ سا لگا اور اسکا نفس بھنا اٹھا مگر کرہی کیا سکتا تھا کوئی طاقت تو تھی نہیں اسلئے اپنی بھڑاس کبھی کبھی اسی قسم کی بکواس سے نکال لیتا ہے ۔ اسلئے وہ قابل رحم ۔

عبداللہ ابن اُبی کا حال تو آپ نے سنا اب ایک اور منافق کا حال سنیئے! اس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہی کیا تھا اس لئے کہ اعتراض اور انکار۔ طنز اور تمسخر یہ۔ فتنہ وفساد ہی انکا شیوہ تھا ۔ اسی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کھو گئی تھی مخلص صحابہ تو اسکی تلاش میں چاروں طرف حیران و پریشان تھے اور ایک منافق یہ سنکر کہتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو آسمان کی خبریں بتاتے ہیں اتنا نہیں بتا سکتے کہ اونٹنی کہاں موجود ہے ۔

دیکھا آپ نے اخلاص و نفاق کا فرق کہ مخلص تو پریشان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و غم میں شریک ہے اور منافق کے پاس بس یہی وقت، تھا اعتراض کرنیکا مگر اسکا انجام یہ ہوا کہ جس طرح ابن ابی کے ہفوات پر صحابہ کو اشتعال ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کو بھی اسکی یہ بات بُری لگی یہاں تک کہ اسکی عدم مغفرت کے متعلق آیت ہی نازل فرما دی اسیطرح

سے یہاں مخلصین کو تو اسکی یہ بات بری معلوم ہوئی اور سب نے کہا کہ اے اللہ کے دشمن تو تو منافق ہو گیا۔ اور حضرت اُسید ابن حضیرؓ بولے کہ تیرا یہ کلمہ ہمیں اس قدر ناگوار گذرا کہ اسکا جواب تو بس یہی تھا کہ نیزہ ابھی تیرے پیٹ میں بھونک دیتا مگر تردد صرف اس سے ہے کہ یہ نہیں معلوم کہ میرا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق بھی ہوگا یا نہیں۔

علاوہ انکے اور مخلصین نے بھی اسکی ایسی لے دے کی کہ اس مجمع سے جان بچا کر بھاگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر پناہ لی۔ مجھے خیال ہوتا تھا معلوم نہیں اسکا انجام کیا ہوا بعد میں یہ مخلص ہوا یا نفاق ہی پر مر گیا۔ تو اس روایت میں ملا کہ نفاق سے توبہ کی اور مخلص ہو گئے اور واقعہ اسکا یہ ہوا کہ جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے حضورؐ پر وحی آئی اور حضور اپنے اصحاب سے یہ فرمانے لگے جس کو یہ بھی سن رہے تھے کہ ایک شخص میری بابت یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، آسمان کی خبریں تو بتاتے ہیں اور زمین کی بات کہ ناقہ کہاں ہے کیوں نہیں بتا دیتے۔ تو بھائی! غیب کی بات تو سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی جانتا نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع فرما دیا ہے کہ وہ اونٹ فلاں وادی میں ہے اسکی مہار ایک درخت سے الجھ گئی ہے اسلئے وہ وہیں کھڑی ہے صحابہؓ فوراً اٹھے اور وہاں جا کر دیکھا تو اونٹنی کو اسی ہیئت میں پایا، اسکو لے آئے۔ یہ شخص یہ سب دیکھکر اپنے مجمع میں پھر واپس آیا اور لوگوں سے کہا کہ تم میں سے کس نے میری بات وہاں پہونچا دی سب نے انکار کیا کہ ہم تو یہاں سے اٹھے بھی نہیں۔ اس نے کہا تعجب ہے کہ آپ لوگوں میں سے کوئی وہاں گیا بھی نہیں اور میری بات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گیا چنانچہ میں وہاں سے آرہا ہوں، ایسا ایسا واقعہ پیش آیا۔ تو اے لوگو سنو آج صاف کہتا ہوں کہ میں اب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک میں تھا اب گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آج دل سے مسلمان ہوتا ہوں

انکا نام حضرت زید بن صلت تھا رضی اللہ عنہ، اسکے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے جرم کا اقرار کیا اور آپ سے مغفرت کی درخواست کی۔

اور سنیئے! حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن اُبی کے اخلاص و جان نثاری کا

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ کے قریب اپنے باپ کو باہر ہی روک لیا اور کہا کہ خدا کی قسم آپ کو مدینہ میں قدم نہیں رکھنے دونگا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیدیں گے اور تجھے معلوم نہ ہو جائے کہ ذلیل کون ہے اور عزیز کون ہے چنانچہ بعض روایتوں میں ہے کہ اپنے باپ کے سامنے تلوار کھینچکر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خدا کی قسم اسکو نیام میں نہیں رکھونگا جب تک تو زبان سے اقرار نہ کرلے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا اور آپ اسکے پاس سے گزرے تو وہ یہی کہہ رہا تھا کہ واقعی میں بچوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں، واقعی میں عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں یہ دیکھکر آپ نے عبداللہ سے فرمایا کہ اپنے باپ کو چھوڑ دو۔ اسی واقعہ میں ہے کہ جس وقت عبداللہ اپنے باپ کو روکے ہوئے تھے تو جو مخلص مسلمان پاس سے گزرتے وہ خاموشی سے گزر جاتے تھے کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ اسی قابل ہے لیکن دوسری قسم کے جو لوگ گزرتے تھے تو ابن اُبی کی حمایت میں عبداللہ کو ڈانٹتے تھے کہ اپنے باپ ساتھ یہ حرکت کر رہے ہو! اب اس واقعہ میں حضرت عبداللہ کی جاں نثاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی عقیدت دیکھئے کہ آپ کے مقابلے میں باپ کی بھی پروا نہیں کی اور دوسرے لوگ جو مخلص نہیں تھے انکے سامنے ابن اُبی کی حرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد تھی کیونکہ ابن اُبی کو تو ملامت نہیں کیا اور عبداللہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمارہے تھے انکو نصیحت کرنے لگے حالانکہ ابن ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو کلمات کہے تھے اسے سنکر مخلص کے سینوں میں ایک آگ سی لگ گئی تھی اور سب مسلمانوں کو انتہائی اشتعال تھا اور یہ بدبخت اتنا متکبر تھا کہ حضرت عبادہ بن صامت نے جب اس سے محض خیر خواہی کی بنا پر یہ کہا کہ ابھی سویرا ہے قبل اسکے کہ تیرے متعلق کوئی آیت نازل ہو تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو جا اور آپ سے مغفرت کی درخواست کر آپ دعا فرمائیں گے تیرا سب بگڑا کام بن جائے گا تو اسکے جواب میں غایت تکبر سے اپنے سر کو موڑ لیا یعنی جانا پسند نہیں کیا عبادہؓ نے کہا کہ خدا کی قسم اللہ تیرے اس طرح سے منھ موڑنے کے بارے میں ضرور قرآن نازل فرمائیں گے جو نماز میں پڑھا جائے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جھلا کر کہا کہ تم لوگوں نے مجھ سے ایمان لانے کو کہا میں ایمان لایا پھر مجھ سے مال کی زکوٰۃ دینے کو کہا میں نے اسے

بھی کیا۔ اب کیا چاہتے ہو بس اب تو یہی باقی رہ گیا ہے کہ محمدؐ کو سجدہ کرلوں۔
دیکھئے حضرت زید بن صلت سے بھی لوگوں نے کہا تھا کہ حضورؐ کی خدمت میں جاکر اقرار جرم کرو اور مغفرت کی درخواست کرو، چونکہ ان کے دل میں اخلاص آچکا تھا اسلئے اس بات کو مان لیا اور کامیاب ہوگئے اور وہی مشورہ ابن اُبی کو بھی لوگوں نے دیا تو اپنی شقاوتوں میں سے ایک اور کا بھی اضافہ کرلیا مگر نتیجہ اسکا وہی ہوا کہ پھر اس واقعہ کے بعد سے اپنی قوم سے بھی اسکا وقار ختم ہوگیا اور سب کی نظروں میں ذلیل خوار ہوا لوگ بیان کرتے ہیں کہ سورۂ منافقین کے نازل ہونے کے بعد ابن ابی جب کوئی بات کہتا تو اسی کی قوم اس سے مواخذہ کرتی۔ یہ حشر تو منافق کا ہوا اور مخلص کا مآل یہ ہوا کہ گو انھیں ابتداءً کچھ شرمندگی اور ندامت اٹھانی پڑی اور بعض لوگوں کے طعن و تشنیع سننے پڑے مگر اسکے بعد اللہ تعالےٰ نے سورۂ منافقین نازل فرمادی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت محبت و شفقت کے ساتھ انکے کان کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے یہ فرمایا کہ صاحبزادے تم نے سچ کہا تھا اور تمھارے کان نے سچ سنا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اسکی تصدیق فرمادی ہے اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقمؓ کو اس وقت کیسی خوشی ہوئی ہوگی کہ اللہ بھی خوش رسول بھی ان سے راضی اور جملہ مخلصین کیلئے باعث رشک ہوگئے یہ صلہ انکے صدق و اخلاص کا ان کو اس دنیا میں ملا ولاجر الآخرۃ اکبر۔
اسی طرح سے ان روایات میں ایک روایت حضرت عائشہ کی بھی بیان کی گئی ہے جس میں انھوں نے حضرت جویریہ کے نکاح کا مفصل واقعہ بیان کیا ہے۔ آپ چونکہ ازواج مطہرات میں سے تھیں آپ کے اخلاص کا کیا پوچھنا اسلئے اس واقعہ میں جو حالات بھی پیش آئے اسکو صاف صاف بلا کم و کاست بیان فرمایا۔
چنانچہ شروع میں ہی فرماتی ہیں کہ جویریہ نہایت شیریں زبان اور حسین و جمیل عورت تھیں اپنی کتابت کے لئے گفتگو کرنے کیلئے آئیں پس خدا کی قسم جونہی میں نے انکو دیکھا تو انکا آنا مجھے کھل گیا اور میں نے پسند نہیں کیا کہ حضورؐ کے سامنے جائیں کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ آپکی بھی نظر انکے حسن و جمال پر ضرور پڑیگی جسے میں نے دیکھا ہے یہاں تو انکے متعلق یہ کہہ رہی ہیں لیکن آگے فرمارہی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح فرما

مسلمانوں کی طرف نکلے تو حال یہ تھا کہ بنی مصطلق کے سارے قیدی مرد اور عورت غلام اور باندی بنا کر مسلمانوں میں تقسیم کئے جا چکے تھے لیکن صحابہؓ کو جب اس تقریب کا علم ہوا تو سب نے یہ کہا کہ اب تو یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال کے لوگ ہیں انھیں ہم لوگ غلام اور باندی بنا کر کس طرح رکھ سکتے ہیں لہٰذا سب نے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہؓ سے نکاح کرنے کے سبب سو گھرانے کی عورتیں آزاد ہو گئیں پس اپنی قوم کے حق میں ان سے بڑھکر عظیم البرکت کوئی عورت نہیں ہوئی۔

دیکھا آپ نے یہ ہے اخلاص کہ پہلے جو کلمات ان کے حق میں کہے تھے اسکا منشا غیرت تھا جو عین تقاضائے فطرت تھا اور گو کوئی اسے ظاہر نہیں کیا کرتا لیکن حضرت عائشہ نے اسکو بھی ظاہر فرما دیا باقی اسکی وجہ سے کوئی بُرا اثر یا انکی طرف سے کینہ و حسد دل میں لیکر بیٹھ جائیں ایسا نہیں کیا بلکہ جب موقع انکی تعریف کا آیا تو دل کھول کر تعریف فرمائی کہ اپنے خاندان کے حق میں جتنی بابرکت حضرت جویریہؓ ثابت ہوئیں ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہوئی انسان میں جب تک انتہائی خلوص نہ ہو ایسے نازک تعلق والے کے متعلق اس قسم کے کلمات کہہ نہیں سکتا

جس طرح سے زید بن صلیت کے واقعہ میں بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹنی کے متعلق فرمایا کہ فلاں فلاں وادی میں ہے تو اس سے زید بہت متاثر ہوئے، چنانچہ یہی اخبار سبب بن گیا ان کے مخلص ہو جانے کا اسی طرح اس نوع کا ایک اور واقعہ اس سفر میں پیش آیا اور اسکی وجہ سے بھی حضرت جویریہؓ کے والد جو اب تک مسلمان نہ ہوئے تھے مشرف باسلام ہو گئے۔ مفصل واقعہ گزر گیا ہے حاصل اسکا یہ ہے کہ کہ انھوں نے اپنا دو اونٹ کسی وادی میں چھپا دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنھیں تم نے وادی عقیق میں چھپا رکھا ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ واقعی میں نے ان دو اونٹوں سے محبت کی وجہ سے انھیں چھپا رکھا ہے لیکن یہ معاملہ تو یا میں جانتا تھا یا خدا جانتا تھا اور آپکو جو اسکی اطلاع ہو گئی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی آپ اللہ تعالے کے رسول ہیں اور یہ کہہ کر مسلمان ہو گئے۔

ان سب واقعات میں آپ نے مخلص اور منافق کے قول اور فعل اور حال کو

ایک دوسرے سے ممتاز طریقہ سے معلوم فرما لیا بس میں یہی چاہتا تھا کہ ہر ایک کی باتوں کو الگ الگ دکھاؤں

اب ایک اور بات جو بیان کرنا چاہتا ہوں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہیں وہ یہ کہ آپ جسے مخلص سمجھ لیتے تھے اسکے ساتھ دوسرے قسم کا برتاؤ کرتے تھے لیکن منافقین کے ساتھ تو آپنے خوش اخلاقی، تسامح، چشم پوشی، اعراض اور حسن عشرت کی انتہا ہی فرمادی ایسی کہ کوئی شخص قادر نہیں کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ اس خندہ پیشانی اور عالی ظرفی کے ساتھ پیش آسکے۔ مثلاً دیکھئے حضرت زید بن ارقمؓ نے عبداللہ ابن ابی کی ایک بات جو نہایت ہی سخت بات تھی آپ کو پہنچائی اس پر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ نے اسکو پسند نہیں فرمایا اس لئے کہ اگر آپ ابھی اس بات پر ذرا سا بھی تاثر ظاہر فرما دیتے تو نہ معلوم کیا سے کیا ہو جاتا منافقین کا تو استیصال ہی ہو جاتا مگر نتیجہ اسکا اچھا نہ ہوتا، مشہور یہی ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ ادھر صحابی مخلص تھے حضورؐ کے تنبیہ فرمانے اور اظہار ناراضگی کیوجہ سے انکی جانب سے بجز خیر کے اور کسی چیز کی توقع نہ تھی اسلئے انکو اپنا سمجھکر آپ نے ان سے تو ناخوشی ہی کا اظہار کیا لیکن عبداللہ ابن ابی سے بھی دریافت فرمایا کہ مجھے ایسی ایسی باتیں پہونچی ہیں کیا اسکے صاحب تم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بصیرت اور فراست سے سمجھ رہے تھے کہ ضرور اس نے کہا ہے اسی لئے تو اس سے دریافت کیا دریافت اس لئے کیا کہ آپ کے نزدیک وہ متہم ہو چکا تھا اور تہمت اسکو کہتے ہیں کہ کوئی قرینہ کذب پر دلالت کرے بس آپ نے یہاں شرعی ثبوت نہونے کی وجہ سے یقین تو کیا نہیں کیا مگر چونکہ یہ صحابی عادل تھے اس لئے اول وہلہ میں حتمی طور پر تکذیب بھی نہیں فرمائی بلکہ کچھ سوالات کئے اور ابن اُبی کی طرف سے شبہ ہوگیا اس لئے اس سے دریافت فرمایا لیکن جب اس نے انکار کیا اور قسم کھا لیا تو بس پھر آپ نے معاملہ کو یک لخت ختم کر دیا آپ کے اسی طرز عمل کو دیکھکر علماء نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ کبراء قوم کی ہفوات کی بنا پر ان سے مواخذہ نہیں کرنا چاہیئے صرف عتاب پر اقتصار کرنا چاہیئے اسلئے کہ مواخذہ کی وجہ سے انکے متبعین میں ایک برگشتگی سی پیدا ہو جائے گی اور انکے قسموں کی تصدیق کر لینی چاہیئے اگرچہ قرائن

اسکے خلاف کے قائم ہوں اسلئے کہ اسی میں انکی تانیس و تالیف ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکے قسم کھالینے کے بعد اس سے کچھ نہیں کہا۔ باقی اسکا معاملہ جو تیز ہوا تو آیات کے نازل ہو جانے کی وجہ سے کیونکہ جب اللہ تعالےٰ نے اسکے مجرم ہونے کی تصدیق فرمادی اور اسکے اقوال کو نقل فرمادیے تو اب اسکے صحیح ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ مگر جب زید بن ارقم نے عبد اللہ ابن ابی کا مقولہ آپ کو پہنچایا تو آپ نے فوراً اس پر عمل نہیں کیا بلکہ اسکی تحقیق فرمائی کہ خود انھیں سے فرمایا کہ جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو، تم سے سننے میں کچھ غلطی تو نہیں ہو گئی ہے؟ تمھیں اپنی بات میں کوئی شبہ تو نہیں ہوگیا ہے؟ ان سب کے جواب میں انھوں نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا اسکے بعد آپ نے عبد اللہ ابن ابی سے نہایت نرمی سے پوچھا کہ مجھے کچھ کلمات پہونچے ہیں اسکے قائل تم تو نہیں ہو۔

دیکھئے بات کتنی سخت تھی اور آپ کا لہجہ کتنا نرم ہے اس سے بڑھکر آپ کے تحمل و ضبط کی کیا مثال ہو سکتی ہے آپ نے اپنے اس طرز عمل سے امت کو یہ تعلیم دی کہ کبرا قوم سے اس قسم کی ہفوات (بکواس) کا صدور ہوتا ہی رہتا ہے ان سے شدت سے ساتھ مواخذہ نہیں کرنا چاہیئے تاکہ انکے متبعین برگشتہ نہ ہو جائیں بلکہ صرف لطیف معاتبہ پر اکتفا کرنا چاہیئے اور اگر وہ انکار کریں اور قسم کھائیں تو انکے ظاہر حال کی تصدیق کرلینی چاہیئے اور باطن کو خدا کے حوالہ کر دینا چاہیئے۔

نیز اسی معاملہ میں جب حضرت عمرؓ نے اسکی گردن مارنے کی اجازت چاہی تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس سزا کا مستحق نہیں ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عمرؓ لوگ کیا کہیں گے یہی کہینگے کہ محمد اپنے اصحاب ہی کو قتل کرا دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جرم تو شدید تھا لیکن اسکی یہ سزا مصلحت کے خلاف تھی اور گو آپ نے ایسے نازک معاملے کو بہت کچھ سنبھالا لیکن بات ایسی تھی کہ آن کی آن میں سارے لشکر میں پھیل گئی اور ہر شخص جوش سے بھر گیا اور بہت سے مخلصین ابن اُبی کے قتل کی گفتگو کرنے لگے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے بڑے مجمع کو خلاف مصلحت کسی اقدام کے کر بیٹھنے سے بچانے کیلئے ایک عجیب و غریب انتظام فرمایا وہ یہ کہ اس جگہ سے فوراً کوچ کرنے کا حکم فرمادیا لوگ انتظامات سفر میں مشغول ہو گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ

سارا دن چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہوگئی پھر ساری رات چلتے رہے یہاں تک صبح ہوگئی پھر دو پہر تک چلتے رہے جب دھوپ تیز ہوگئی تب منزل فرمایا لوگ تھکے تو تھے ہی سواریوں سے اترتے ہی لیٹے اور سو گئے اس طور پر آپ نے ایک عظیم فتنہ کو ٹال دیا اور جوش کا وقت گزار دیا۔

اسی سفر سے واپسی میں جب آپ مدینہ کے قریب ہوئے تو بڑی زور کی ہوا چلی صحابہؓ کے بال بچے مدینہ میں تھے بعض کفار سے معاہدے کی میعاد بھی ختم ہو رہی تھی اسلئے لوگوں کو تشویش تھی کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں ہمارے بچوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے اس پر آپ نے بطور پیشین گوئی کے فرمایا کہ مت گھبراؤ تمھارا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور سن لو کہ مدینہ کی کوئی گلی ایسی نہیں ہے جسمیں حفاظت کے لئے فرشتہ نہ مقرر کر دیا گیا ہو تمھارے پہنچنے سے پہلے کسی کی یہ مجال نہیں کہ اسمیں داخل ہو سکے۔ وہ تو ایک بڑا منافق مرگیا ہے جس کے لئے یہ ہوا چلی ہے۔

عبداللہ ابن اُبی کے لڑکے حضرت عبداللہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو نرمی فرمانے کے لئے عرض کیا جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے لیکن مدینہ کے قریب آکر پھر انھیں جوش آیا اور باپ کے مقولے کو یاد کر کے انھیں کی سواری کو روک کر جب تک حضورؐ اجازت نہیں دینگے آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ تو ان کا معاملہ تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا قصہ ہے لوگوں نے بتایا پس آپ نے عبداللہ سے فرمایا کہ چھوڑ دو بھائی اپنے باپ کو مدینہ جانے دو۔ اس سے آپ کی انتہائی کریم النفسی اور اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی انتہائی رعایت اور نہایت ہی نرم سلوک فرمانے کا حال معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت جویریہؓ کے نکاح کا بھی جو واقعہ پیش آیا اس میں وہ خود بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے تین دن قبل یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا چاند یثرب سے چل کر میری گود میں آگیا میں نے اس خواب کی اطلاع کسی کو نہیں دی۔ میں کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نکاح فرمانا کچھ انکے حسن و جمال کی بناء پر نہیں تھا بلکہ اسی وجہ سے ہوا کہ اس خواب کی تعبیر پوری ہو اور خود حضرت جویریہؓ کو آپ کی نبوت کی مزید تصدیق ہو جائے اس طرح سے کہ انھوں نے

جو خواب دیکھا تھا اس کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا اسکی تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری ہوئی۔

اسی طرح سے انکے والد نے دو اونٹ جو چھپا دیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکی خبر دیدینا بھی آپ کا ایک معجزہ ہی تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

دیکھئے! ان تمام واقعات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق کس قدر نمایاں ہے کہ آپ اپنے اتنے بڑے مخالف کے ساتھ کس قدر صبر اور تحمل اور خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے اور یہ تو آپ نے وعدہ فرما ہی لیا تھا کہ جب تک وہ ہم میں رہیگا ہم اسکے ساتھ حسن عشرت کا معاملہ کرینگے اسکو تو آپ نے پورا فرمایا ہی علاوہ اسکے ابن اُبی کے مرنے کے بعد بھی آپ نے اسکے ساتھ جو مراعات فرمائیں اسکا ذکر بھی احادیث میں آتا ہے چنانچہ بخاری شریف میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب عبداللہ ابن ابی بن سلول کا انتقال ہوا اسکے لڑکے عبداللہ ابن عبداللہ جو کہ ایک مخلص صحابی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ حضورؐ اپنا ایک کرتا مرحمت فرمائیں اسی میں اپنے باپ کو کفن دینا چاہتا ہوں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک کرتہ مرحمت فرمایا پھر عبداللہ نے دوسری درخواست یہ کی کہ حضورؐ اسکے جنازے کی نماز پڑھا دیں اسپر حضورؐ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن حضرت عمرؓ اٹھے اور آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اسکی نماز پڑھیئے گا اللہ تعالےٰ نے تو اسکی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے انکا اشارہ حق تعالےٰ کے اس ارشاد کی طرف تھا ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں مجھے اختیار دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً وسازید علی السبعین یعنی یہ فرمایا کہ اگر تم ستر دفعہ بھی طلب مغفرت کرو تو اللہ تعالیٰ انکو بخشنے والا نہیں تو کیا میں ستر سے زیادہ کروں گا حضرت عمرؓ نے کہا حضور یہ منافق ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ بہر حال آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اسپر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدا ایک دوسری روایت میں خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ ابن

ابی کا انتقال ہوا تو حضور کو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلایا گیا جونہی آپ کھڑے ہوئے میں آپ کے پاس کود کر پہنچا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ابن اُبی کی نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ اس نے فلاں دن ایسا ایسا کہا ہے میں نے اسکے اقوال شمار کرائے حضورؐ مسکرائے اور فرمایا ہٹو مجھے چھوڑو جب میں نے مزید اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہٹو جی اگر میں جانتا ہوتا کہ اگر ستر سے زیادہ استغفار کرونگا تو اسکی مغفرت ہو جائیگی تو میں ضرور زائد بار کرتا حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ بالآخر حضورؐ نے اسکی نماز جنازہ پڑھائی اور لوٹ آئے تھوڑی دیر گزری تھی کہ سورۂ برارت کی دو آیتیں نازل ہوئیں ولا تصل سے وھم فاسقون تک مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنی جرأت پر بڑا تعجب ہوا۔ علماء نے اس واقعہ کو موافقات عمرؓ میں سے شمار فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے کفن کے لئے اپنا کرتا دینے کو منع نہیں فرمایا اور نماز کیلئے منع کیا تو اسکی وجہ یہ تھی اگر آپ کرتا دینے سے انکار فرماتے تو یہ آپ کے کرم کے خلاف تھا دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ نے اس کے ذریعہ سے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا بدلہ اتارا تھا کہ جس وقت وہ بدر میں قید ہو کر آئے تھے تو ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہیں تھا اور چونکہ وہ طویل قامت تھے اس لئے کسی کا کپڑا آپ کے بدن پر راست نہیں آتا تھا علاوہ ابن ابی کے کرتے کے بس اس نے آپ کو اپنا کرتا پہنا دیا تھا اسی کا بدلہ دینا آپ کو منظور تھا۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ لوگوں میں آیت کے نزول کے بعد اس قمیص دینے کا چرچا ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میری قمیص اسکو کچھ نفع تھوڑے ہی دیگی خدا کی قسم میں نے تو اس امید پر اسکو قمیص دی ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ ہزار سے کچھ زیادہ بنی خزرج کو اسلام کی توفیق عطا فرما دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپکی امید پوری فرما دی۔ (روح المعانی صـ۱۳۱ پ ۱۰)

اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا اندازہ فرمائیے۔ بس اسی پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ
خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

ازافادات

مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حضرت عارف شیرازی سعدی قدس سرہٗ گلستاں باب ہفتم "جدال سعدی بامدعی دربیان تونگری و درویشی" کے خاتمہ پر فیصلہ فرماتے ہیں کہ

مقربان حضرت جل و علا تونگرانند درویش سیرت و درویشانند تونگر ہمت ومہین تونگراں آنست کہ غم درویش خورد و بہین درویشاں آنکہ کم تونگراں راگیرد ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔

بزرگوں کے ایسے ارشادات و تعلیمات کو قرآن و حدیث سے مدلل کیا گیا ہے اور یہ ایک چھوٹا سا محققانہ رسالہ کراسہ اس باب میں جمع ہوگیا ہے۔ فللہ الحمد

ظہور الحسن غفرلہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ہم اس وقت ایک مسئلہ تمدنیہ کے متعلق جو تمدن کا بڑا زبردست اور اہم بلکہ تمام تمدنیات میں سب سے بڑھکر ہے اور عقلاء کے نزدیک مسلم اور ضروری بلکہ سب ضروریات سے بڑھ کر ضروری ہے اور جس پر دنیوی ترقی وتنزل کا دار ومدار بھی ہے اور اس قدر ضروری ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے بھی اپنی تعلیمات میں اس کو ضروری قرار دیا ہے، اور جب حضرات انبیاءؑ نے اس کو ضروری قرار دیا تو خدا تعالیٰ کی جانب سے اس کی ضرورت ثابت ہو گئی۔ شرائع نے بھی اس کو مطلقاً ممنوع نہیں فرمایا۔ البتہ اس میں کچھ قیود وشرائط لگائی ہیں۔ نصوص میں جہاں کہیں اس کا بیان ہے انھیں قیود وشرائط کا ذکر ہے۔ ہم اسی حیثیت سے اس پر کلام کرنا چاہتے ہیں۔ اب سنئے :-

شریعت نے مال کی مذمت بھی کی ہے، اور مدح بھی، اور کسی شئے کی مذمت اور مدح اس کی ذات کی نہیں ہوا کرتی، بلکہ افعال اور اس کے اثرات کی ہوا کرتی ہے۔ شریعت میں جس طرح روبرو مدح کی ممانعت وارد ہے اسی طرح مدح بھی وارد ہے۔ چنانچہ وارد ہے اذمدح المومن فی وجھہ ربا الایمان فی قلبہ اس میں علماء نے تطبیق دی ہے کہ جہاں مدح سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو وہاں منع ہے اور جہاں اندیشہ نہیں بلکہ مدح سے اس کے کمال میں ترقی ہوگی وہاں محمود ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جہاں مال کی مذمت ہے، یہ اس وقت ہے جبکہ اس سے ضرر ہو خواہ وقت اکتساب یا بعد اکتساب اور جہاں مدح ہے مثلاً نعم المؤنۃ ھو یا نعم المال الصالح للرجل الصالح جبکہ یہ دونوں ضرر اس پر مرتب نہ ہوں۔ یا یوں کہئے کہ مال طیب کو اس کے صحیح مصرف میں صرف کرنا یہ ممدوح ہے اور اگر مال طیب نہ ہو یا صحیح مصرف میں صرف نہ ہو یہ مذموم ہے۔ اس کے اہل کی مذمت یا مدح اس کی مذمت یا مدح پر مرتب ہے۔ قرآن شریف اور حدیث دونوں میں دونوں قسم کے لوگوں کا بیان ہے۔ اہل اموال اور اغنیاء کی مدح بھی ہے اور ان کی مذمت بھی ہے ان کو صادق بھی کہا گیا ہے اور برعکس بھی چنانچہ ملاحظہ ہو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتب پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنیوالوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی کرتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنیوالے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

(بیان القرآن) صفحہ ۹۹ ج ۱

نیز ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

پورے مؤمن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا۔ اور اپنے مال وجان سے خدا کے رستہ میں محنت اٹھائی۔ یہ لوگ ہیں سچے۔

(بیان القرآن صفحہ ۳۳ ج ۱۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ الآیۃ

اے ایمان والو خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے (بیان القرآن صفحہ ۱۵۱ ج ۱)

نیز فرمایا ہے کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ، یعنی تم خیر کامل کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ کروگے اور جو کچھ بھی خرچ

کرو اور اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں ۔ نیز فرمایا کہ :۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ یعنی ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا ۔ ان آیات میں انفاق پر ترغیب ہے ۔ اور دوسرے مقام پر مال کی حرص وطمع سے ترہیب بھی ہے چنانچہ ارشاد ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۔	اے ایمان والو اکثر احبار اور رُہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں ۔ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انکو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سُنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا ۔ پھر اُن سے لوگوں کی پیشانیوں اور کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائیگا یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا ۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو ۔ (بیان القرآن ص۱۱۱)

اور حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضؓ سے فرمایا کہ اے عمرو میں چاہتا ہوں کہ تم کو لشکر پر امیر بنا کر بھیجوں تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو مال غنیمت سے مالا مال کر دے ۔ اور تمھیں سلامتی سے رکھے اور مجھے تمھارے لئے مال میں رغبت صالح ہے ۔ حضرت عمرو بن عاص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں مال کیلئے مسلمان نہیں ہوا ہوں بلکہ میں نے آپ کی معیت کی خاطر اور اسلام کی خاطر اسلام قبول کیا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا

یا عمرو نعما بالمال الصالح للرجل الصالح ۔	یعنی مال طیب صالح انسان کے لئے کیا ہی اچھی چیز ہے ۔

ف ۔ ان کو مال کی طلب نہیں تھی، اخلاص کامل تھا تو مال کی منفعت بیان فرما دی ۔

اور ابن ماجہ میں ہے کہ :۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک میری امت

انا سا من امتی سیتفقھون فی الدین ویقرأون القرآن یقولون ناتی الامراء فنصیب من دنیاھم ونعتزلھم بدیننا ولایکون ذلک کما لا یجتنی من القتاد الا الشوک کذلک لایجتنی من قربھم الا قال محمد بن الصباح کانہ یعنی الخطایا (ابن ماجہ ص۳۳)

میں سے کچھ لوگ تفقہ فی الدین حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امیروں کے پاس آتے ہیں پس ان کی دنیا سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور اپنے دین کو ان سے بچائے رکھتے ہیں حالانکہ نا ممکن ہے جیسا کہ خاردار درخت سے نہیں حاصل کیا جا سکتا مگر کانٹا، اسی طرح ان امراء کے قرب سے نہیں حاصل کیجا سکتی مگر (محمد بن الصباح کہتے ہیں کہ الا کا مستثنیٰ ہے خطایا جس کا حاصل یہ ہوا کہ ان کے قرب سے خطایا کو کسب کریں گے۔

ف۔ اس حدیث میں پیشین گوئی ہے کہ دین میں تفقہ کرنے والے ایسے ہوں گے اور حیلے وبہانے بنا کر اپنے کو غیر مجرم قرار دیں گے۔ الحمد للہ کہ حضرت[1] رحمۃ اللہ کا معمول اسی حدیث کے مطابق تھا۔ نیز ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

تعوذوا باللہ من جب الحزن قالوا یارسول اللہ وما جب الحزن قال وادی جھنم یتعوذ منہ جھنم کل یوم اربع مأۃ مرۃ قیل یارسول اللہ ومن یدخل قال اعد للقراء المرائین باعمالھم وان من ابغض القراء الی اللہ الذین یزورون الامراء (ابن ماجۃ)

پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے جب حزن سے صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ جب حزن کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے۔ دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ اسمیں کون داخل ہوگا آپ نے فرمایا کہ وہ ان قراء (علماء) کے لئے بنائی گئی ہے جو اپنے عمل میں ریاکار ہیں اور بیشک مبغوض ترین قراء اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو امیروں کی زیارت کرتے ہیں:

وقال المحشی قولہ یزورون الامراء ای من غیر ضرورۃ تلجئھم بھم بل طمعا فی مالھم وجاھھم ولذا قال بئس الفقیر علی باب الامیر ونعم الامیر علی باب الفقیر فان الاول

محشی کہتے ہیں کہ امیروں کی زیارت سے مراد وہ ہے جو بلا کسی شدید ضرورت کے ہو یعنی محض ان کے مال وجاہ میں طمع کی خاطر ہو، اسی واسطے فرمایا ہے کہ بُرا ہے وہ فقیر جو امیر کے دروازے پر ہو، اور کیا ہی اچھا ہے وہ امیر جو فقیر کے دروازے پر ہو اس لئے کہ اول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی طرف مائل ہے

[1] حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ اور راقم کہتا ہے کہ ہمارے حضرت مصلح الامۃ کا بھی

مشعر بانہ متوجہ الی الدنیا والثانی بانہ متقرب الی الاٰخرۃ (مرقاۃ)	اور ثانی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ آخرت کا تقرب چاہتا ہے ۔

جن روایتوں سے یہ معلوم ہوا کہ امراء کے پاس بلاضرورت آنا جانا خالی از ضرر نہیں، اسمیں اس سے ترہیب ہے، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل دنیا کی مذمت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ :-

تعس عبد الدینار وعبد الدرھم وعبد الخمیصۃ ان اعطی رضی وان لم یعط سخط (مشکوٰۃ)	ہلاک ہو دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ اور چادر (لباس) کا بندہ (وہ جو کہ) اگر دیا جائے تو راضی رہے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو ۔

نیز اخذ مال کی ایک شرط یہ ہے کہ سخاوت نفس کے ساتھ اس کو قبول کیا جائے اشراف نفس نہ ہو جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے (اخذ المال بسخاوۃ النفس) :

عن حکیم بن حزام قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعطانی ثم سئلتہ فاعطانی ثم سئلتہ فاعطانی ثم قال یا حکیم ان ھذا المال خضرۃ حلوۃ فمن اخذہ بسخاوۃ نفس بورک لہ فیہ ومن اخذہ باشراف نفس لم یبارک لہ فیہ وکان کالذی یاکل ولا یشبع والید العلیا خیر من الید السفلیٰ (بخاری شریف)	حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا، پھر میں نے سوال کیا تو آپ نے عطا فرمایا، پھر میں نے سوال کیا تو پھر آپ نے عطا فرما کر فرمایا کہ اے حکیم (دیکھو) یہ مال بہت خوشنما اور شیریں (واقع ہوا) ہے لہذا جو اس کو سخاوۃ نفس (یعنی زہد) کے ساتھ قبول کریگا اس کے لئے تو اسمیں برکت دی جائیگی اور جو شخص اس کو اشراف نفس (یعنی توقع و انتظار) کے ساتھ لے گا تو اس کیلئے اسمیں برکت نہ دی جائیگی اور وہ شخص ایسا ہو جائیگا جو کھائے مگر بھوکے کا بھوکا رہ جائے اور (یہ خوب سمجھ لو کہ) اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے ۔

ف - چونکہ انھوں نے بار بار مال کا سوال کیا تھا اس لئے سوال کی مذمت اور سوال کا سخائے نفس کے خلاف ہونا اور اس مال کا بے برکت ہونا اور حرص کا مزید ہونا وغیرہ بیان فرما کر اولو العزمی و استغنا کا سبق دیا۔

یوں تو وہ آیات و روایات بکثرت وارد ہیں جن میں انفاق کی ترغیب اور مال سے متعلق مفاسد سے ترہیب

ہے لیکن اوپر جن نصوص کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ہمارے مدعا پر کافی دلالت ہے۔ بالخصوص وہ حدیث جس میں سخاوۃ نفس کے ساتھ مال کے اخذ کو مشروط فرمایا ہے، اور اس طریق پر لینے کو خیر و برکت کا سبب قرار دیا ہے اور اشراف نفس کے ساتھ لینے کو سبب بے برکتی کا قرار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ یہ شخص ایسا ہوگا جیسے کوئی کھائے اور بھوکے کا بھوکا رہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی عزت و احترام کو کس قدر محفوظ فرمایا اور یہ فرمایا کہ اس کی عزت اس سے بالاتر ہے کہ وہ ایسی خست و دنائت اختیار کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے

لاینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ۔ یعنی مومن کیلئے زیبا نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔

حدیث شریف سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیر چشمی اور استغنا کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں مفتاح السنۃ میں ہے کہ:۔

کتب عبدالعزیز بن مروان الی ابن عمر أن ارفع الی حاجتك فكتب اليه ابن عمر ان رسول الله صلی الله عليه وسلم كان يقول ان اليد العليا خير من اليد السفلٰى وابدأ بمن تعول ولست اسئلك شيئا ولا ارد رزقا رزقنيه الله منك۔ (مفتاح السنۃ)

عبدالعزیز بن مروان نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لکھا کہ اپنی حاجات کو مجھ سے بیان فرمایا کیجئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو اس کے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور یہ فرماتے تھے ان لوگوں سے ابتدا کرو جو تمہاری کفالت میں ہوں (لہذا) میں تم سے کسی چیز کا سوال نہ کروں گا۔ باقی اس رزق کو جسے اللہ تعالیٰ مجھے تمہارے ذریعہ سے دلائیں رد بھی نہ کروں گا۔

اس واقعہ سے حضرات صحابہ رضی کے استغنا کا پتہ چلتا ہے۔ سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی ملاحظہ فرمائیے کہ ان کی کایا ہی پلٹ دی۔ اس استغنا کی کوئی انتہا ہے جو ان صحابی کو حاصل تھی۔ یہی حالت تمام کی ہوگئی تھی، توکل، قناعت، استغنا عن غیر اللہ کی دولت سے سب مشرف ہوگئے تھے، ایک طرف تو لوگوں کو حرص و طمع و دست نگری سے منع فرما کر سب کو غیور بنا دیا اور دوسری طرف اہل اموال کے لئے انفاق کے فضائل و برکات جو ان کو دونوں جہان میں ملنے والے تھے بیان فرمایا جس سے انفاق مال ان کے لئے نہایت سہل اور اس میں بطوع و رغبت کافی سے زیادہ حصہ لینے لگے اور اس کے مواقع تلاش کرنے لگے۔ ؎

جود محتاج است خواہد طالبے ہم چناں توبہ کہ خواہد تائبے

اوران کی سمجھ میں آگیا کہ اس کو ایسے طریقہ سے خرچ کرنا چاہئے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل ہوسکے اور یہ سمجھ میں آگیا تھا کہ مال فتنہ کی چیز ہے اور اس سے پناہ انفاق میں منحصر ہے۔

اس مجموعی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ امراء طالب اور غرباء مطلوب ہوگئے، امراء ان کے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے اور یہ منہ نہ لگاتے تھے۔ یہ تماشا بھی کس قدر عجیب تھا کہ امیر غریب اور غریب امیر تھا۔

قرآن پاک میں تزہیدی مضامین اور نیز سنت میں بکثرت موجود ہیں سلف صالح اس پر عامل تھے اور نہایت سختی کے ساتھ عامل تھے اور ہر دور میں ایسے لوگوں کی کثرت تھی۔ ان کی تعلیمات و ارشادات کے برکات اوراق کتب میں موجود ہیں۔

سچے علماء اور مشائخ کا فرض رہا ہے کہ اس کی تفریق کرتے رہیں کہ ان کے زمرہ میں کون صادق ہے اور کون کاذب، اور اپنے لوگوں کو اہل مذمت سے (یعنی جن کی مذمت وارد ہے) بچاتے رہیں کہ وہ ضرر مال سے دنیا وعقبیٰ میں محفوظ رہیں، اور اس کے منافع دونوں جہان میں حاصل کرتے رہیں اور اولٰئک ھم المفلحون کا مصداق بن جائیں۔

قرآن وحدیث پر عمل اور مشائخ کی مساعی کا نتیجہ اور خاص کر باب اموال میں ان کی سچی تعلیمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مال کی مطلوبیت ومحبوبیت مسلمانوں کے دلوں سے نکل گئی اور اس کی محبت سے سب پاک صاف ہوگئے مسلمانوں کے پاس مال بہت ہوا مگر دل محبت سے خالی رہے۔ دل کھول کر اور اللہ کے لئے خرچ کیا۔ اور اللہ ورسول سے اپنی مدح کرالی۔

یہ دور بھی جو دور ضلالت اور دور الحاد و زندقہ کہلانے کا مستحق ہے مگر علماء ربانی اور مشائخ حقانی سے خالی نہیں رہا، ان کی خدمات منصۂ شہود پر جلوہ گر ہیں۔ سب کو معلوم ہیں مشاہد ہیں مگر اس وقت ہم حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمات جلیلہ بالخصوص استغناء از اہل اموال و امراء خاص شان کی بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اللہ تعالیٰ پر توکل جو اہل اللہ کاملین کی شان ہوا کرتی ہے ہویدا اور ظاہر وباہر تھی جو انکار کی گنجائش نہیں رکھتی، جو ان سے صحیح طور سے منتسب ہیں اور جنھوں نے خلوص کے ساتھ وہاں آمد و رفت رکھی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرتؒ کا قدم اس میں کس قدر راسخ تھا اور زہد و قناعت، توکل میں سیر سلف صالح کے نمونۂ کامل تھے۔ دنیا اور اہل دنیا ہیچ نظر آتے تھے۔ طبیعت نہایت غیور واقع ہوئی تھی اور اپنے متوسلین میں یہ غیرت دیکھنا چاہتے تھے۔ اور اس کے خلاف پر طبیعت کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھی۔ یہ فطری امر بن گیا تھا

بلکہ علماء و مشائخ وعامۂ مومنین میں بھی اس کو چاہتے تھے اسی لئے ہدایا و تحائف کے باب میں بہت کچھ معمولات تھے۔ دین کی عزت اور اہل دین کی عزت نظروں میں بھرتی تھی اور چاہتے تھے کہ دین اور اہل دین معزز ہوں اہل دین مطلوب اور دوسرے طالب ہوں، ان کی تصانیف اس تعلیم سے مملو ہیں جس کا جی چاہے ملاحظہ فرمائے سر مو خلاف نہ پائے گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول جو ہدیہ کے متعلق تھا کہ ہر شخص کا ہدیہ قبول نہ فرماتے تھے بلکہ مخلص اور غیر مخلص میں فرق فرماتے تھے۔ مخلص صادق سے قبول فرماتے اور دوسروں سے نہیں۔ تو اس مسئلہ میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول سنت سے ماخوذ تھا۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کا ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ اور کس کا نہیں۔ اس کا اقتباس ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

روایات دربارہ قبول ہدیہ متعارض ہیں۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان سے ہدیہ قبول فرمایا ہے اور بعض سے پتہ چلتا ہے کہ نہیں قبول فرمایا۔ علماء کے اقوال ان کی وجہ توفیق میں مختلف ہیں۔

چنانچہ ابوجعفر ہندوانی نے ان دونوں میں وجہ توفیق یہ بیان فرمائی کہ آپ نے اس شخص سے قبول نہیں فرمایا جس کے متعلق آپ کو یہ خیال ہوتا کہ یہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ میری یہ ساری کوشش اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نہیں بلکہ (معاذ اللہ) تحصیل مال کیلئے ہے اور اس قسم کے لوگوں کا ہدیہ اس زمانہ میں بھی قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جن روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہدایا مخالفین قبول فرماتے ہیں تو یہ وہاں تھا جہاں آپ یہ سمجھتے تھے کہ یہ شخص یہ جانتا ہے کہ میری مساعی صرف اس لئے ہیں کہ دین کا اعزاز ہو اور اعلاء کلمۃ اللہ ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ اور اس قسم کے لوگوں سے ہدیہ قبول کرنا آج بھی جائز ہے۔

اور بعض لوگوں نے ان کی تطبیق یوں دی ہے کہ آپ وہاں قبول فرماتے تھے، جہاں یہ سمجھتے تھے کہ اس کی وجہ سے اس کے ساتھ معاملہ میں نرمی اپنی صلابت اور عزت میں کمی کرنی پڑے گی، اور جہاں اس سے اطمینان ہوتا تھا قبول فرماتے تھے (امداد الفتاویٰ تتمہ رابعہ ص۳)

ف - ہدایا کے قبول و رد میں کیا عمدہ اور ضروری تحقیق ہے حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سارے قواعد وضوابط کی اصل یہی حدیث ہے۔

اب اس کے بعد ہم تتمیماً للفائدہ احیاء العلوم سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ بیان

فرمایا ہے اس کا کچھ اقتباس ذکر کرتے ہیں۔ بیان معنی اخوۃ فی اللہ کے ذیل میں فرماتے ہیں :۔

الا انہ یمتحن الحب بالمقابلۃ بحظوظ النفس

مگر یہ کہ محبت کا امتحان نفس کے حظوظ کے ساتھ مقابلہ کرنے ہی سے ہوا کرتا ہے (یعنی اگر محبت کل حظوظ نفس ترک کرا دے تو محبت کامل ہے اور بعض حظوظ ترک کرا دے بعض نہیں تو محبت ناقص ہے)

وقد یغلب [illegible] لا یبقی للنفس حظا الا فیما ہو [illegible] المحبوب وعنہ عبّر قول من قال ؎

اور کبھی [illegible] غالب آجاتی ہے کہ نفس کے لئے کوئی دوسرا حظ باقی نہیں رہتا سوا اس کے کہ جس میں محبوب کا حظ ہو، اسی کو شاعر نے اس شعر میں ادا کیا ہے کہ :۔

اریدُ وصالہٗ ویریدُ ھجری
فاترکُ ما اریدُ لما یریدُ

میں تو اس کے وصال کو چاہتا ہوں اور وہ میرے فراق کو چاہتا ہے
لہذا میں اپنے ارادہ کو اسکے ارادہ کی خاطر ترک کرتا ہوں

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

وفیہ من قال وما لجرح اذا ارضاکم الم وقد یکون الحب بحیث یترک بہ بعض الحظوظ دون بعض کما تسمح نفسہ بان یشاطر محبوبہ فی نصف مالہ او فی ثلثہ او فی عشرہ فمقادیر الاموال موازین المحبۃ اذ لا یعرف درجۃ المحبوب الا بمحبوب یترک فی مقابلتہ فمن استغرق الحب جمیع قلبہ لم یبق لہ محبوب سواہ فلا یمسک لنفسہ شیئا مثل ابی بکر

اور اس قول میں بھی یہی مضمون ہے جو زخم کہ اے محبوب تم کو راضی کرے وہ موجب الم نہیں اور کبھی محبت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے سبب آدمی صرف بعض ہی حظوظ کو ترک کرتا ہے اور بعض کو نہیں مثلاً یہ کہ اس کا نفس اسپر راضی ہو کہ محبوب کو صرف اپنے آدھے مال یا تہائی یا اس کے دسویں حصہ میں شریک کریگا تو اموال کی مقدار محبت کی ترازو ہے (یعنی جتنی مقدار کہ محبوب کے لئے صرف کی اتنی ہی محبت ہے اس لئے کہ کسی محبوب کا درجہ اس کے مقابلہ میں کسی دوسری شے کے ترک کرنے ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جس شخص کے پورے قلب میں کسی کی محبت سما جائے اس کیلئے بجز اپنے محبوب کے کوئی دوسرا محبوب نہ رہ جائے گا پس وہ اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھے گا مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کہ

الصدیق فانه لم یترك لنفسه اهلا ولا مالا فسلم ابنته اللتی هی قرۃ عینه وبذل جمیع ماله۔	آپ نے اپنے نفس کے لئے نہ اہل کو چھوڑا نہ مال کو حتی کہ اپنی صاحبزادی کو جو کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور اپنا سارا مال

آپ کے لئے صرف کر دیا۔

ف - لوگ اس واقعہ سے سبق لیں کہ مشائخ وعلماء کے لئے کیا کیا کہتے ہیں ؎

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد ہمچوں آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

اور مرید کے لئے تو سچے اور جھوٹے ہونے کا خوب معیار اور بہترین کسوٹی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان اخوۃ میں حُب کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ کسی سے محبت اس کی ذات کی بنا پر ہو یعنی اس سے کسی دوسرے محبوب کا واسطہ سمجھ کر نہ محبت کرتا ہو دوسرے یہ کہ کسی سے اس لئے محبت ہو کہ وہ اس کے دیگر محبوبات ومطلوبات (دنیویہ) کا واسطہ بنتا ہے اس کے بعد تیسری قسم یہ بیان فرماتے ہیں :۔

القسم الثالث ان یحبه لا لذاته بل لغیرہ وذلك الغیر لیس راجعا الی حظوظه فی الدنیا بل یرجع الی حظوظه فی الاٰخرۃ فهذا ایضا لا غموض فیه - وذلك کمن یحب استاذہ وشیخه لانه یتوسل به الی تحصیل العلم وتحسین العمل ومقصودہ من العلم والعمل الفوز فی الاٰخرۃ فهذا من جملة المحبین فی الله - وکذلك من یحب تلمیذہ لانه یتلقف منه العلم وینال بواسطته رتبة التعلیم ویرقی الی درجة التعظیم	تیسری قسم یہ ہے کہ کسی سے انسان کو اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی دوسری وجہ سے محبت ہو اور اس غیر کا مآل حظوظ دنیویہ نہ ہوں بلکہ حظوظ اخرویہ ہوں، پس اسمیں بھی کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسی شخص کو اپنے استاذ یا شیخ سے محبت ہوتی ہے تو وہ اس لئے کہ وہ استاذ اس کے لئے تحصیل علم اور تحسین عمل کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس کا مقصود عمل سے آخرت کی کامیابی حاصل کرنا ہے لہذا یہ شخص بھی منجملہ محبین فی اللہ کے ہے۔ اور اسی طرح جو شخص اپنے شاگرد سے اس لئے محبت کرتا کہ وہ اس سے علم حاصل کرتا ہے اور یہ اس کی وجہ سے تعلیم کا مرتبہ حاصل کرتا ہے اور آسمانوں میں درجہ تعظیم کو پہنچتا ہے اسلئے

فی ملکوت السماء اذ قال عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم من علم وعمل وعلّم فذلک یدعی عظیماً فی ملکوت السماء ولا یتم التعلیم الا بمتعلم فھو اذاً آلۃ فی تحصیل ھذا الکمال فان احبہ لانہ آلۃ لہ اذ جعل صدرہ مزرعۃ لحرثہ الذی ھو سبب ترقیہ الی رتبۃ التعظیم فی ملکوت السماء فھو محب فی اللہ۔ بل الذی یتصدق باموالہ للہ ویجمع الضیفان ویھیئ لھم الاطعمۃ اللذیذۃ الغریبۃ تقرباً الی اللہ فاحب طباخاً لحسن صنعتہ فی الطبخ فھو من جملۃ المحبین فی اللہ

کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص علم سیکھے اور عمل کرے اور دوسروں کو سکھائے تو وہ آسمانوں میں عظیم کے (لقب) سے پکارا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ تعلیم بغیر متعلم کے نہیں ہوسکتی، پس طالب علم ہی اس کے لئے اس کمال کی تحصیل کا آلہ ہوا تو اگر اس سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ ذریعہ ہے کیونکہ اس نے اپنے سینہ کو اس کے لئے کھیتی قرار دے رکھا ہے جو کہ آسمانوں میں اس کے رتبہ عظیم تک پہونچنے کا ذریعہ ہے لہذا یہ محب فی اللہ سے ہے۔ بلکہ جو شخص اپنے اموال کو اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہے اور مہمانوں کو جمع کرتا ہے اور ان کے لئے لذیذ کھانے تیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے پس باورچی سے محبت کرتا ہے اس کے اس صنعت میں اچھے ہونے کی وجہ سے پس وہ محبین فی اللہ سے ہے

دیکھئے حضرت امام تصریح فرماتے ہیں کہ باورچی سے محبت اس کے اچھے پکانے کی وجہ سے ہے مگر حب فی اللہ ہے۔ کیونکہ یہ بواسطہ تقرب الی اللہ ہے

وکذا لو احب من یتولیٰ لہ ایصال الصدقۃ الی المستحقین فقد احبہ فی اللہ

ایسے ہی جو شخص کسی کو ایصال صدقہ کا متولی کر دے وہ اس سے محبت کرے تو یہ حب فی اللہ ہے۔

ف ۔ اس پر آج کل کے معترضین غور کریں۔

بل نزید علی ھذا ونقول اذا احب من یخدمہ بنفسہ فی غسل ثیابہ وکنس بیتہ وطبخ طعامہ ویفرغہ بذلک للعلم او العمل ولیس مقصودہ من استخدامہ فی ھذہ الا الفراغ

بلکہ ہم اس پر زیادتی کرکے کہتے ہیں جب کہ وہ دوست رکھے اس شخص کو جو اس کی خدمت کر رہا ہے اس کے کپڑے دھونے میں اور گھر کے جھاڑو دینے میں اور کھانا پکانے میں تاکہ اس کو علم و عمل کے لئے فارغ کر دے اور مقصود اس کا ان اعمال میں اسکی خدمت کرنے سے اس کا عبادت کے لئے فارغ

للعبادة فھو محب اللہ۔

کرتا ہے۔ پس وہ بھی محب فی اللہ ہے۔

ف ۔ یہاں بھی ملاحظہ ہو اوپر کا فائدہ۔

بل نزید علیه ونقول اذا احب من ینفق علیه من ماله ویواسیه بکسوته وطعامه ومسکنه وجمیع اغراضه التی یقصدھا فی دنیاہ ومقصودہ من جملہ ذلك الفراغ للعلم والعمل المقرب الی اللہ فھو محب فی اللہ فقد کان جماعة من السلف تکفل بکفایتھم جماعة من اولی الثروة وکان المواسی والمواسی جمیعاً من المتحابین فی اللہ

بلکہ ہم ترقی کر کے کہتے ہیں کہ دوست رکھے اس شخص کو جو اس پر مال خرچ کرتا ہے اور لباس سے اسکی مواسات کرتا ہے اور طعام سے اور مسکن سے اور تمام اغراض دنیوی سے اور مقصود اس کا اس تمام میں اس کا فارغ کرنا ہے علم اور عمل کے لئے جو مقرب الی اللہ ہے۔ یہ بھی محب فی اللہ ہے۔ ایک جماعت صاحب ثروت کی سلف کی کفالت کرتی تھی اور مواسی اور مواسیٰ دونوں متحابین فی اللہ ہیں۔ (یعنی مخلص تھے)

ف ۔ اس میں تو حد کر دی اب تو معترضین چادر سے مُنہ چھپالیں۔

بل نزید علیه ونقول من نکح امرأة صالحة لیتحصن بھا عن وسواس الشیطان ویصون بھا دینه اولیولد منھا له ولد صالح یدعوله واحب زوجته لانھا آلة الی ھذہ المقاصد الدینیة فھو محب اللہ (احیاء العلوم ص۱۶۳ ربع العادات)

بلکہ ہم اور زیادتی کر کے کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی نیک عورت سے نکاح کیا تاکہ اسکی وجہ سے شیطانی وساوس سے محفوظ رہے اور اس کے ذریعہ اپنے دین کو بچائے تاکہ اس سے اس کے لئے کوئی ولد صالح پیدا ہو جو اس کے لئے دعا کرے اور اپنی بیوی سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ اس کے لئے ان دینی مقاصد کی تحصیل کا ذریعہ ہے تو وہ بھی محب فی اللہ ہے

ف ۔ دیکھئے بیوی بھی حُب فی اللہ سے خالی نہ رہی۔ اس نے تو سب شبہات کا قلع قمع کر دیا۔

بس اسی پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمدٍ وآله واصحابه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین

از افاضات

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

النعم علی خیر الامم

(امت محمدیہ پر انعامات)

اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ پر بہتیرے انعامات فرمائے ہیں جنکو بطور امتنان کے قرآن پاک میں جابجا ذکر فرمایا ہے۔ منجملہ ان کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل پر جو انعامات فرمائے ہیں ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں بیان فرماکر اپنا احسان جتلایا ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ۔ وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ۝

(اور وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ رہائی دی ہم نے تم لوگوں کو (یعنی تمہارے آباء واجداد کو) متعلقین فرعون سے جوکہ تمہاری آزاری کے فکر میں لگے رہتے تھے گلے کاٹتے تھے تمہاری اولاد ذکور کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس واقعہ میں ایک بہت بڑا امتحان تھا تمہارے رب کی جانب سے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے ایک خاص برتاؤ کو جسکو ان کے آباواجداد کے ساتھ فرمایا تھا یاد دلایا ہے اور بطور امتنان کے ذکر فرمایا ہے۔ قصہ اس کا یوں ہوا کہ کاہنوں نے یہ پیشین گوئی کردی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جسکے ہاتھوں تیری سلطنت جاتی رہے گی اس لئے اس نے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرانا شروع کر دیا اور چونکہ لڑکیوں سے کوئی اندیشہ نہ تھا اس لئے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا اور اسلئے بھی کہ ان سے طرح طرح کی خدمات لیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف و مصیبت سے تمکو نجات دیا۔ یہ کتنا بڑا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے مستقل احسان کا ذکر فرمارہے ہیں اور یاد کرنے کا حکم فرمارہے ہیں۔

وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

(یعنی اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ شق کردیا ہم نے تمہارے راستہ دینے کی وجہ سے دریائے شور کو پھر ہم نے ڈوبنے سے بچالیا) تمکو اور غرق کردیا متعلقین فرعون کو (مع فرعون کے) اور تم اس کا معاینہ کر رہے تھے۔

یہ قصہ اس وقت ہوا جبکہ موسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہو گئے اور مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے جب کسی طرح نہ مانا تو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو خفیہ لیکر یہاں سے چلے جاؤ راستہ میں سمندر ملا اور اسی وقت فرعون مع لشکر کے آپہونچا حق تعالیٰ کے حکم سے دریا شق ہوگیا اور بنی اسرائیل کو راستہ مل گیا۔ یہ تو پار ہو گئے فرعون کے پہونچنے تک دریا اسی طرح رہا اور وہ بھی تعاقب کی غرض سے اندر گھس گیا اسوقت سب طرف سے پانی سمٹ کر دریا اپنے حال سابق پر ہوگیا۔ اور فرعون و فرعونی سب وہاں ہی ختم ہو گئے۔

تفسیر مظہری میں بنی اسرائیل کے نجات اور فرعون کے غرق کا قصہ تفصیل سے مذکور ہے اخیر قصہ یہ ہے کہ فرعون نے جب دریا کو پھٹا ہوا دیکھا (یعنی اس میں بارہ راستے بنے ہوئے دیکھے) تو اپنے لوگوں سے بطور فخر کے) کہنے لگا کہ یہ اس لئے ایسا ہے کہ اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کو پکڑ لوں۔ فرعون ایک سیاہ گھوڑے پر سوار تھا اور فرعونیوں کے پاس صرف گھوڑے ہی تھے۔ کوئی گھوڑی نہ تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر تشریف لائے اور دریا میں گھس گئے۔ فرعون کے گھوڑے نے جبرئیل علیہ السلام کی گھوڑی کی بو محسوس کرلی اور اس کے پیچھے دریا میں گھس گیا اور فرعونی جبرئیل علیہ السلام کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ اور فرعون کو اس کے کسی امر پر ذرا بھی قدرت واختیار نہ تھا (کہ دریا میں جانے سے اپنے گھوڑے کو روک سکے۔ حالانکہ اپنے کو انا ربکم الاعلیٰ کہتا تھا اور خدائی کا دعویٰ کرتا تھا) حتیٰ کہ سب گھوڑے اس کے پیچھے دریا میں گھس گئے اور حضرت میکائیل علیہ السلام ایک گھوڑے پر سوار ہو کر فرعونیوں کے پیچھے پیچھے ہو لئے اور سب کو ہانکنے لگے اور یہ فرمانے لگے کہ چلو اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ یہاں تک کہ سب دریا میں داخل ہو گئے (جب سب کے سب دریا میں آگئے تو جو راستے بنی اسرائیل کے لئے بنے تھے برابر ہو گئے اور سب اسی دریا میں ڈوب کر مر گئے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو یاد دلایا ہے کہ تم کو غرق کرنے سے بچا لیا اور تمہارے دشمن کو تمہارے سامنے غرق کر دیا۔ یہ کتنی بڑی نعمت اور مسرت کی چیز ہے۔ یہ بھی مستقل ایک احسان ہے اس لئے کہ اعداء کی ہلاکت اور تکلیف و مصیبت کو دیکھ کر قلب کو خوشی ہوتی ہے۔ نیز اور بہت سے احسانات و انعامات خاصہ کو یاد دلایا ہے تاکہ یہ لوگ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کریں۔

اب سنئے کہ کوئی بھی معجزہ اور کرامت اور انعام ایسا نہیں ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو دیا گیا ہو اور وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کو نہ دیا گیا ہو۔ آپ کو اپنے اکابر کی سیرت معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم کرنے کی فکر ہے اس لئے جب ان آیات کی تلاوت کرتے ہیں تو ان احسانات کو بنی اسرائیل کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں اور اپنے کو ان آیات کا مخاطب سمجھتے ہی نہیں تو بھلا کیا اثر لیں گے اور اپنے حالات پر کیسے مطابق کرینگے۔ حالانکہ قرآن شریف میں جتنی بھی آیات ہیں سب پر عمل کرنے اور اس سے اثر لینے کا قاری قرآن مکلف ہے۔ اسی طرح ہمارے اکابر اور متقدمین کے ساتھ جو انعامات من جانب اللہ ہوئے ہیں ان کو یاد کرنے اور مستحضر رکھنے کے ہم لوگ بھی مکلف ہیں۔ یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل پر جو انعامات ہوئے ان کے یاد رکھنے کے وہ تو مامور ہوں اور امت محمدیہ کے ساتھ اسی قسم کے احسانات و انعامات ہوں تو یہ لوگ اس کے ممنون نہ ہوں۔

آپ لوگوں کے سامنے چند واقعات بیان کرتا ہوں جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر کس قدر انعامات فرمائے ہیں۔

سنئے۔ مسلمانوں کے واسطے ہر ہر موقع پر اس طرح تائیدات آسمانی ظہور پذیر ہوتی تھیں کہ غیر مسلم اقوام ان کو دیکھ کر متحیر رہ جاتے تھے۔ حضرت عقبہ کو ملک افریقہ کے مختلف سفروں میں ایک دفعہ ایک ایسے مقام پر قیام کا اتفاق ہو گیا جہاں پانی کا نام و نشان دور دور تک نہ تھا مسلمانوں کو پیاس کا غلبہ ہوا اور قریب تھا کہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔ حضرت عقبہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت مضطرب ہوئے اور سب سے بہتر تدبیر یعنی رجوع الی اللہ کی طرف جو مسلمانوں کی اصلی علامت و خصوصیت ہے متوجہ ہو گئے۔ دو رکعت نماز پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں تضرع درازی سے دعا شروع

کی۔ آپ فارغ نہ ہوئے تھے کہ آپ کے گھوڑے نے سُم سے زمین کو کریدنا شروع کر دیا اور زمین کے اندر سے ایک صاف پتھر ظاہر ہوا جس میں سے فوراً پانی نکلنا شروع ہو گیا۔ حضرت عقبہ نے آواز بلند اسکی اطلاع لشکر کو دی۔ مسلمان چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور گڈھے کھود کر پانی کو جمع کیا اس روز سے یہ مقام "ماء الفرس" کے نام سے موسوم ہو گیا۔

کہنے کے لئے تو یہ معمولی بات ہے کہ گھوڑے کے پیر مارنے سے زمین کے اندر سے چشمہ ظاہر ہو گیا لیکن جو لوگ ایمان راسخ رکھتے ہیں اور مذہب کے آثار و تاثیرات سے واقف ہیں جو اس بات پر ایمان لا چکے ہیں کہ اسباب کے احاطہ سے خارج بھی کوئی اور ایسی زبردست قوت ہے جسکے اشارہ پر اسباب حرکت کرتے ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور خرق عادات کے ظہور کو ممکن الوقوع جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بالکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کے مشابہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے :-

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۝ (ترجمہ) اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے اسپر ہم نے حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پہ مارو پس فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے۔

فرق اتنا ہے کہ اس کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا اس لئے اسکو معجزہ کہتے ہیں اور اس کا ظہور حضرت عقبہ کی دعا سے ہوا جو نبی نہیں ہیں اسلئے اس کا نام کرامت ہو گیا۔

دوسرا واقعہ دریا کے خشک ہونے کا سنیئے :-

دارین پر حملہ کرنے کے واسطے جہازوں اور کشتیوں کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کے پاس اس قسم کا سامان بالکل نہ تھا۔ مگر حضرت علاء ایسے شخص نہ تھے جنکو سمندر کی ہیبتناک صورت ڈرا دیتی آپ نے لشکر اسلام کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ دشمنوں کی جماعتیں اور مغرورین کے گروہ اس خلیج دارین میں جمع ہو گئے ہیں تم لوگ خشک میدان میں خدائے تعالیٰ کی تائید اور امداد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو تم کو اسی قسم کی امداد اور تائید کی توقع دریا میں بھی رکھنی چاہیئے۔ تم سب دریا میں داخل ہو جاؤ اور دشمن پر حملہ کرو۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ دہنا میں جو تائید غیبی کا کرشمہ ہم دیکھ چکے ہیں

اس کے بعد ہم کسی چیز سے نہ ڈرینگے۔ اس گفتگو کے بعد حضرت علاءؓ مع لشکر کے سمندر کے کنارے پر پہنچ گئے اور آپ مع لشکر کے یہ دعائیہ کلمات پڑھتے ہوئے سمندر میں داخل ہو گئے۔

یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا کَرِیْمُ۔ یَا حَلِیْمُ۔ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا حَیُّ یَا مُحْیِ الْمَوْتٰی یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ یَا رَبَّنَا۔

کوئی اونٹ پر سوار تھا کوئی گھوڑے پر کوئی خچر پر کوئی گدھے پر۔ اور بہت سے پیادہ پا تھے۔ سمندر کا پانی خشک ہو کر اسقدر رہ گیا کہ اونٹ اور گھوڑے کے صرف پیر بھیگتے تھے اسلامی لشکر ایسے راحت اور آرام سے ہولناک دریا کو طے کر رہا تھا گویا بھیگے ہوئے ریتے پر چل رہا ہے (جس پر چلنا نہایت ہی سہل ہوتا ہے) دارین میں کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مسلمان بغیر جہازوں اور کشتیوں کے اس طرح دریا کو پا پیادہ طے کر کے آ پہنچیں گے۔ وہ غافل تھے مسلمان وہاں پہنچ گئے اور دارین مسخر ہو گیا۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی دعا کو قبول فرمایا اور دریا میں ان کے لئے سہل اور آرام دہ راستہ بنا دیا۔ ابھی بے آب و گیاہ میدانوں میں غیبی تائیدوں کا کرشمہ دیکھ لیا تھا اس سے بڑھکر سمندر کو پایاب کر کے دکھلا دیا کہ دین اسلام کے ساتھ تائید الٰہی بھی شامل ہے۔

اس قصہ میں سمندر کا خشک ہو جانا تو دیکھ لیا اب حشرات الارض اور سباع کی اطاعت صحابہ کے فرمان کی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عقبہ بن نافع فہری کو امیر معاویہؓ نے افریقہ کا عامل مقرر فرمایا اور حضرت عقبہ نے افریقہ کا اکثر حصہ کو فتح کر لیا۔ قوم بربر جو اصلی باشندے اس ملک کے تھے ان میں بہت سے قبائل مسلمان ہو گئے تھے اور وہ بھی حضرت عقبہؓ کے ساتھ ممالک افریقہ کی فتح میں شریک تھے لیکن مسلمانوں کے لئے کوئی مستقل چھاؤنی نہ تھی جس جگہ ان کا بالاستقلال قیام ہوتا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جب امیر افریقہ وہاں سے فارغ ہو کر مصر کو واپس آتے تو نو مسلم بربر بھی مخالفوں کے ساتھ کھڑے ہو کر سب عہد و پیمان توڑ ڈالتے اور جو مسلمان وہاں موجود ہوتے ان کو تباہ کرنے میں کچھ کسر نہ رکھتے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عقبہ نے فرمایا کہ مناسب موقع پر چھاؤنی ڈال دی جائے جہاں ہر وقت عساکر اسلامیہ موجود رہیں اور غربی افریقہ کو ایک مستقل صوبہ قرار دیا جائے۔ لیکن اس غرض کے لئے جس موقع کو پسند فرمایا وہاں دلدل اور گنجان جنگل اور گھنے درخت تھے کہ آدمی یا بڑے جانور تو درکنار سانپوں کو بھی

ان درختوں سے ہو کر نکلنا دشوار تھا یہ جنگل درندوں اور ہر قسم کے موذی اور زہریلے جانوروں کا مسکن تھا۔ ایسی سرزمین میں آدمی کی بود و باش تو کیا گذرنا بھی خطرناک امر تھا۔ مگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ہر ایک ارادہ باذن اللہ ہوتا تھا ان کے فعل میں مقبولیت کے آثار نمایاں ہوتے تھے وہ جو کچھ کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کرتے تھے مسلمانوں نے اس جگہ کو قیامگاہ بنانے میں جو خطرے تھے ان کو ظاہر کیا حضرت عقبہؓ نے ان مصلحتوں کا اظہار فرمایا جو اس جگہ کو منتخب کرنے میں پیش نظر تھیں اہل اسلام کے نزدیک بھی مصلحتیں قابل لحاظ ثابت ہوئیں اور حضرت عقبہؓ کی رائے ان کو راجح معلوم ہوئی۔ اس لشکر میں اٹھارہ صحابی موجود تھے حضرت عقبہؓ امیر لشکر سب کو جمع فرما کر اس میدان میں لے گئے اور حشرات و سباع کو خطاب فرمایا۔

ایتھا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارحلوا فانا نازلون۔ فمن وجدناہ بعدُ قتلناہ +

(ترجمہ) اے درندو اور موذی جانورو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس جگہ آباد ہونا اور قیام کرنا چاہتے ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ اور قیام کرنا چھوڑ دو اسکے بعد ہم جسکو دیکھیں گے قتل کردینگے۔

یہاں پر حضرت والا نے فرمایا کہ۔ یہ بھی حضرت عقبہؓ کی بہت بڑی کرامت تھی کہ ان کی اس آواز کو اتنے زبردست طویل و عریض جنگل میں اللہ تعالیٰ نے ہر ہر درندے اور حشرات کے کانوں تک پہونچا دیا یہ بالکل اس واقعہ کے مشابہ ہے کہ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکری لیکر پھینکی اور اللہ تعالیٰ نے اسے تمام اعداء کی آنکھوں میں پہونچا دیا۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ (ترجمہ) آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی۔

اور حضرت عقبہؓ کا یہ فرمانا کہ اس کے بعد ہم جسکو دیکھیں گے قتل کردینگے اس کا یہ مطلب ہے کہ اے حشرات و سباع چونکہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تم پر ہماری اطاعت لازم ہے۔ اسلئے تم چلے جاؤ اور اطاعت اختیار کرلو ورنہ تم باغی و حربی قرار دیئے جاؤگے اور حربی سے قتال کا حکم ہے اسوجہ سے ہم تم کو قتل کریں گے) اس آواز میں معلوم نہیں کیا تاثیر تھی کہ سب حشرات اور درندوں میں ہلچل پڑگئی وہ اسی وقت جلاوطن ہونے کے واسطے تیار ہوگئے جماعتیں کی جماعتیں وہاں سے نکلنی

شروع ہوگئیں شیر اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے بھیڑیئے اپنی اولاد کو لئے ہوئے۔ سانپ اپنی سپولیوں کو کمرے چمٹائے ہوئے نکلے چلے جاتے تھے۔ یہ ایک عجیب ہیبتناک و تعجب انگیز منظر تھا جو نہ اس سے قبل کہیں دیکھا گیا نہ کسی کے وہم و گمان میں تھا۔ یہ یقینی امر ہے کہ اس حالت میں جبکہ درندے اور سانپ وغیرہ اس طرح بکثرت پھیلے جاتے ہوں کوئی شخص قریب کھڑا بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ ہزاروں آدمی تماشائی اس حالت کو دیکھنے کیواسطے کھڑے ہوں مگر سب جانتے تھے کہ اس وقت یہ کسی نہایت زبردست قاہر حکم کے مسخر اور تابع ہوئے جاتے ہیں دوسرے کو ان سے کیا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ انکو اپنی جان بچانی بھاری پڑ رہی ہے اسلئے بے تکلف ہزاروں مخلوق تماشا دیکھ رہی تھی۔ قوم بربر جو اس ملک کے اصلی باشندے اور اس جنگل کی حالت اور خطرات سے بخوبی واقف تھے ان حالات کو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ کیا یہ بات ممکن تھی کہ حقانیت اسلام کی ایسی روشن دلیل کو دیکھنے کے بعد بھی وہ باطل پرستی پر قائم رہتے اسی وقت ہزارہا بربری صدق دل سے ایمان لے آئے اور اسلام کے حلقہ بگوش غلام بن گئے۔

(اشاعت اسلام)

اسکے علاوہ اور بہت سے واقعات جو حیرت انگیز و عبرتناک ہیں اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں۔ ان کی صحت پر دلائل قائم ہیں اب انکا وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو تاریخ عالم پر بلاحجت و دلیل یک لخت پانی پھیرنیکے واسطے تیار ہو جائے۔ ان سب واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ دریا و حشرات الارض اور خونخوار درندوں و جانوروں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی حکومت تھی۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ یہ سب ان حضرات کے ایمان اور اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگئے تھے اسلئے دینی اور دنیوی سب کرامات و انعامات سے ان کو فائز فرما دیا تھا اور ایسی عزت و وقار عطا فرمایا تھا کہ اسکی مثال نہیں ملتی۔ آج آپ بھی وہ اعزاز و مرتبہ اپنے لئے چاہتے ہیں اور من و سلویٰ کے طالب ہیں مگر ایمان و طاعت اختیار نہیں کرتے۔ آپ محض دنیا کے لئے چاہتے ہیں اور وہ لوگ جو کرتے تھے اللہ کیلئے کرتے تھے۔ آپ بھی ایمان اور عمل صالح اختیار کریں پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

میں نے قصداً اس آیت کی تفسیر میں تفصیل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو کچھ سمجھ میں آجائے۔ ایسا نہ ہو کہ جیسے پہلے تلاوت کر کے گذر جاتے تھے اب بھی ویسے ہی گذر جائیں۔ خوب سمجھ لیجئے۔

۷۸۶

النعم علی خیر الامم

(امت محمدیہ پر انعامات)

(۲)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

(ترجمہ) اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم بے شک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اپنے اس گوسالہ کی تجویز سے سو تم اب اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو پھر بعض آدمی بعض آدمیوں کو قتل کردیں یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ تمہارے خالق کے نزدیک پھر حق تعالیٰ تمہارے حال پر متوجہ ہوئے بیشک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کرلیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں)

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر نہایت عمدہ کی ہے جو مجھے بہت پسند ہوئی اسکا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ امید کہ ناظرین کرام کو نفع ہوگا۔

فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے از راہ مزید شفقت وغمخواری کے فرمایا کیونکہ ہر شخص کو اپنی قوم سے تعلق اور نسبت ہوتی ہے اور ان کے امراض کے علاج کو اپنے مرض کے علاج کی طرح سمجھتا ہے اور اگر قوم اپنے باطنی امراض سے بیخبر ہوتی ہے تو ان کو لطف وعنایت سے اس کے مرض پر آگاہ کرتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یٰقَوْمِ اے میری قوم شفقت قومی کا یہی تقاضا ہے کہ تمہارے باطنی مرض اور اس کے علاج سے تم کو باخبر کردیا جائے پس سن لو کہ یقیناً تم نے گوسالہ بنا کر اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کیا ہے کیونکہ سامری نے جو گوسالہ قبطیوں کے زیورات سے بنایا تھا تم نے بھی اس میں امداد پہونچائی تھی۔ نیز گوسالہ کو دیدہ ودانستہ اپنا معبود بنانا اور اس میں

الٰہ کے حلول کا اعتقاد کرنا گویا اس بات کا دعویٰ کرنا ہے کہ ہم نے خود ہی اپنے معبود میں جان ڈالی ہے۔ پس اب تم ہی بتاؤ کہ ایک ایسی چیز جسکو تم نے خود گڑھا ہے اور وہ درجہ میں فرعون وہامان سے بدرجہا پست اور مرتبہ الوہیت سے بہت دور ہے اسکو الوہیت و معبودیت سے کیا مناسبت و رابطہ ہو سکتا ہے۔ یہ سنکر قوم نے کہا کہ اچھا تو پھر کیا کیا جاوے کہ اس ظلم سے خلاصی ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ یعنی اپنے قالب تراش جناب حضرت حق جل شانہ کی طرف متوجہ ہو تاکہ اس ظلم سے تم کو بری فرمائے۔ باری کے معنی اصل میں قلم وغیرہ کے تراشنے والے کے ہیں۔ اس مقام میں اسمائے الٰہیہ میں سے اسی اسم کو اس لئے اختیار فرمایا کہ انھوں نے خدائے تعالیٰ کی قالب تراشی کے مقابلہ میں اپنے کو خدا کا قالب تراش بنالیا۔ اور إِلَىٰ بَارِئِكُمْ کی قید کی زیادتی میں اس بات کی جانب اشارہ بھی ہے کہ توبہ ازراہ ریا نہ ہونی چاہیئے اسلئے کہ توبہ بسوئے خدا وہی ہوتی ہے جو تہ دل سے ہو۔ اگر اظہار توبہ صرف زبان سے ہو تو یہ توبہ بسوئے خلق ہوگی نہ کہ بسوئے خالق۔

فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ پس اپنے کو قتل کرو یعنی قتل کرنے کے لئے پیش کرو اور اپنی جانوں کو اپنے قالبوں سے جدا کرو تاکہ تمہارے اس جریمہ کا کفارہ ہو سکے کیونکہ تم نے جان تزویر اپنے تراشے ہوئے قالب میں داخل کیا اور اسکو اپنا معبود بنالیا لہٰذا اسکے بدلے میں اپنی حقیقی جان نکالو۔ اور اپنے کو معرض تلف میں ڈالنا ہر چند کہ عقل کے نزدیک ظاہر نظر میں بہت قبیح امر ہے۔ لیکن ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ۔ یعنی یہ امر عظیم تمہارے قالب تراش کے نزدیک بہت بہتر ہے اسلئے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم کو اس سے کامل محبت ہے یہانتک کہ اس کی راہ میں اپنی جان دے دی، نیز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسکی قالب تراشی اور جان آفرینی کو تم نے تسلیم کر کے اسکی تصدیق کی اور اسی کے حکم سے اسکی امانت کو واپس کردیا۔ اسی محبت و انقیاد کے سبب آخرت کے عذاب دائمی سے تکو نجات نصیب ہوگی۔ دنیا کی تکلیف چاہے جتنی بھی سخت ہو آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں تو بہت ہی کم ہے بلکہ متناہی کو غیر متناہی سے نسبت ہی کیا ہے۔ یہ سن کر بنی اسرائیل نے طریق توبہ کو بخوشی منظور کرلیا اور موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے شرائط اور طریقِ قتل پیش فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس سے عدول کرے گا اسکی توبہ قبول نہ ہوگی اسکو

بھی انھوں نے تسلیم کیا۔ ان میں تین قسم کے لوگ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ نے تو گوسالہ پرستی ہی کی تھی۔ ایک نے گوسالہ پرستی تو نہ کی تھی مگر ان پر انکار بھی نہیں کیا تھا۔ تیسری جماعت نے گوسالہ پرستی بھی نہ کی اور انکار بھی کیا۔ پہلی دونوں جماعتوں کے قتل کا حکم ہوا تھا تیسری جماعت میں بارہ ہزار آدمی تھے ان سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ شمشیر برہنہ لیکر ان دو جماعتوں کے قتل کے لئے نکلیں اور ان کو اپنے گھروں کے باہر گوٹ مار کر سر گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد خود ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر ان سے فرمایا کہ :-

یا معشر بنی اسرائیل ان اخوانکم اتوکم شاھرین سیوفھم یریدون ان یقتلوکم فاتقوا اللہ واصبروا۔ (ترجمہ) یعنی اے بنی اسرائیل تمہارے بھائی تمہارے پاس اپنی تلواروں کو سونتے ہوئے آئے ہیں تاکہ تم لوگوں کو قتل کریں سو تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر اختیار کرو۔

جب انھوں نے قتل کرنا چاہا تو دیکھا کہ اس میں ہمارے بھائی بھتیجے۔ دوست و اقارب موجود ہیں پس شفقت جبلی مانع ہوئی اور قتل کرنے میں ان کے ہاتھ کام نہیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایک سیاہ دھواں ان پر بھیجدیا جسکی وجہ سے اندھیرا چھا گیا۔ کچھ نظر نہ آتا تھا انھوں نے قتل کرنا شروع کر دیا۔ صبح سے شام تک ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے تو ان کی عورتیں اور بچے فریاد کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برہنہ سر ہو کر بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ ارشاد باری عزوجل ہوا کہ قاتلین و مقتولین سب کی توبہ قبول ہو گئی۔ جو لوگ قتل کئے گئے وہ مرتبہ شہادت سے مشرف ہوئے اور جنھوں نے قتل کیا وہ گناہ سے پاک کر دیئے گئے۔

تفسیر مظہری میں اس مقام پر اس طرح لکھا ہے کہ جب بہت سے لوگ قتل ہو چکے تو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام رونے لگے اور تضرع کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے کہ اے رب العزت بنی اسرائیل تو ہلاک ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے وہ سیاہ بدلی ہٹادی اور حکم ہوا کہ قتل بند کر دیں۔

الغرض بنی اسرائیل اس توبہ شاق کو بجالائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَتَابَ عَلَيْكُمْ یعنی جب تم نے یہ کام کر لیا تو تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔ اگرچہ تمہارا گناہ آل فرعون کے گناہ سے زیادہ سخت تھا اس لئے کہ تم لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا اس کے باوجود بھی حق تعالیٰ نے تمہاری

توبہ قبول فرمایا۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کے قبول کرنے میں مبالغہ فرماتے ہیں یہاں تک کہ اس امر ناشائستہ پر بھی توبہ قبول فرمالیا حالانکہ آل فرعون کو اس سے کم پر معذب فرمایا حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندہ کسی گناہ سے صدق دل سے توبہ کرتا اور نادم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرماتے ہیں اگرچہ دن میں ستر بار اس گناہ کا مرتکب ہوا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہیں کہ ایک ساعت کی اذیت کے تحمل پر کرامت ابدی عنایت فرماتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی یہ توبہ ایک عمدہ ہدایت تھی جو کہ محق و مبطل کے درمیان فارق ہوئی۔ اور ان کے قدماء نے باوجود اتنی مشقت کے اس ہدایت کو کمال بشاشت کے ساتھ قبول کیا مگر بنی اسرائیل ہی کی ایک جماعت جو اس کلام کے مخاطب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر ہیں محض زبان سے بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ اس شریعت کی سہل عبادت کو کثرت فضائل کے باوجود قبول کرتے ہیں۔ یہ بھی کفران نعمت ہی ہے اور اس آیت میں بنی اسرائیل ہی کو نہیں بلکہ تمام امت ہی کو خبردار کرنا مقصود ہے کہ توبہ و ندامت سے جی نہ چرائیں کیونکہ امت موسویہ باوجود انتہائی مشقت کے بھی اس توبہ پر دل و جان سے تیار ہو گئی۔ اور اس سے انکار نہیں کیا اور تم لوگوں سے تو ہیں نے صرف ندامت ہی طلب کیا ہے اسی پر اکتفا کیا گیا ہے اگر اسے بھی چھوڑ دو اور اتنا بھی نہ کرو تو بہت بعید ہے۔

(تفسیر عزیزی ص۲۱۳ پ۱)

سنیئے اس آیت کے مخاطب جس طرح وہ بنی اسرائیل ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں موجود تھے اسی طرح ان کے علاوہ جملہ امت محمدیہ بھی ہیں اس میں دونوں ہی جماعتوں کے لئے تازیانہ عبرت و نصیحت ہے۔ بنی اسرائیل سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تمہارے آباء و اجداد ایسے تھے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکے سامنے حکم الٰہی پیش فرمایا اور طریق توبہ متعین فرمادیا تو باوجود اتنی مشقت کے اسکو قبول کرلیا اور حکم خداوندی کے مطیع و منقاد ہو گئے اور تم لوگ ایسے ہو کہ صرف زبان سے بھی توبہ نہیں کرتے اور شریعت محمدیہ کو باوجود اسہل و ایسر و کثیر الفضائل ہونیکے قبول نہیں کرتے اور مومنین کو اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ امم سابقہ کی شرائع میں بڑی بڑی سختیاں تھیں یہاں تک کہ ان کی توبہ بدون قتل کے قبول نہ ہوتی تھی اور تمہارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کے طفیل منجانب اللہ ہر طرح کی سہولتیں اور آسانیاں دیگئی ہیں اور تمہاری توبہ صرف ندامت مقرر کیگئی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور عین لطف و کرم ہے اب اگر ہم اتنا بھی نہ کریں اور اپنے معاصی و نافرمانیوں پر نادم تک نہ ہوں تو بہت ہی تعجب کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی شفقتوں اور نعمتوں کی انتہائی ناشکری و ناقدری ہوگی جسکی بنا پر ہم بھی اپنے نفوس پر ظلم کرنیوالے ٹھہریں گے اور مستحق عقوبت ہوں گے۔ نعوذ باللہ منہا۔
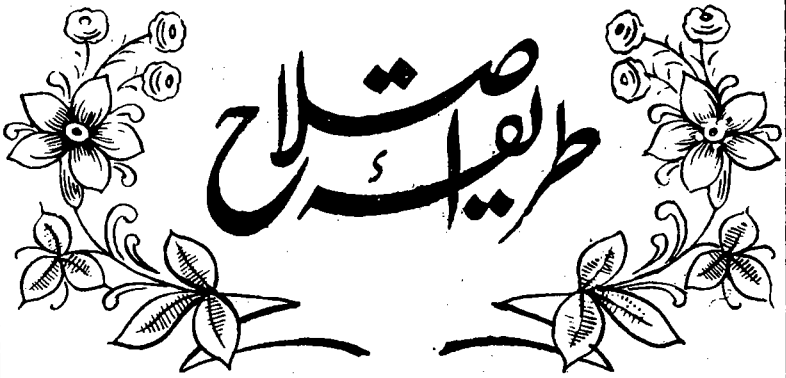
از افاضات

مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طریقۂ اِصلاح

فرمایا کہ میں جو کہا کرتا ہوں کہ یہ فساد کا زمانہ ہے تو گو اس کی تفصیل مشکل ہے تاہم لوگوں کے خطوط سے مجھے زمانہ کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ ورنہ تو ہم لوگ ایک گوشہ میں پڑے ہوئے ہیں ہم لوگوں کو کیا پتہ چلے۔ اب ان حالات میں لوگ آ کر مجھ سے کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں چلو۔ میں کہتا ہوں کہ بھائی یہیں ایک ہی جگہ اطمینان کے ساتھ رہ لیں اور اپنی عزت و آبرو بچا لیں یہی غنیمت ہے۔ کہیں اور جا کر کیا کریں گے۔ سوائے اس کے کہ کسی فتنہ میں پڑ جائیں اور یہ اس لئے کہ یہ سمجھتا ہوں کہ لوگوں کو ہم مولویوں پر اطمینان نہیں ہے گو سب لوگ ایسے نہ ہوں گے مگر بعض تو ضرور ایسے ہیں۔ اب یہ بھی کیسی عجیب بات ہے کہ ہم تو آپ لوگوں کا اعتبار کریں اور آپ کی طرف سے مطمئن رہیں اور یہ سمجھ کر کہ یہ سب ہمارے مسلمان بھائی ہیں آپ کے سامنے قرآن پڑھیں، حدیث پڑھیں، بزرگوں کے حالات بیان کریں۔ مگر آپ لوگ ہمارا اعتبار تک نہ کریں اور ہماری جانب سے مطمئن کبھی نہ ہوں۔ اسی کا نام فتنہ ہے۔

میں نے ایک دن بیان کیا تھا کہ ہمارا معاملہ اور ہمارا فیصلہ اب عوام کے ہاتھ میں ہو گیا ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ دوسری جگہوں میں تو امتحان لینے والا امتحان دینے والے سے زیادہ قابل ہوتا ہے اور یہاں علماء و مشائخ کو وہ لوگ فیل اور پاس کرتے ہیں جن کو علم و عمل سے ذرا بھی مس نہیں ہوتا۔

یہ مولوی صاحب بیٹھے ہیں کہہ رہے تھے کہ میں نے یہ مضمون ایک صاحب کو سنایا سن کر ہنسے۔ یہ خیال کیا ہوگا کہ ٹھیک تو کہہ رہے ہیں۔ آج یہی حال ہو گیا ہے۔

میں خیال کرتا تھا کہ آخر ہمارا کام خراب کہاں سے ہوا۔ تو حالات زمانہ کے دیکھنے سے سمجھ میں یہی آیا کہ کام یہاں سے بگڑا کہ جو لوگ مقتدا اور پیشوا تھے ان کو تابع بنا لیا گیا ہے۔ کوئی

عالم ہو، واعظ ہو، امام ہو ان سب کو لوگ اپنا تابع دیکھنا چاہتے ہیں بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کو خرید لیا ہے۔

وطن میں ایک دفعہ ایک چودھری نے کچھ اعتراض کیا میں نے اس سے کہا کہ چلو نماز پڑھاؤ وہ پیچھے ہٹا میں نے کہا کہ نماز تو تمھیں پڑھانی ہوگی۔ بس بید کی طرح ہلنے لگا۔ ایک نماز نہیں پڑھا سکے مگر علماء پر حکومت جتانے کو تیار۔ میں نے کہا کہ تم چودھری ہو تو اپنی چودھرائی مسجد سے باہر چلاؤ اور دُنیوی امور میں چلاؤ۔ مسجد میں اور دینی معاملہ میں کیوں چلاتے ہو۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو کوئی دُنیوی اعتبار سے چودھری اور قوم کا رئیس ہو تو وہ دین میں بھی سردار ہو جائے۔ دین سے مس نہیں۔ وضو کے سنن و فرائض تم نہ جانو۔ نماز کے فرائض تک کا تم کو علم نہیں مگر علماء پر حکومت کرنے کے لئے تیار رہو۔ میں نے یہ بھی کہا تھا ہم تمھاری رعایت کریں گے رعایت کا شریعت میں حکم ہے لیکن تم کو بھی شریعت کا پابند رہنا ہوگا۔ ہر جگہ کا یہی حال ہے۔ اسی سے سمجھ میں آیا کہ آج ہماری خرابی کا یہی سرچشمہ ہے ایک جگہ میں نماز پڑھاتا تھا ایک دن مجھے کچھ دیر ہو گئی کچھ ایسی زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی ابھی اور دوسرے نمازی بھی نہیں آئے تھے ایک چودھری صاحب اُس دن اتفاق سے مسجد میں پہلے آگئے تھے۔ میں جب مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ لوگوں کو سڑ سڑا رہے تھے کہ مولوی مولانا لوگ ہیں مگر نماز میں ابھی تک نہیں آئے۔ تکبر کی وجہ سے ایسا کہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ کہنا پسند نہیں آیا دوسرے دن سے اس کو یہ سزا ملی اور ایسی بے توفیقی شامل حال ہو گئی کہ روزانہ فجر کی نماز میں پچھڑنے لگا۔ ایک دفعہ لوگوں سے کہنے لگا کہ ہم بوڑھے ہو گئے۔ ہماری کوئی تعظیم نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ کیوں ہو گئے ہو جوان ہو جاؤ۔ اور میں نے کہا کہ ہاں بوڑھوں کی تعظیم کا بیشک شریعت میں حکم ہے مگر عالم کی تبجیل کا بھی تو حکم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَلَمْ یُبَجِّلْ عَالِمِنَا فَلَیْسَ مِنَّا یعنی جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے علماء کی توقیر و احترام نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس میں جس طرح سے بڑوں کی تعظیم کا حکم ہے اسی طرح چھوٹوں پر رحم کرنے اور علماء کی تعظیم و تکریم کرنے کا بھی حکم ہے اب کوئی شخص نہ تو اپنے چھوٹوں پر رحم کرے نہ علماء کی توقیر کرے اور صرف دوسروں سے اپنی تعظیم چاہے تو یہ تو صحیح نہیں ہوگا۔ انسان کی تعظیم خود اس کے ہاتھوں میں ہے تم نے خود اپنی تعظیم کھو دی۔

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ علماء کو لوگ تابع کر لینا چاہتے ہیں بلکہ کر لیا ہے اسی کا سارا فساد ہے۔ اور جس طرح سے عوام کا علماء کے ساتھ یہ معاملہ ہے اسی طرح علماء نے بھی اپنے مقتدار ہونے کا ثبوت نہیں دیا۔

چنانچہ علماء بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ یعنی لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو" اور یہی حکم اُمّت محمدیہ کے علماء کے لئے بھی ہے کیونکہ قرآن میں اس کو بیان فرمایا ہے یعنی عوام سے ڈرے اور ان کی بیجا رعایت کرنی اور تبعیت شروع کر دی اس لئے اور بھی ان کی نظروں سے گر گئے۔

ایک جگہ ایک امام صاحب کے متعلق لوگوں کو یہ شبہ تھا کہ شاید یہ دوسرے مسلک کے ہیں (یعنی آمین بالجہر وغیرہ کہنے والوں میں سے ہیں) امام صاحب اپنے اس مسلک کو ظاہر نہیں کرتے تھے ایک دن انھوں نے نماز پڑھائی اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد آمین بھی جہر کے ساتھ نکل گئی انھوں نے سمجھا کہ مقتدیوں کو شاید معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہمارا جو گمان تھا وہ صحیح ہے۔ اب تو ہمیں امامت ہی سے علیحدہ کر دیں گے اس کے بعد ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا کہ آمین نہیں اس طرح نماز ہی فاسد کر لی۔ اس قدر غلبہ آج عوام النّاس کا ہمارے اوپر ہوگیا ہے ذرا للّٰہیت باقی نہیں رہی اس قدر عوام النّاس سے ڈرتے ہیں جیسے یہ سمجھتے ہوں کہ ان کے ہاتھ میں ہماری روزی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب عوام ہم کو تدیّن میں ایسا پاتے ہیں تو پھر کیوں ہمارے معتقد ہونے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ ایک طرف سے سب کا اعتبار ختم کر دیتے ہیں۔ ادھر نفس و شیطان اُنھیں الگ گمراہ کئے رہتا ہے جس کی وجہ سے عُلماءِ حقّانی و مشائخ ربّانی سے مخالفت ان کے لازم حال ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ان حضرات سے دشمنی لوگوں نے ہر زمانہ میں کی۔ دیکھ رہا ہوں کہ جو لوگ کچھ کام کرتے ہوتے ہیں انھیں کی مخالفت کی جاتی ہے ـــــ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الیواقیت والجواہر میں جلال الدین سیوطیؒ کا قول نقل کیا ہے جسے انھوں نے اپنی کتاب التحدث بالنعمۃ میں لکھا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

وممّا انعم اللّٰہ بہ علیّ	یعنی منجملہ ان انعامات کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرمائے
ان اقام لی عدوًّا یؤذینی	ایک یہ ہے کہ میرے لئے ایک دُشمن کھڑا کر دیا جو مجھکو ایذار
ویمزق فی عرضی لیکونَ	پہنچاتا رہتا ہے اور میری عزت کو پاش پاش کرتا ہے تاکہ

لی اسوۃ بالانبیاء والاولیاء	انبیاءؑ اور اولیاءؒ کا اتباع اور ان کی اقتدار مجھے اس باب
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	میں نصیب ہو جائے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
وسلم اشد الناس بلاءً الانبیاء	ہے کہ سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے
ثم العلماء ثم الصالحون ۔	پھر علماء کی پھر صالحین کی ۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے ۔
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن ۔ جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں دونوں فریق کے سرکش جن سے بھی اور انس میں سے بھی اوّل کو شیاطین الجن اور دوسرے کو شیاطین الانس کہا جاتا ہے ۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا الآیہ اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے ۔ سو انھوں نے اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مخالفین کا ہونا ۔ مخالفت کیا جانا اور اس پر صبر کرنا یہ سب بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت اور اُن کا اُسوہ ہے اور جن لوگوں کے ساتھ یہ معاملات پیش آئیں وہ خوش ہوں کہ الحمد للہ ان کو تاسی انبیاء کی حاصل ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ چیزیں خدا کی طرف سے بطور امتحان پیش آتی ہیں اسی سے ان کو نمبر اور رتبہ ملتا ہے اور وقتی و عارضی ہوتی ہیں ۔ چنانچہ یہ وقت گذر جاتا ہے اور یہ حضرات کامیاب ہو جاتے ہیں اور تمام چیزیں ختم ہو جاتی ہیں ۔ مگر اس کو سمجھنا اور جھیل لینا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہوتا ہے

چونکہ انبیاء علیہم السلام کے نیز صالحین اُمت کے حالات بھی سامنے ہیں اور ان کے ساتھ لوگوں کے معاملات بھی پیش نظر ہیں اس لئے بہت سمجھ بوجھ کر کوئی کام کرتا ہوں ۔ یہ نہیں کرتا کہ جہاں کسی نے کہیں بلایا بس کود کر فوراً پہنچ گیا یہ دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں کو مجھ پر اطمینان بھی ہے یا نہیں اور لوگ جو اپنے اطمینان کا اظہار کر رہے ہیں اس میں کس قدر

صدق ہے اور یہ اس لئے کرتا ہوں کہ زمانہ ظاہر و باطن کے تخالف کا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص اپنے کو جیسا ظاہر کرے ویسا ہی وہ ہو بھی میں کہیں جاؤں اور اس کی وجہ سے کسی فتنہ میں پڑ جاؤں اس کو تو خیر پسند ہی نہیں کرتا۔ اس چیز کو بھی گوارا نہیں کرتا کہ میرے کہیں آنے جانے کی وجہ سے خود مسلمان کسی فتنہ میں پڑ جائیں۔ میں تو کہیں جا کر رہوں گا اور پھر اپنے مکان چلا آؤں گا اور وہاں کے لوگ کسی شر پسند کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے فتنہ میں پڑ جائیں اس لئے کہ کوئی بستی اور کوئی شہر ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہے اسی کام کو کرتا ہوں لوگوں کے مزاج کو خوب پہچانتا ہوں۔ ایک صاحب ابھی آئے تھے کچھ دن ہوئے مجھ سے کہتے تھے کہ ایک دفعہ میں سفر کر رہا تھا "وصیۃ الاحسان" میرے ہاتھ میں تھی۔ جن اخلاق میں آج لوگ مبتلا ہیں اس رسالہ میں اسی کو بیان کیا گیا تھا کہتے تھے کہ میرے پاس ایک غیر مسلم افسر بھی بیٹھے ہوئے تھے اُردو جانتے تھے انھوں نے میرے ہاتھ سے وہ رسالہ لے لیا اور مطالعہ کرنے لگے کُل پڑھ گئے اور کہا کہ بہت اچھا لکھا ہے اور سب میرا ہی حال لکھا ہے مجھے یہ سُن کر تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی کہ دیکھو ایک غیر مُسلم نے اس کو سمجھا اور اس سے متاثر ہوا لیکن کسی مسلمان نے اسے دیکھ کر اس قسم کی بات مجھے نہیں لکھی۔

کام کرنے والوں اور ان کی مخالفت کرنے والوں اور ان سے عداوت رکھنے والوں کے یہ دونوں سلسلے شروع سے چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ آگے علامہ شعرانی رح نے علامہ سیوطی رح کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ ہر نبی اپنے شہر و وطن میں اپنی حرمت کو مفقود پاتا ہے یعنی دوسری جگہ کے لوگ تو اس کی عزّت اور اس کا احترام کرتے ہیں لیکن مقامی لوگ شک و شبہہ ہی میں رہتے ہیں انھیں اطمینان نہیں ہوتا۔

بیہقی نے روایت کیا ہے کہ کعب احبارؓ نے موسیٰ خولانی سے پوچھا کہ اپنی قوم کو آپ اپنے حق میں کیسا پاتے ہیں انھوں نے کہا کہ کام کرنے والے، اطاعت کرنے والے۔ کعب احبارؓ نے یہ سُن کر کہا توراۃ تو اس کی تصدیق نہیں کرتی اس میں تو یہ لکھا ہے کہ وایم اللہ ماکان رجل حلیم فی قوم قط الا بغوا علیہ وحسد وہ یعنی خدا کی قسم کوئی حلیم شخص کسی قوم میں نہیں ہوا مگر یہ کہ لوگوں نے اس پر بغاوت کی ہے اور

اس پر حسد کیا ہے۔

ابن عساکر نے مرفوعًا روایت کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے سب سے زیادہ بے نیازی برتنے والے ان کے عزیز وقریب ہوتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَاَنذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کہا کرتے تھے کہ عالم سے بھی سب سے زیادہ بے رغبتی کرنے والے اس کے اہل اور اس کے پڑوسی ہوتے ہیں اگر اس کے حسب میں کچھ فرق ہوا تو عار دلائیں گے اور اگر ساری عمر میں اس نے گناہ کرلیا تو عار دلائیں گے۔ اس کے بعد پھر جلال الدین سیوطی کا قول نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ معلوم ہونا چاہئے کہ کسی زمانہ میں کوئی بڑا شخص نہیں ہوا ہے مگر یہ کہ کمینوں نے اس سے دشمنی کی ہے اذا الاشراف لم تزل تبتلی بالاطراف یعنی اشراف ہمیشہ اطراف کی جانب سے آزمائش میں ڈالے جاتے رہے ہیں۔

چنانچہ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ابلیس تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے لئے ہام تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے جالوت تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے صخر تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نمرود تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرعون تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کی پہلی زندگی میں بخت نصر اور دوسری زندگی میں دجّال ہوگا اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابوجہل ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ ابھی اس آخری زمانہ میں کیسے کیسے فضلاء ہوئے ہیں جو صرف صاحب ظاہر ہی نہیں تھے بلکہ صاحب باطن بھی تھے مگر لوگ ان کی بھی مخالفت سے باز نہ رہے۔ آج آپ امام غزالیؒ کو کتنا مانتے ہیں لیکن خبر بھی ہے کہ ان کے زمانہ میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا ان کی بڑی بڑی مخالفت کی گئی یہاں تک کہ ان کی کتاب احیاء العلوم جلائی گئی پھر ہوا یہ کہ جن صاحب کے حکم سے جلائی گئی انھوں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ان کے اس فعل سے ناخوش ہوئے اور ان کے کپڑے اُتروا کر ان کو دُرّے لگائے جانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ جب وہ صبح اُٹھے تو پیٹھ پر کوڑے کے نشان موجود تھے۔ پھر اس کے بعد وہی احیاء العلوم سونے کے پانی سے لکھوائی گئی۔

یہ اس پر کہہ رہا ہوں کہ اپنے اپنے زمانہ میں ہر نبی اور ولی کی مخالفت کی گئی ہے لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی ہوئی ہے اور یہی حضرات کامیاب ہوئے ہیں ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ایک شخص نے اُن سے کہا کیا خون ہی سفید ہوگیا ہے؟ انھوں نے پوچھا کیا بات ہے۔ اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر کہا کہ وہ تمھارا بھتیجہ بھی ہے یا نہیں؟ کہا ہاں ہے کہو کیا بات ہے اس نے کہا کہ ان کو ابوجہل نے مارا ہے۔ یہ سُننا تھا کہ غصّہ سے چہرہ سُرخ ہوگیا۔ شکار سے واپس آرہے تھے ہاتھ میں کمان موجود تھی۔ اسی حالت میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور اسی کمان سے اس کے سر پر دو تین ہاتھ رسید کرکے کہا کہ میں ابھی زندہ ہوں۔ میرے ہی سامنے میرے بھتیجے کو مارو گے۔ خبردار اب ایسی حرکت نہ کرنا اور لو میں مسلمان ہوتا ہوں کرلو جو کرنا ہو۔ یہ کہہ کر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔

اسی طرح سے حضرت عمرؓ جب مسلمان ہوئے تو خانۂ کعبہ کے پاس جاکر اعلان کیا کہ لوگو! میں مسلمان ہوتا ہوں۔ جسے اپنی بیوی کو بیوہ کرانا اور اپنی اولاد کو یتیم کرانا منظور ہو وہ میرے مقابلہ میں آجائے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد پھر نماز کھلم کھلا مسجد حرام میں ہونے لگی اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے دین کی نصرت فرمائی۔

دین خُدا کا ہے جب کوئی شخص اخلاص کے ساتھ اور صحیح طریقہ پر کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی ضرور اس کی نصرت ہوتی ہے۔

اور کام کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے متعلقین کی اصلاح پہلے کرے اور اپنے لوگوں میں کام کرے اس میں کوئی فتنہ بھی نہیں۔ دوسری جگہ کیوں کود کر جائے۔ اپنے ہی یہاں سے کام شروع کرے۔ انھیں لوگوں پر محنت صرف کرے اور ان کو درست کرے۔ جتنا ان کو درست کرے گا اتنی ہی دین کی اشاعت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو اسی طریقہ سے کام بڑھے گا اور ترقی کرے گا۔

اِسے کہتا ہوں تو نہیں سُنتے اور ہم سے کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں چلو اور آپ جب کام کریں گے تو اسی کا اثر آپ کے کُنبہ اور برادری کے لوگوں پر یقیناً ہوگا۔ باقی

یہ ضرور ہے کہ جس درجہ کا دین آپ کے اندر ہوگا اتنا ہی آپ کا اثر دوسروں پر ہوگا۔

صوفیہ کا طریقہ کار یہی رہا ہے۔ مولانا عبدالرؤف صاحب داناپوری طبیب بھی تھے صوفی بھی تھے۔ محقق عالم تھے۔ مورخ بھی تھے اور انگریزی داں بھی تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ دین اسلام یہاں ہندوستان میں صوفیہ سے پھیلا ہے۔ اس طرح سے کہ کوئی بزرگ کسی خطہ میں جا کر بیٹھ گئے ہیں نہ کسی سے کچھ مانگتے تھے اور نہ کسی سے کچھ کہتے تھے بس خاموشی سے اپنا کام کرتے رہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ مخلصین کو کب پوشیدہ رہنے دیتے ہیں لوگوں کو پتہ چل ہی جاتا تھا۔ قریب ہونا شروع ہوتے تھے اُن میں سے کوئی شخص زیادہ قریب ہوتا اور ان کی چیزیں سیکھتا تو اس کو دوسرے خطہ میں بھیج دیتے تھے وہاں جاکر وہ اسی طرح کام کرتا۔ اسی طرح ہوتے ہوتے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں یہ حضرات پھیل گئے۔ یہ خاموش تبلیغ کہلاتی ہے جو کہ ناطق تبلیغ سے کہیں بہتر اور پائیدار ہوتی ہے اس لئے کہ فتنہ تو بولنے میں ہوتا ہے اور اُسی وقت لوگوں کو مخالفت کا موقع بھی ملتا ہے کہ تم کوئی بات کہو دوسرا اُس کو رد کر دے لیکن ایک شخص زبان سے کچھ کہتا ہی نہیں تو اس کو کیا کہو گے۔

اب اس زمانہ میں عوام کو اور انگریزی دانوں کو سب کو بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں اب کسی کے اندر شرائط تاثیر کی موجود ہوں تو بس اس کی بات کا اثر ہو جائے گا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ وقت بھی دے رہے ہیں، روپیہ پیسہ بھی خرچ کر رہے ہیں۔ دین کا نام سُن کر جمع بھی ہو جاتے ہیں۔ اب سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ اب جو کوتاہی ہے وہ ہماری ہی جانب سے ہے کہ ہم اُن کے سامنے حقیقی دین اور کام کی باتیں بیش نہیں کرتے

میں ایک جگہ گیا ہوا تھا جہاں کے متعلق سُنتا تھا کہ یہ لوگ دین کی تضحیک کرتے ہیں تالیاں بجاتے ہیں میں نے تو ایک شخص کو بھی نہیں دیکھا کہ تضحیک کرتا ہو بلکہ نہایت ادب اور احترام کے ساتھ سب لوگ پیش آئے آدمی جب تک جاہل رہتا ہے اس وقت تک جو نہ کر گزرے لیکن علم و معرفت کے بعد پھر تو ادب ہی کرتا ہے۔

میں نے ایک بزرگ کا قصہ سُنایا تھا کہ لوگ ان کے جیبت رسید کرتے تھے اور ہنستے تھے بالآخر ان کو الہام ہوا کہ یہ لوگ بہت دیر سے تمھاری بے ادبی کر رہے ہیں کہو تو جہاز غرق کر دیں۔ ان بزرگ نے کہا کہ اے اللہ جب تو اس پر قادر ہے کہ

ان کو غرق کر دے تو اس پر بھی قادر ہے کہ ان کی باطن کی آنکھ کھول دے تاکہ مجھے پہچان لیں۔ فوراً سب کے قلب میں آنکھ ہوگئی اور انھیں پہچان کر مؤدب بیٹھ گئے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے بعد وہ لوگ ساری عمر نادم ہی رہے ہوں گے یعنی جب اس واقعہ کو سوچتے ہوں گے کہ ہم نے کیا حرکت کی اور ان کی طرف سے کیا دولت ملی۔ آپ لوگ بھی شاید اسی لئے چپتیاتے ہیں کہ سمجھتے ہوں گے کہ دولت ملنے کا یہی طریقہ ہے تو یہ غلط خیال ہے وہ کریم تھے اس لئے دوسرے کو ان پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر کوئی جلالی مل گیا تو مصیبت میں پڑجاؤگے۔

بہرحال کوئی بھی خطہ ہو جب تک کہیں کوئی اہل دل نہ ہوگا کام نہیں ہوگا کام کے لئے اہل دل کا ہونا ضروری ہے۔ رہی لوگوں کی مخالفت اور ان کی نفسانیت تو یہ ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ ختم بھی ہوجاتی ہے۔

ایک مولانا صاحب مجھ سے محبت کرتے تھے مجھ سے کہتے تھے کہ باہر والوں کو کہو مگر گاؤں والوں کو اور برادری والوں کو کچھ نہ کہو میں نے کہا کہ تو پھر انھیں تقویٰ طہارت کیسے آئے گا چنانچہ کہتا رہا کہتے سنتے کہتے سنتے اب دیکھتا ہوں کہ لوگ نمازی بھی ہیں تہجد گذار بھی ہیں اور بہت سے مولوی اور حافظ بھی ہوگئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی ایک جگہ جم کر کام کرے اور پہلے اپنے لوگوں میں کام کرے تو کام ہوتا ہے۔ عمومی کام کرنے میں تو فتنہ کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن خصوصی کام کرنے میں اس کا اندیشہ نہیں ہوتا اور پھر آہستہ آہستہ وہ تھوڑا کام بھی بہت ہوجاتا ہے۔

ایک صاحب نے بڑی عمدہ بات کہی ایسی کہ کسی نے نہیں کہی۔ انھوں نے کہا کہ جب سے تم الٰہ آباد آئے ہو یہاں ایک دینی ماحول پیدا ہوگیا ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر کام ترقی کر جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک دینی ماحول پیدا کرنا چاہئے چاہے وہ مختصر ہی سا کیوں نہ ہو چاہے اپنے گھر ہی میں کیوں نہ ہو۔

اب دیکھئے آپ لوگ یہاں جماعت سے جو نماز پڑھتے ہیں تو اس کو تمام غیر مسلم

مرد، عورت بچے سب کھڑے ہوکر دیکھتے ہیں اور اس کا اُن کے قلب پر اثر پڑتا ہے اتنا تو سمجھتے ہوں گے کہ کیسے اچھے لوگ ہیں کہ دُنیا کا بھی کام کرتے ہیں اور پانچ وقت اپنے مالک کو بھی یاد کرتے ہیں۔ آپ کی اسی ایک نماز کے ذریعہ اسلام کی تشہیر ہوتی ہے۔

مصر میں ایک جگہ غنیم نے چڑھائی کی وہاں کے لوگ جماعت سے نماز پڑھ رہے تھے یہ دیکھ کر دُشمن واپس ہوگیا۔ یہی خیال کیا ہوگا کہ یہ لوگ ایک ذات کے کس قدر مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ تم آج اگر اپنی نماز ہی درست کرلو تو بہت کام بن جائے۔

حضرت مولاناؒ جن دنوں بسلسلۂ علاج لکھنؤ تشریف رکھتے تھے قریب ہی کی مسجد میں جماعت کے لئے تشریف لے جاتے تھے وہاں کا امام کچھ دوسرے خیال کا رہا ہوگا فوراً مصلے پر پہنچ جاتا تھا۔ لوگوں نے حضرت سے کہا کہ حضرت امام کچھ ٹھیک آدمی نہیں معلوم ہوتا لہٰذا جماعت گھر ہی پر کرلی جایا کرے۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں جی ہم اس کی وجہ سے جماعت نہیں چھوڑیں گے۔ ایک دن اُس نے سلام پھیرتے ہی اعلان کیا کہ حضرات فاتحہ ہوگی آپ لوگ تشریف رکھئے گا۔ سب لوگ ٹھہر گئے حضرت مولانا بھی اپنی جگہ پر سر جُھکا کر اپنی مخصوص ہیئت میں بیٹھ گئے۔ میں بھی وہاں تھا۔ اپنے دل میں میں نے کہا کہ آج حضرات نے اسے لیا اور اب یہ مُرید ہوا۔ بس یہ اس کا آخری عمل ہے کچھ آیتیں پڑھیں فاتحہ ہوئی اور ریوڑیاں تقسیم ہوئیں سب سے پہلے حضرت ہی کو حصہ دیا۔ حضرت نے اپنے رومال کے گوشہ میں لے کر باندھ لیا اور زبان سے کچھ نہیں فرمایا ہم لوگ ہوتے تو کہتے کہ یہ بدعت ہے اور ایک فتنہ برپا ہوجاتا۔ مگر حضرت حکیم تھے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ اس کو دیکھ کر امام صاحب معتقد ہوگئے اور پڑھے لکھے لوگوں کی جماعت میں بھی اِس واقعہ کو بیان کیا۔ اُن لوگوں نے مکرر پوچھا کہ کیا مولانا بھی شریک تھے اس نے کہا ہاں صاحب شروع سے آخر تک شریک رہے میں نے حصہ دیا اُسے بھی لے لیا اور اس کے بعد سے سب جگہ یہی کہتا پھرتا تھا کہ لوگ اُن کے متعلق غلط کہتے ہیں کہ وہ ..... ہیں غلط ہے اور بہتان ہے وہ ایسے نہیں ہیں۔

دیکھئے جماعت سے نماز پڑھنے کی کیسی برکت ظاہر ہوئی کہ امام ہی درست ہوگیا۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ نماز کو دُرست کرو سارا دین درست ہوجائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:۔ الصلوٰۃ عماد الدین من اقامھا فقد اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین۔ یعنی نماز دین کا ستون ہے جس نے اُسے قائم رکھا اس نے

دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے ترک کیا اس نے گویا دین ہی کو منہدم کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ نوافل پڑھو لیکن فرائض کا اہتمام کرو۔ نوافل سے جو قرب حاصل ہوتا ہے تو اسی وقت جبکہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو ورنہ صرف نوافل ادا کر کے اور فرائض میں کوتاہی کر کے کسی نے بھی قرب حاصل نہیں کیا ہے۔

ایک شخص نے مجھے لکھا کہ میری حالت بدل گئی ہے یعنی کچھ اچھی ہو گئی ہے۔ میں نے کہا کہ دیکھ رہا ہوں کہ تم نے فرائض کا اہتمام کر لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ فرض نماز انسان کے کل وقت کو گھیر لیتی ہے۔ ظہر پڑھی۔ پھر عصر کا انتظار۔ عصر پڑھی تو مغرب کا انتظار۔ مغرب پڑھی تو عشار کا انتظار۔ اس طرح سے کچھ وقت نماز میں اور کچھ انتظار میں گذر جاتا ہے۔ اس طور پر گویا سارا وقت ہی عبادت میں گذرتا ہے اور نمازی غافل نہیں ہونے پاتا اور نماز پڑھنے والا گویا دوسروں کو اسلام کی عملی دعوت دیتا ہے اور واعظ قولی دعوت دیتا ہے اور عملی دعوت قولی دعوت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ نماز سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے نمازی آدمی ساری برائیوں سے بچ جاتا ہے۔ بداخلاقی کا زمانہ ہے اس زمانہ میں کام کرنا بہت مشکل ہے لوگوں کے خطوط آتے ہیں ان کے لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت پریشان ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ بد آدمی کی اصلاح جتنی نیک صحبت اور دینی ماحول سے ہوتی ہے کسی اور چیز سے نہیں ہوتی۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ انسان خود بخود ٹھیک ہونے لگتا ہے۔ آپ لوگ کہتے ہوں گے کہ ہم تصوف سیکھنے آئے ہیں آپ اس قسم کی باتیں کیا بیان کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہی تو باتیں کہنے کی ہیں اور پہنچانے کی ہیں۔ اچھی اچھی باتیں تو سبھی کہتے ہیں اور ضرورت ہے کہ کام کام کی باتیں بیان کی جائیں۔

بہر حال میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ایک جگہ بیٹھ کر کام کرنا اچھا ہوتا ہے ہم نے یہ راہ سوچ لی ہے تب بیٹھے ہیں یعنی جو کام کر رہے ہیں سوچ سمجھ کر کر رہے ہیں اور جو لوگ ہمارے پاس آتے جاتے ہیں ان کے بھی حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم سے مطمئن ہیں بستی میں ایک شخص بھی صالح ہوگا تو اس کی وجہ سے بہت سے صالح ہو جائیں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ آدمی اپنے اندر صلاح و تقویٰ پیدا کرے اور پہلے خود سیکھے پھر دوسروں کو سکھلائے اگر اس کے اندر اخلاص ہوگا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس سے دوسروں کو نفع نہ پہنچے۔

سُنئے کام کے مختلف درجے ہیں۔ اب یہ چُھٹ بھیّا لوگ چاہیں کہ اولیاء اللہ کا جو کام ہے اس کو لے لیں تو یہ نہیں ہوگا۔ اولیاء اللہ نے کچھ کام کیا ہے اس سے ان کو یہ مرتبہ ملا اب اس میں آنا چاہتے ہو تو آؤ انھیں کی طرح کام کرو۔ مطلب اس سے خاص کام ہے یعنی طریق کے مطابق کام کرو اور اصلاح کرو اور اس میں سب سے بڑا مانع نفس ہے اس کو پہچانو اور اس کو مارو ورنہ یہ اللہ تعالیٰ سے تعلق نہ ہونے دے گا۔

جب یہ کہتا ہوں تو کہتے ہیں ہمیں فرصت نہیں ہے تمھیں ہمارے یہاں آجاؤ اور پیدل آجاؤ۔

میں کہتا ہوں کہ بالفرض اگر یہ لوگ آجائیں اور تمھارے تابع ہوجائیں تو تم کو اس سے کیا فائدہ؟ تمھارا فائدہ تو اسی میں ہے کہ اہل اللہ کے یہاں جاؤ تاکہ کچھ مجاہدہ ہو، نفس مٹے، تم کو اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل ہو، مگر اس کو نہیں سُنتے۔

آج ہم عوام الناس کو دیکھتے ہیں کہ ہم لوگوں کو بہت بہت سہولتیں اور آرام پہنچاتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم کو کوئی دین کی بات بتلائیے۔ مگر ہم لوگ بتا کے نہیں دیتے اور بتاتے اس لئے نہیں کہ سیکھتے نہیں۔

سنو! جو آدمی جس درجہ کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا جاچکا ہے اور جو جیسا لکھا جاچکا ہے ویسا ہی ہوگا۔ محض بزرگوں کی ریس کرنے سے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے کچھ نہیں ہوگا۔

لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ آج اپنے بیوی بچوں کو تابع نہیں بنا سکتے اور ہم لوگوں کو تابع بنانے کے لئے تیار۔

میں کہتا ہوں کہ اپنی خواہشات کو اللہ اور رسول کے تابع کرو یہ تمھارے لئے مفید ہوگا۔ اسی طرح سے میں اپنی خواہشات کو اللہ و رسول کے تابع کردوں اس کو تو سنتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنی خواہشات کے تابع کریں۔

جب سمجھ لیتا ہوں کہ اس مزاج کے آدمی ہیں تو ایسوں سے کہتا ہوں کہ اچھا پھر کرو۔ حالانکہ میں بیچارہ کیا چیز ہوں۔ مگر ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ آؤ اچھی جگہ آئے ہو یا تو تمھیں مجھے اپنے تابع کرلو گے اور یا نہیں تو ہم ہی تم کو خدا اور رسول کی مرضی کے تابع بنادیں گے۔ اپنی خواہشات کو تابع کرنا یہ کہنے میں تو مختصر سا کلمہ ہے مگر کوئی جب اس کے

کرنے پر آئے تب معلوم ہو کہ بڑی مشکل چیز ہے۔ ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ مگر جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہی شامل ہو جائے۔ لہٰذا جو شخص جس درجہ کا ہے وہ اپنے درجہ کے مطابق کام کرے ــــــ یہی بات لوگوں سے کہتا ہوں کہ جتنا کرسکتے ہو کرو اور جو نہ کرسکتے ہو اُس میں نہ پڑو۔ کوئی اللہ کا بندہ ہوگا وہ آگے کا کام کردے گا۔ جب دیکھے گا کہ اب آگے یہ نہیں کرسکتے تو وہ کردے گا۔

آدمی کو کام بس اپنے درجہ کے مطابق کرنا چاہئے۔ اب یہ چاہے کہ جو کام اولیاء اللہ (یعنی اہل دل) کے کرنے کا ہے میں بھی وہی کرنے لگ جاؤں اور بغیر سیکھے اور حاصل کئے کرلوں تو یہ نہیں ہوسکتا۔

میں نے یہاں کے لوگوں سے کہا کہ کام صحیح طریقہ سے کرو۔ چنانچہ کام کرنے کا طریقہ بھی لوگوں کو بتلایا۔

اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جتنا مُرید پیر کو مانتا ہے اگر اُتنا ہی پیر مُرید کو ماننے لگے تو مُرید تو خُدا تک پہنچ ہی جائے۔ مُرید کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے لئے اپنا سارا وقت اور سارا معمول کھانا پینا، سونا جاگنا، راحت و آرام، سب صرف کردیتے ہیں۔ اب اگر ہم بھی ذراسی توجہ ان پر کردیں تو بس ان کا کام بن جائے۔ پیر کو اس کی فکر ہونی چاہئے کہ مُرید کا کیا حال ہے باطنی ترقی کر رہا ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو کیا امر مانع ہے اُس سے۔ اس کو نکالے اور راستہ کا روڑا صاف کرے یہاں توجہ سے یہی مُراد ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک مولوی صاحب تھے بڑے فاضل اور جیّد عالم تھے ایک مرتبہ حضرتؒ نے ان کا نام لے کر فرمایا کہ ہمارے مولوی ..... صاحب بولتے بہت ہیں پھر یہ فرمایا کہ انشاء اللہ اب نہ بولیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد ہم لوگوں نے دیکھا کہ وہ مولوی صاحب بالکل خاموش ہی ہوگئے اور ان کو نفع ہونا شروع ہوا اور وہاں سے کچھ پا ہی گئے۔ اس کے بعد کہتے تھے کہ اب بولنا بھی چاہتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے زبان پکڑ لی ہو۔

میں کہتا ہوں کہ زبان ہی نہیں بلکہ کسی نے دل کو پکڑ لیا تھا بعض کام آسان ہوتا ہے بعض مشکل ہوتا ہے ظاہری تعلیم آسان ہے اور باطنی تعلیم بڑی مشکل ہے۔ نفس کی خرابیاں

بہت دیر میں کھلتی ہیں اب نفس کی اصلاح کا حکم ہے اور یہاں نفس کی خرابیاں ہی نہیں معلوم ہوتیں اس لئے مشکل پڑتی ہے۔

ایک بزرگ ہمیشہ صف اولی میں نماز پڑھتے تھے ایک دفعہ کسی ضرورت کے سبب کچھ تاخیر ہوگئی جماعت تو ملی مگر دوسری صف میں جگہ پائی اس کی وجہ سے انھیں محسوس ہوا کہ میں لوگوں سے کچھ شرمندہ سا ہوں یعنی یہ کہ لوگ یہ کہیں گے کہ آج شیخ سے صفِ اولی رہ گئی (دیکھتے ہیں آپ ؟ مخلوق سے شرمائے خدا سے نہیں) اس سے انھوں نے سمجھا کہ اچھا میں نے اب تک جتنی نمازیں پڑھی ہیں کیا یہ سب مخلوق ہی کے لئے پڑھی ہیں یہ خیال کر کے ساری عمر کی نمازیں دُہرائیں کہ یہ سب مخلوق کے لئے تھیں خدا کے لئے نہ تھیں پھر اس کے بعد انھوں نے کیسی کچھ نیت باندھی ہوگی —— یہ اس پر کہہ رہا ہوں کہ بہت بہت دنوں کے بعد سمجھ میں آتا ہے اور نفس کا کید ظاہر ہوتا ہے۔

اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں کہ ؎

توان شناخت بیک روز در شمائل مرد که تا کجاست رسیداست پایگاہ علوم

ولے ز باطنش ایمن مباش وغرہ مشو کہ خبث نفس نہ گردد بسالہا معلوم

یعنی ایک روز میں آدمی کی خصلت اور طبیعت کو معلوم کر سکتے ہیں کہ کہاں تک اپنے علم میں پہنچا ہوا ہے لیکن اس کے باطن سے مطمئن نہ ہو اور دھوکہ میں نہ پڑو اس لئے کہ اس کے نفس کی خباثت برسوں میں نہیں معلوم ہو سکتی۔

اب یہ عوام چاہتے ہیں کہ ہم بھی ویسا ہی کام کرلیں جیسا بزرگان دین سے ہوا ہے تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اگر کہیں یہ لوگ کسی کو پاجائیں تو اس سے یہ فرمائش کریں کہ ہمارے یہاں چلو۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو ایک تکلیف ہوگئی تھی شدت تکلیف کی وجہ سے حضرت بیہوش ہو ہو جاتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک جوگی تھا جو مرض کو سلب کرلیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت پر سخت دورہ پڑا مریدوں نے چاہا کہ اسی جوگی کے پاس لے جائیں راستے میں حضرت کو ہوش آگیا فرمایا کہاں لے جا رہے ہو۔ عرض کیا گیا کہ فلاں جوگی کے یہاں ارشاد فرمایا کہ نہیں واپس چلو لوگ واپس لائے دوسری بار پھر دورہ پڑا اور پہلے سے زیادہ شدید پڑا پھر لوگوں نے رائے کی کہ جوگی کے ہی پاس لے چلنا چاہئے۔ حضرت کو

تکلیف سخت ہے۔ چنانچہ اس دفعہ جوگی کے پاس لے کر پہنچ گئے اور اس نے مرض سلب کیا اور حضرت اُٹھ کر بیٹھ گئے اس کے بعد جوگی سے حضرت نے پوچھا کہ بتاؤ تمھیں یہ کمال کس طرح سے حاصل ہوا اس نے کہا کہ ہمارے گرو کی ہدایت تھی کہ نفس کی مخالفت کرنا۔ چنانچہ اسی پر میں نے عمل کیا جس کی وجہ سے یہ کمال مجھے حاصل ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تمھارا نفس اسلام لانے کو بھی پسند کرتا ہے یا نہیں اس سوال سے وہ بہت گھبرایا کیونکہ ایک کافر یہ کیسے کہے کہ میں اسلام کو پسند کرتا ہوں۔ اس لئے اُس نے کہا کہ نہیں میں نہیں پسند کرتا حضرت نے فرمایا کہ تمھارے گرو نے جو یہ بتایا تھا کہ نفس کی مخالفت کرنا تو آیا یہ بھی اس میں داخل ہے یا نہیں؟ جوگی یہ سُن کر سٹ پٹا گیا۔ مگر چونکہ اصول کا پکّا تھا اس لئے اقرار کر لیا کہ ہاں بیشک داخل ہے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر جب ایمان دل میں آگیا تو حضرت کو دیکھا کہ کہیں اونچے مرتبے پر فائز ہیں اور مؤدب بیٹھ گیا۔ تمام دہلی میں شہرت ہو گئی کہ حضرت نے جوگی کو لے لیا اور اتنے بڑے کافر کو مسلمان کر لیا تو دہلی میں اور لوگ بھی تھے مگر اس سے چھوٹے کو بھی مسلمان نہ کر سکے لیکن حضرت سے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا کام لے لیا۔

اسی کو میں کہہ رہا تھا کہ کام کے مختلف درجات ہیں۔ جو جس درجہ کا ہوتا ہے وہی وہ کام کر سکتا ہے اور کوئی چھوٹے درجے والا یہ چاہے کہ بڑے درجے والوں کا سا کام کرے تو یہ نہیں ہو سکتا۔

انھیں حضرت نظام الدین اولیاؒ کے یہاں امیر و غریب سب لوگ جاتے تھے۔ حضرت کی مجلس میں پیچھے ایک شخص نے کہا کہ حضرت کے ولی ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے لیکن ہمارے شقی ہونے میں بھی کلام نہیں ہے۔ دین کے اور مراتب تو ہم کو کیا ملتے ہم سے تو گُناہ تک نہ چھوٹ سکے۔ انھوں نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر اس کے بعد سے اُن کی حالت بدلنی شروع ہو گئی۔ چنانچہ خود کہتے تھے کہ حضرت نے مجھے ایسا کھینچا کہ اب اگر ہم گُناہ کرنا چاہتے بھی ہیں تو نہیں کر سکتے۔ حضرت نے توجہ فرمائی ہو گی جس سے قلب کی حالت بدل گئی۔

کام طریقے سے ہی کرنا چاہیئے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک خطہ کو لے لو اور وہاں معتد بہ اصلاح کر دو کچھ دنوں وہاں کام کر کے ایک جماعت بنا لو تب آگے جاؤ تاکہ تمھاری عدم موجودگی میں یہ لوگ جنھوں نے تم سے کام سیکھا ہے اس کو باقی رکھ سکیں اور ترقی

دے سکیں۔ یہ نہیں کہ دو دن کے لئے کہیں گئے لوگوں کو شوق ہوا آئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو دوسری جگہ چلے گئے فساد کے زمانہ میں مشائخ نے بہت کام کیا ہے اور جہاں کام کیا ہے جم کر کیا ہے اور ٹھوس کام کیا ہے یہ نہیں کیا ہے کہ "آدھا وعظ کہا اور کہا کہ آدھا کل" پھر جب کل بقیہ آدھا کہا تو لوگ پہلا آدھا بھول گئے۔ ایسا مستحکم کام کرو کہ جب دوسری بار آؤ تو کام بگڑے نہیں اور اس کے آگے کام کرنا آسان ہو۔

میں ایک جگہ تھا یہی وقت تھا وعظ و نصیحت کر رہا تھا اور جیسا کہ میرا طریقہ ہے کہ قرآن و حدیث سنا رہا تھا ایک عالم صاحب تشریف لائے اور مجلس میں کنارے بیٹھ گئے میں نے ان کو دیکھا لیکن بیان کے درمیان کچھ بولنا مناسب نہ سمجھا۔ بعد میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ کیا بات ہے؟ اس زمانہ میں کام تو پہلے سے زیادہ ہو رہا ہے مگر فائدہ اتنا نہیں ہو رہا ہے میں نے خیال کیا کہ جب انھوں نے چھیڑا ہے اور سوال کیا ہے تب جواب دینا چاہئے۔ میں نے کہا کہ خلوص نہ ہونے کی وجہ سے" کہنے لگے کہ ہاں یہ سچ کہتے ہو۔ اس زمانہ میں اسباب ہدایت پہلے سے بہت زیادہ ہیں" مگر کام نہیں ہو رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب کام کرنے والوں میں خلوص نہیں ہوگا تو کام کیسے ہوگا ——— بزرگوں نے جو کام کیا ہے وہ خلوص ہی کی وجہ سے کیا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ کام کرتے رہو لوگ متوجہ ہو جائیں گے۔ میں تھا اور مولانا عبدالغنی صاحب تھے۔ حضرت نے یہ نصیحت فرمائی۔ مقصد یہ تھا کہ اصل چیز کام اور اخلاص ہے۔

آدمی جب کام کرتا ہے اور اخلاص سے کرتا ہے تو لوگ اس کی جانب متوجہ ہو ہی جاتے ہیں۔ چنانچہ جن بزرگوں نے کام کیا ہے مسلمانوں نے اُن کو بہت مانا ہے۔ یہاں تک کہ جہاں ان کا پسینہ گرا ہے لوگوں نے اپنا خون بہایا ہے یہ اسی لئے کہ انھوں نے بھی انتہائی خلوص و محبت کے ساتھ انھیں بتایا ہے اور ایسا بتایا ہے کہ اللہ اور رسول کا عاشق بنا دیا ہے اب لوگ مجھ سے آکر کہتے ہیں کہ اثر نہیں ہوتا۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ اثر ہوتا ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت قبر سے فیض ہوتا ہے؟ حضرت نے دریافت فرمایا کہ فیض لینے والا کون ہے؟ کہا کہ مثلاً میں" فرمایا کہ نہیں ہوتا"

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ یہ کہدیتے کہ مثلاً آپ تو حضرت فرما دیتے "کہ ہاں ہوتا ہے"
——— اسی طرح یہ جو کہتے ہیں کہ نفع نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ دینی کام کرنے والا کون ہے؟ اگر کہتے ہیں کہ جلسے میں" تو کہتا ہوں کہ ہاں ٹھیک کہتے ہو اثر نہیں ہوگا اور اگر کسی کامل کا نام لے دیں تو کہوں گا کہ اثر ضرور ہوگا۔ مطلب میرا یہ ہے کہ کام کا ہونا تو کام کرنے والے کے تابع ہے جیسا اُس کا اخلاص ہوگا ویسا ہی کام ہوگا اور خلوص چھپتا نہیں ہے یوں وہ باطنی چیز ہے اور اس کی صحیح حقیقت تو قیامت ہی میں معلوم ہوگی یہ صحیح ہے" مگر اس کا کچھ نہ کچھ سُراغ یہاں دُنیا میں بھی لگ ہی جاتا ہے۔

ہندوستان میں لوگوں نے بڑا کام کیا ہے۔ علماء ظاہر نے بھی کیا ہے اور مشائخ باطن نے بھی کام کیا ہے۔ یہ مولوی فاروق صاحب بیٹھے ہیں الٰہ آباد سے آئے ہیں ایک دفعہ میں ان کے یہاں دیہات گیا ہوا تھا ایک دن انھوں نے کہا کہ آؤ ذرا اِدھر اُدھر دکھاویں۔

چنانچہ قریب ہی ایک گاؤں میں گئے دیکھا تو ایک نہایت عمدہ شاندار مسجد ہے اور ایک مقبرہ اور پختہ خانقاہ ہے" میں نے کہا" یہاں اس دیہات میں ایسی عمدہ مسجد کیسی؟ انھوں نے بتایا کہ اس کی ایک تاریخ ہے وہ یہ کہ ان بزرگ کے یہاں ایک پٹواری لکھنؤ سے آیا تھا اس نے ان بزرگ سے جن کا یہ مقبرہ ہے اپنے لئے دُعا کرائی۔ اُن بزرگ نے اپنا قلمدان اس کی طرف بڑھا دیا جس سے اشارہ اس طرف تھا کہ تمھیں قلمدان وزارت دیتا ہوں۔ تم وزیر ہو جاؤ گے۔ چنانچہ وہ وزیر ہو گیا اور مسجد اور مقبرہ بنوایا۔

اس طرح سے مشائخ نے لوگوں کو دُنیا بھی دی ہے۔ اور دین و ایمان جو یہ حضرات دیتے ہیں اس کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اب بزرگی لینا چاہتے ہو تو کچھ کام کرو۔ بزرگی اچھی چیز تو ہے مگر اُس کے لئے یہ بھی جانتے ہو کہ کیا کرنا پڑتا ہے۔ ؎

خونِ دل پینے کو لختِ جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

کچھ کر کے تمنا کرو تو خیر ایک بات بھی ہے باقی کرنا ورنا خاک نہیں اور بڑے بڑے مراتب چاہنا یہ تو کچھ بھی نہیں۔

ایک شخص لاہور میں تھا کہتا پھرتا تھا کہ میں لاہور کو اُلٹ دوں گا عام طور سے لوگ اس کو دیوانہ سمجھ کر اس کی بات کی طرف التفات تک نہ کرتے تھے۔ ایک بزرگ کو خیال ہوا کہ لاؤ اس کو دیکھوں تو سہی کہ یہ کچھ ہے بھی یا یوں ہی بک رہا ہے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں ہے پھر کہا کہ لاؤ دیکھوں کہ اس کا پیر کیسا ہے؟ چنانچہ دیکھا " تو وہ تھے" بس سمجھ گئے کہ یہ اسی کے بھروسہ پر ایسا کہہ رہا ہے تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی ایک کام کو خود نہیں کر سکتا لیکن اپنے بڑوں کے سہارے کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان بزرگ کی برکت سے اس سے کرا دیتے ہیں۔

کچھ سمجھو گے بھی کہ زمانہ کدھر جا رہا ہے؟ لوگ دُنیا میں کیسی کیسی ترقی کر رہے ہیں اور تم دین میں جہاں تھے وہیں ہو۔

میں نے مسلمانوں کو کبھی بُرا نہیں سمجھا اور نہ اب سمجھتا ہوں دیکھ رہا ہوں کہ ان میں دینی حرکت پیدا ہو رہی ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اگر ان کے اندر حقیقی دین دیکھنا چاہتے ہو تو طریقہ سے کام کرو۔ انھیں سکھاؤ بتاؤ تب تو کام ہوگا یا یوں ہی خود بخود ہو جائے گا؟ اور سکھانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود کسی سے سیکھو۔

اس سیکھنے سکھانے پر ایک واقعہ یاد آیا سُنئے!

ایک بزرگ تھے جو بہت بڑے عالم بھی تھے ایک امیر کبیر لڑکا بھی ان سے پڑھتا تھا ایک دن حسب معمول پڑھنے کے لئے آیا تو اُستاد کے چہرے پر کچھ نقاہت کے آثار محسوس کیا اُن سے کہا کہ حضرت آج سبق کو جی نہیں چاہتا یہ کہہ کر سیدھا اپنے مکان گیا اور وہاں سے بہت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر خوان میں رکھ کر خود اپنے سر پر لایا اور لاکر اس کو اُستاد کے سامنے رکھ دیا وہ ہنسے اور فرمایا کہ ضرورت کے وقت آیا مگر ہم نہیں کھائیں گے اس لئے کہ جو چیز اشراف نفس کے ساتھ آئے وہ حرام ہے اور جس وقت تم یہاں سے واپس گئے تھے مجھے بھی یہ خیال ہوا تھا کہ تم کھانا لینے جا رہے ہو پس چونکہ یہ انتظار کے ساتھ آیا اس لئے اس کو لے جاؤ اُس لڑکے نے اس پر اصرار بھی نہیں کیا اور اُن کے سامنے سے سینی اُٹھا کر واپس چلا گیا اور جب ان کی نظروں سے غائب ہو گیا پھر واپس آیا اور عرض کیا کہ حضرت اب تو اشراف نہیں رہا؛ اب قبول فرمالیجئے۔ شاگرد کی ذہانت پر وہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور

اس کو بہت دعائیں دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کھلانا چاہتا ہے وہ طریقہ بھی جانتا ہے چنانچہ ان طالبعلم نے ایسا ہی طریقہ اختیار کیا آخر تھے تو انھیں کے شاگرد، انھیں سے سیکھا تھا اور انھوں نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ فہم و عقل سکھلایا ہوگا اسی کا یہ نتیجہ اور ثمرہ تھا جو ایسی عقلمندی کا کام انھوں نے کیا کہ ایسی صورت سے کھانے کو پھر لاکر استاذ کی خدمت میں پیش کیا کہ وہ اشراف نفس سے بھی محفوظ رہے اور کھانا بھی کھا لیا۔ واقعی عقل و فہم بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو ان کو اپنے استاذ کی صحبت اور تربیت سے حاصل ہوئی تھی۔

لہٰذا تربیت اور اصلاح کا طریقہ بھی بغیر کسی صحیح الفکر اور صحیح الحواس عالم ربانی اور اہل اللہ سے سیکھے ہوئے نہیں آئے گا اس کو سمجھئے اور کام طریقہ سے کیجئے۔

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائے۔ مرتب)
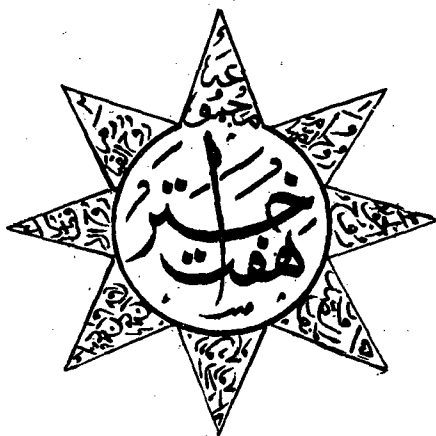
ملفوظ

از افاضات

مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملفوظ طریق کار

فرمایا کہ میں نے بمبئی کا سفر صحت کے لئے اختیار کیا ہے۔ اطبا کے مشورہ سے آیندہ کے لئے کہیں آنے جانے کا خیال قبل از وقت نہیں کر سکتا ہوں جیسا کہ بعض احباب کا مشورہ ہے اور یہی میرے سفر کے متعلق رائے بعض احباب کی معلوم ہوئی۔ آیندہ کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا اور جو ہوا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیوں ہوا۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

ہر جگہ اہل علم اہل حق حضرات تشریف رکھتے ہیں وہ مقامی ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں ان کو کام کرنا چاہئے اور ماشاء اللہ کام کر ہی رہے ہیں۔ میں نے کبھی کسی کام میں اقدام نہیں کیا اور نہ کروں گا۔ بہت سوچ سمجھ کر مشورہ کے بعد کام کیا جاتا ہے اب یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جو کام بھی کرتا ہوں دیانت ہی سے کرتا ہوں تاہم اتنا ضرور ہے کہ بدوں مشورہ کوئی کام نہیں کرتا بہت سوچ سمجھ کر ہی قدم اُٹھاتا ہوں۔

ایک صاحب نے ایک خط میں یہ لکھا تھا کہ

ماشاء اللہ معرفت حق۔ خوب ہی خوب حق کی معرفت کا حق ادا کرتا رہتا ہے اس طرح مکانی قرب کی سعادت سے محرومی کے باوجود تعلیمی فیوض و برکات اس سے بہت زیادہ نصیب ہوتے رہتے ہیں۔ جتنا کبھی کبھی حاضری سے ہوتے تھے پھر بھی حاضری سے مستقل محرومی کا خیال باعثِ قلق و ملال ہی رہتا ہے۔

اور یہ بھی لکھا تھا کہ

تازہ معرفت حق میں ایجادات کی حیثیت وحقیقت کے تحت افادات پڑھ کر بار بار دل و زبان سے بے ساختہ ماشاء اللہ اور سبحان اللہ نکلتا تھا اس سلسلہ میں حضرت کی زبان حق ترجمان سے تو حق تعالیٰ نے ایسی حقیقت کو واضح فرمایا کہ شاید ہی اکابر وقت

ین سے کسی کو التفات ہوا ہو۔

مجھ کو بہت خوشی ہوئی کہ اس رسالہ سے فوائد پہنچ رہے ہیں اور اہل طلب اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جو حضرات دور ہیں ان کو بھی اس سے بُعد مکانی کے باوجود معرفت حق کا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ الیواقیت سے اس کے مناسب اور اسی کی تائید کیلئے لکھتا ہوں۔ لمبی عبارت ہے[ع]۔ آخر میں یہ عبارت ہے۔

فَنَابَتْ عَنْھُمْ رسائلھم بعد موتھم فی نصح المریدین۔ اس میں ان کے رسائل کو ان کا نائب قرار دیا ہے اس طرح ان کے فیوض کو عام کیا جا سکتا ہے کہ رسائل اور کُتُب سے شغف حاصل کیا جائے اور ان کا مطالعہ سمجھ کر کیا جائے۔

ع۔ از ناقل۔ یہ عبارت اسی مضمون میں آگے بھی آئی ہے لیکن ہم ناظرین کے افادہ کے لئے یہاں بھی درج کرتے ہیں کہ

فکذٰلک العارفون لھم اجر نیتھم وقصدھم الصالح من نفع المریدین بما وضعوہ من الحقائق الکاشفۃ لمشکلات علم التوحید وامراض القلوب ومن فوائد تدوینھم تلقیح قلوب الناظرین فی رسائلھم من بعدھم فیںتطفروا من تلک المعانی ما یرقیھم و یبعث سحائب الرحمۃ علیٰ قلوبھم و علی السنتھم فتشرق ارض قلوبھم بنور رشدھم وتحیا باثر ھدایتھم فنابت عنھم رسائلھم بعد موتھم فی نصح المریدین وکان تدوین معارفھم واسرارھم من احق الحقوق علیھم لکون غیرھم لا یقوم مقامھم فی تدوین دواء امراض القلوب وآداب حضرات الحق تعالیٰ

(ترجمہ) اسی طرح سے عارفین بھی ہیں کہ ان کو انکی نیتوں کا اجر اور ان کے قصد صالح کا ثواب ملے گا اور وہ یہ کہ طالبین کو ان کی بیان کردہ حقائق سے نفع پہنچے گا جو کہ علم توحید اور امراض قلوب کی مشکلات کو کشف کرنے والی ہیں اور ان کی تدوین کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے بعد جو لوگ ان کے رسائل کو دیکھیں تو ان کے قلوب ان مضامین سے بھر جائیں جو ان رسائل میں ہیں۔ پس اُن معنی کے سبب وہ ترقی کر سکیں اور رحمت کے بادل ان کے قلوب اور زبان پر آ تھمیں اور ان کے قلوب کی زمین ان کے رشد کے نور سے منور ہو جائے اور ان کے ہدایت کے اثر سے زندہ ہو جائیں پس ان کے رسائل ان کی وفات کے بعد ان کی نیابت کریں اور اپنے اپنے معارف اور اسرار کی تدوین ان کے ذمہ سارے حقوق سے بڑھ کر لازم اور ضروری تھی اس لئے کہ ان کا غیر امراض قلوب کی دوا بیان کرنے میں اور جملہ امور مشروعہ میں حق تعالیٰ کے

یہ بھی سُن لیجئے کہ بغیر ضرورت کہیں جاتا نہیں اور بدوں احباب ذی ذہانت کے مشورہ کے گھر کے باہر قدم نہیں نکالتا۔ میں اس کو خوب جانتا ہوں کہ زمانہ نہایت پُرآشوب ہے کہیں کا اور کسی وقت کا اعتبار نہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں کس وقت کیا ہو جائے لیکن ضرورت ہی کی بنا پر گذشتہ دنوں ایسی بیماری کی حالت میں بمبئی آیا کہ اُن حالات میں سفر کرنا کسی طرح مناسب نہ تھا مگر بات یہ ہوئی کہ میرے داماد کا آپریشن ہوا تھا اور قاری مُبین صاحب یہاں تنہا تھے اور پریشان ہو رہے تھے اس لئے میں نے آنا ضروری سمجھا چنانچہ میں آیا۔

علاوہ اس کے اور جہاں بھی گیا بدوں اچھی طرح حالات کا جائزہ لئے ہوئے نہیں گیا چنانچہ بمبئی کا سفر بھی ضرورت سے ہی ہوا اور احباب کے مشورہ سے ہوا اب دوسرے حضرات کو اس کا کیا علم۔ اگر اعتقاد ہے تو سمجھنا چاہیئے۔

چنانچہ حضرت زکریا مُلتانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مشہور ہی ہے کہ جب آپ مُلتان تشریف لائے تو وہاں کے مشائخ نے بالاتفاق رائے آپ کی خدمت میں ایک پیالہ دُودھ سے لبریز بھیجا حضرت زکریا مُلتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔

حاضرین کو تعجب ہوا کہ آج دودھ پینے کو ملتا لیکن حضرت نے اس کو واپس فرما دیا۔ میں کہتا ہوں کہ آدمی پیر کے پاس رہے بھی تو دودھ پینے کے لئے اور کھانا کھانے کے لئے اور اس سے دین سیکھنے کے لئے نہیں یہ کیسا ہے ایسا پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے بہرحال کسی مُرید نے ہمت کر کے پوچھا کہ حضرت یہ کیا قصہ تھا بات کچھ سمجھ میں آئی نہیں۔ فرمایا کہ یہاں کے مشائخ نے لسان اشارت میں مجھ سے یہ کہا تھا کہ یہاں کی اقلیم ایسی ہی پُر ہے جیسے یہ پیالہ دودھ سے لبریز ہے اس لئے یہاں آپ کی گنجائش نہیں ہے۔ تو میں نے بھی اس پر پھول رکھ کر اشارت ہی میں اس کا جواب

---

* فی جمیع الامور المشروعۃ فان لکل مقام حضور اٰداباً یخصّہٗ۔

(الیواقیت جلد ۱ صفحہ ۲۲)

آداب بیان کرتے ہیں ان کی تمام مقامی نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ ہر ایک کو حق تعالیٰ کی نسبت اور آداب میں ایک خاص مقام حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ (ناقل)

یہ دیا کہ جس طرح اس کٹورے میں پانی اور دودھ کی بیشک گنجائش نہیں ہے لیکن پھول کی گنجائش اب بھی ہے اسی طرح میں بھی آپ حضرات کے درمیان مانند پھول کے رہوں گا یعنی میرے یہاں کے قیام سے آپ کی عزت و احترام میں ذرا بھی ٹھیس نہ لگے گی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ سارے مشائخ نے حضرت کے اس لطافت جواب کو پسند کیا اور آپ کے معتقد ہو گئے۔

دیکھئے حضرت زکریا ملتانیؒ کے قیام پر لوگوں کا اشکال ہوا مگر وہ بڑے شخص تھے کس خوبی کے ساتھ سب کو مطمئن کر دیا لیکن سب لوگ ایک مزاج ایک ذوق کے نہیں ہوتے کبھی لوگوں کے منوانے کے لئے دوسرا طریقہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک بزرگ کسی بستی میں تشریف لے گئے بستی کے لوگ اُن سے ملنے کے لئے آئے ایک صاحب مل کر واپس آرہے تھے کہ اُن کی ملاقات دوسرے شخص سے ہوئی جو اُن بزرگ سے ملنے جارہا تھا اُس آنے والے نے اس سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو اُس نے بتایا کہ سُنا ہے کہ یہاں کوئی بزرگ آئے ہیں اُن سے ملنے جارہا ہوں اُس نے کہا چلو واپس چلو میں وہیں سے آرہا ہوں وہ بزرگ نہیں ہیں وہ تو اپنے آپ کو فقیر حقیر سراپا تقصیر کہتے ہیں یہ شخص سمجھ گیا۔ کہا کچھ بھی ہو ہم تو ان سے ملاقات کریں گے یہ کہہ کر چل دیا جا کر اُن بزرگ سے ملاقات کی اور تنہائی میں کہا کہ حضرت آپ یہاں کام کرنے کے لئے آئے ہیں نا۔ تو یہ سمجھ لیجئے کہ یہ دوسرے قسم کے لوگ ہیں نہایت سخت ہیں ان کے سامنے تواضع کی باتیں حقیر، فقیر وغیرہ مت کہئے آپکے معتقد ہی نہ ہوں گے تو فیض کیا حاصل کریں گے ان سے تو آپ یہ کہئے کہ میں خدا کی طرف سے بھیجا ہوا تمھارے یہاں آیا ہوں تمھیں اصلاح کرنی ہوگی۔

دیکھا آپ نے یہ بھی ایک طریقہ ہے آپ لوگوں کو تو اس کو سمجھنا ہی چاہئے کہ ہر جگہ اصول و قواعد ہیں اسکول اور کالجوں میں اُصول ہے دفتر اور کچہریوں میں اصول ہے لیکن ہمیں سے یہ بے اصولی کیوں اور ہمارا یہ کہنا بداخلاقی کیوں ہے بات یہ ہے کہ مشائخ سے جیسا اعتقاد ہونا چاہئے ویسی عقیدت لوگوں کی ہوتی نہیں اسی لئے بزرگوں کے فیض سے محروم رہتے ہیں ورنہ تو خدا کے خاص بندے ہر زمانہ میں رہتے ہیں مگر یا تو لوگ ان تک نہ پہنچنے کی وجہ سے محروم رہتے ہیں یا

ہاگر پہنچ بھی گئے تو ادب و عقیدت کی کمی کی وجہ سے محروم رہتے ہیں لوگوں میں تصنّع و بناوٹ زیادہ آگئی ہے اور حقیقت رُخصت ہوگئی ہے آج ہی ایک صاحب نے ایک واقعہ سُنایا کہ مدراس سے کسی نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ یہاں تشریف لے آیئے یہاں ہزاروں ہزار آدمی آپ کے لئے تڑپ رہے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب تحریر فرمایا کہ یہ خوب محبت ہے کہ وہاں تو ہزاروں ہزار تڑپ رہے ہیں اور یہاں اُن میں سے دس بیس بھی نہیں آتے یہ سب کچھ نہیں بس اپنی مجلس کو رونق دینے کے لئے اور جلسوں میں گرمی پیدا کرنے کے لئے مجھے بُلانا چاہتے ہیں میں نہیں آؤں گا۔ بزرگوں سے جو نفع ہوتا ہے تو اعتقاد کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی چیز مشکل ہے ہر زمانہ میں مشائخ کو لوگوں نے اعتراض کا نشانہ بنایا ہے چنانچہ دہلی میں ایک بزرگ پر لوگوں کو اعتراض تھا بادشاہ کو بھی رہا ہوگا لوگوں نے ان بزرگ سے مطالبہ کیا کہ آپ اس فعل کی وجہ بیان کیجئے انھوں نے کہا کہ بہت اچھا کل مجمع عام میں بادشاہ کے رُوبرو اِس مسئلہ پر گفتگو کر لی جائے۔

مناظرہ کا وقت مقرر ہوگیا حَکَم کا سوال ہوا تو اُن بزرگ نے فرمایا کہ حَکَم اس کے زکریا مُلتانی ہوں گے لوگوں نے کہا کہ زکریا مُلتانی یہاں کہاں مُلتان سے تو دہلی بہت دور ہے فرمایا کہ وہ آجائیں گے۔ دوسرے دن سب لوگ جمع ہوئے یہ بزرگ بھی آئے اور سب سے پیچھے جوتوں میں بیٹھ گئے لوگوں نے کہا کہ حضرت آگے تشریف لائیے فرمایا کہ نہیں اس وقت میں مجرم کے خانہ میں ہوں مجھ پر اس وقت فردِ جرم لگی ہوئی ہے اس لئے میری جگہ یہی ہے سب لوگ بیٹھے ہی تھے کہ حضرت زکریا مُلتانی رحمۃ اللہ علیہ آگئے (باطنی طور پر خبر بھیج دی ہوگی کہ ہم پر مقدمہ قائم ہے آکر فیصلہ فرمایئے) اور آتے ہی ان بزرگ کا جوتہ لے کر اپنے سینے سے لگایا اور سر پر رکھ لیا۔ اب جو لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تو سٹ پٹا گئے کیونکہ حضرت زکریا مُلتانی رح کی شہرت عام تھی اور وقت کے مُسلّم بزرگ تھے لوگوں نے دیکھا کہ جب یہ ان کی اتنی تعظیم فرما رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرتبہ میں ان سے بھی بڑے ہیں۔ سب کے سب بہت نادم ہوئے اور مناظرہ ختم ہوگیا۔

تو دیکھئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو کسی بزرگ کی معرفت نہیں ہوتی وہ سمجھتا کچھ ہے اور وہ ہوتے ہیں کچھ۔ اسی طرح ایک اور بزرگ سماع سُنتے تھے علماء کو

ان پہ اعتراض تھا اور اعتراض اس جہت سے تھا کہ ان کے ڈاڑھی نہیں تھی اور مشائخ فرماتے ہیں کہ سماع کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس مجلس میں کوئی امرد نہ ہو چنانچہ لوگوں نے اس کو ان سے کہا فرمایا کہ بس آپ لوگوں کو یہی اعتراض ہے اچھا تو پھر لیجئے یہ کہہ کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرا۔ چہرہ پر اچھی خاصی ڈاڑھی ہوگئی۔ سارے معترض شرمندہ ہوگئے یہ اس پہ کہہ رہا ہوں کہ بزرگوں پر اعتراض کی عادت اچھی نہیں ہے کیونکہ اسی طرح اعتراض کرتے رہوگے اور اگر کوئی شخص بالفرض ہوا اور آپ نے حسب عادت اس پہ بھی اعتراض کر دیا تو مشکل میں پڑ جائیے گا کیونکہ اس کا (ولایت و بزرگی) کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے اور قیامت تک اللہ کے مقبول بندے دنیا میں موجود رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اُمت محمدیہ کی مثال بارش کی سی ہے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا اوّل خیر ہے۔ یا آخر خیر ہے اس لئے بزرگوں کے معاملے میں سوچ سمجھ کر کوئی کام کرنا چاہئے اور انکار یا اعتراض تو کرنا ہی نہیں چاہئے۔ ایک بزرگ کے یہاں کوئی صاحب گئے کسی برتن پر نظر پڑی اس سے یہ صاحب یہ سمجھے کہ یہ بزرگ شراب کا استعمال کرتے ہیں یہ رائے قائم کر کے وہاں سے چل دئے اور مسجد جا کر قیام کیا نہانے کی ضرورت پیش آ گئی اب مٹکے میں جو جا کر دیکھتے ہیں تو بجائے پانی کے شراب بھری ہے دوسری مسجد میں غسل کرنے کے لئے گئے تو وہاں بھی حوض میں شراب بھری ہوئی ہے بھاگے ہوئے دریا پر گئے وہاں پر بھی یہی دیکھا سمجھ گئے کہ یہ ان بزرگ کا تصرف ہے اور میری بے ادبی کی سزا دی گئی ہے لہٰذا فوراً چل کر معافی مانگنا چاہئے ورنہ ساری عمر اسی طرح ناپاک رہ جاؤں گا چنانچہ آئے اور قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ حضرت بے ادبی معاف فرما دی جائے طریق میں ادب ہی تو اصل چیز ہے جس کو جو کچھ ملا ہے ادب سے ملا ہے اس لئے بزرگوں کا ادب کرنا چاہئے یہ حضرات خود بھی باادب ہوتے ہیں شریعت کا ادب اور حق تعالیٰ کا ادب ان سے زیادہ کون کر سکتا ہے یہی حضرات خادمان دین ہوتے ہیں ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ حضرت جلال الدینؒ پانی پتی کبیر الاولیا بڑے ہی صاحب جلال بزرگ تھے ایک مرتبہ اُن کی لبیں بڑھی ہوئی تھیں مگر رُعب کی وجہ سے کوئی اسے کاٹنے کی ہمت نہ کرتا تھا اور نہ حضرت سے ہی کہہ سکتا تھا۔ قاضی ضیاء الدین سنانی نے ہمت کی اور ایک ہاتھ سے حضرت کی ریش پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے قینچی لے کر لب کتر دی اس کے بعد

سے حضرت کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کر بوسہ دیتے اور فرماتے تھے کہ یہ ایک بار شریعت محمدی کے راستے میں پکڑی گئی ہے اسی طرح ایک اور بزرگ کا قصہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ان سے کسی خاص حالت میں کوئی کلمہ خلاف شرع صادر ہوگیا جب وہ حالت ختم ہوگئی تو مریدوں نے عرض کیا کہ حضرت نے ابھی ایسا ایسا کہا ہے فرمایا کہ اچھا میں نے کہا ہے پھر اس کے بعد ٹھنڈے پانی میں ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر یہی کہتے رہے کہ شریعت محمدی دائم و قائم شریعت محمدی دائم و قائم یہاں تک کہ سردی کی وجہ سے پاؤں پھٹ کر لہو لہان ہوگئے بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ تمہاری توبہ قبول ہوگئی جب اس کو چھوڑا۔ یہ واقعات اس پر سنا رہا ہوں کہ آپ ہمیں کیا پابند کرتے ہیں جتنا پابند آپ کرنا چاہتے ہیں اس سے کہیں زیادہ پابند ان حضرات نے اپنے کو کر رکھا ہے فرق یہ ہے کہ ان کا خود کو پابند کرنا اللہ تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے ہے اور اتباع سنت و شریعت کی وجہ سے ہے اور آپ کا ان کو پابند بنانا کمی عقیدت کے سبب سے ہے اور قلت ادب و احترام کی بنا پر ہے۔

بزرگوں سے فیض حاصل کرنا چاہتے ہو تو پہلے اعتقاد درست کرو تب تلاش کرو کوئی اللہ کا بندہ مل ہی جاوے گا ورنہ اگر ان کا ادب اور ان کے ساتھ اعتقاد ہی نہ ہوا تو کوئی ملا ہوا بھی ہوگا تو گویا نہیں ملا ہے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے۔ اس کے ثمرات میں سے توکل ہی تو اصل چیز ہے اب اس میں ان کو اپنے سے بھی کم سمجھنا کیا یہی عقیدت ہے عام لوگوں سے اگر پوچھا جائے کہ تمھیں روزی کون دیتا ہے تو یہی کہیں گے کہ خدا دیتا ہے اور ہمارے متعلق یہ خیال کہ لوگ دیتے ہیں۔ مشائخ کے متعلق یہ بدگمانی کہ انھیں توکل کا وہ درجہ بھی حاصل نہیں ہے جو عوام الناس کو حاصل ہوتا ہے کیا اسی کا نام عقیدت ہے۔ ایک بزرگ دہلی میں آکر ٹھہرے کئی وقت کے فاقہ کے بعد ایک شخص نے گرم گرم بریانی قاب میں لاکر پیش کی خوب سیر ہوکر کھایا کچھ بچ رہی خیال کیا کہ اس کو اٹھا کر رکھ دیں کہ دوسرے وقت کھائیں گے یہ سوچ کر قاب کو طاق پر رکھنا ہی چاہتے تھے کہ پھر یہ خیال ہوا کہ اٹھا کر رکھنا توکل کے خلاف ہے جس خدا نے اس وقت دیا ہے دوسرے وقت بھی دے گا۔ یہ کہہ کر نیچے اترے کہ کسی فقیر کو دے دیں سیڑھیوں پر ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی اس نے انھیں دیکھ کر کہا خوب سمجھا بے سالے خوب سمجھا ٹھہر چکی تھی

کہ اگر قاب کو طاق میں ٹیک دے تو بھوکا مار دیا جائے۔" دیکھا آپ نے یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ آجاتا ہے۔ اور اس کے متعلق ایک حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ من جعل همه هماً واحداً هم الآخرة جعل الله غناءه فی قلبه وجمع شمله واتته الدنیا وهی راغمة ومن همه همّ الدنیا جعل فقره بین عینیه وشتت امره ولا یاتیه الا ما کتب له او کما قال۔

یعنی جس شخص نے اپنا سارا غم ایک غم کو بنا لیا اور وہ غم آخرت ہے تو اللہ اُس کے قلب میں غنا ڈال دے گا اور اس کی پراگندگیوں کو مجتمع فرما دے گا اور دُنیا اس کے پاس ناک رگڑتی ہوئی آئے گی اور جس شخص نے اپنا سارا غم غم دُنیا کو بنا لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے فقر کو کر دیں گے اور اس کے سب کاموں میں تشتت پیدا فرما دیں گے اور رزق تو جتنا مقدّر ہے اُتنا ہی ملے گا۔

مومن کو شریعت کی جانب سے رزق کے باب میں یہ تعلیم دی گئی ہے اس کو بھی سمجھنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوگا اور کسی کام کو اگر قاعدہ سے کیا جائے تو کام کیوں نہ ہوگا باقی اس زمانہ میں دین کا کام کرنا جو مشکل ہو رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اور دینی کام کرنے کا طریقہ جب سیکھا جاتا ہے تب آتا ہے اور جب دین کو اور اس کے طریق کار کو سیکھا ہی نہ جائے گا تو دین کیسے آجائے گا اور اس بات کو آپ کے اکبر حسین جج نے خوب سمجھا اس کا افسوس ہوتا ہے کہ دین کی جس بات کو ایک انگریزی داں اور جج نے سمجھ لیا اور اس کو ایک دوسرے کو سمجھایا جا رہا ہے مولوی صاحب کی زبان سے اس کو نہیں سُنا جا رہا ہے وہ کہتے ہیں کہ ؎

انھوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکّر میں مَرے صاحب کے دفتر میں

جہاں تعلیم پائی ہے انھیں لوگوں کے بارے میں کہہ رہے ہیں اتنا تیز تو ہم کبھی نہیں کہتے مگر بات خوب سمجھائی ہے یعنی یہ کہ دین سیکھا جاتا ہے تب آتا ہے اور یہ بھی بتایا کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص شیخ کے گھر میں رہتا ہو لیکن دین سیکھنے کی جانب توجہ نہ کئے ہو تو محض شیخ کے یہاں رہنے کی وجہ سے اُس کو دین نہیں آجائے گا پھر جب عام طور سے لوگوں کو دین کی طلب ہی نہ ہو اور طبیعتوں میں آزادی آگئی ہو تب تو کچھ لوگوں کو اہتمام کے ساتھ

دین کے کام میں لگنا ضروری ہے ورنہ دین کی گاڑی چلے گی کیسے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اگر مشائخ کی صحبت میسر آئے تب تو ان سے دین حاصل کرنا چاہئے اور اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر اُن کی تصانیف اور ان کے ملفوظات کو حصول دین کا ذریعہ بنانا چاہئے اس لئے کہ مشائخ کی غرض کتب طریق کی تدوین سے یہی تھی کہ بعد کے لوگ اُس سے فائدہ اُٹھائیں۔ علامہ شعرانیؒ نے الیواقیت والجواہر میں اس مضمون کو بہت ہی عمدہ طریق سے بیان فرمایا ہے اس کو یہاں ہم بعینہٖ نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ

فلكن الله العارفون لهم اجر نيتهم وقصدهم الصالح من نفع المريدين بما وضعوه من الحقائق الكاشفه لمشكلات علم التوحيد وامراض القلوب۔

ومن فوائد تدوينهم تلقيح قلوب الناظرين فى رسائلهم من بعدهم فيغطفروا من تلك المعانى بما يرقيهم ويبعث سحاب الرحمة على قلوبهم وعلى السنتهم فتشرق ارض قلوبهم بنور رشدهم وتحيا باثرهدايتهم فتابت عنهم رسائلهم بعد موتهم فى نصح المريدين۔

وكان تدوين معارفهم واسرارهم من احق الحقوق عليهم لكون غيرهم لايقوم مقامهم فى تدوين دواء امراض القلوب وآداب حضرات الحق تعالى فى جميع الامور المشروعه فان لكل مقام حضوراً وادبا يخصه

(صفحہ ۲۰ الیواقیت ج ۱)

اسی طرح سے عارفین بھی ہیں کہ ان کو ان کی نیتوں کا اجر اور ان کے قصد صالح کا ثواب ملے گا اور وہ یہ کہ طالبین کو ان کی بیان کردہ حقائق سے نفع پہنچے گا جو کہ علم توحید اور امراض قلوب کی مشکلات کو کشف کرنے والی ہیں۔) اس کے بعد تدوین کے قواعد بیان کرتے ہیں کہ ان کی تدوین کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے بعد جو لوگ ان کے رسائل کو دیکھیں تو ان کے قلوب ان مضامین سے بھر جائیں جو ان رسائل میں ہیں پس ان معنی کے سبب وہ ترقی کرسکیں اور رحمت کے بادل اُن کے قلب و زبان پہ اُٹھیں اور ان کے قلوب کی زمین ان کے رشد کے نور سے منور ہو جائے اور ان کے ہدایت کے اثر سے زندہ ہو جائیں پس ان کے رسائل ان کی وفات کے بعد ان کی نیابت کریں اور اپنے اپنے معارف اور اسرار کی تدوین ان کے ذمہ سارے حقوق سے بڑھ کر لازم اور ضروری تھی اس لئے کہ ان کا غیر امراض قلوب کی دوا بیان کرنے میں اور جملہ امور مشروعہ میں حق تعالیٰ کے آداب بیان کرنے میں ان کی قائم مقامی نہیں کرسکتا تھا اس لئے کہ ہر ایک کو حق تعالیٰ کی نسبت اور آداب میں ایک خاص مقام حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں۔

دیکھئے فرما رہے ہیں کہ ان حضرات کی نیت اپنے تصانیف سے علم توحید اور امراض قلوب کی مشکلات کو دور کرنا تھا اس لئے کہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم ان علوم کو اپنے ساتھ لے چلے جائیں گے تو بعد میں آنے والے لوگ ان کی توضیح اور تبیین پر اس درجہ قادر نہ ہوں گے اس لئے ان لوگوں نے یہ خیال کیا کہ ہم نہ ہوں گے تو ہماری قائم مقامی ہماری کتابیں ہی کریں گی اور اگر کتابیں بھی نہ ہوں گی اور ہم بھی نہ ہوں گے تو علوم بھی مُردہ ہو جائیں گے اس لئے کہ موتُ العلم بموت اہلہ یعنی عالم کی موت علم کی موت ہوا کرتی ہے اگر اس نے اپنے علوم کو مدون نہ کیا ہو۔

دیکھا آپ نے موت العالِم موت العالَم تو بہت مشہور مقولہ ہے یعنی عالم کی موت زمانے کی موت ہے لیکن یہ جملہ اس سے بھی بلیغ ہے کہ موت العالم موت العلم عالم کی موت گویا علم کی موت ہے اب لوگ اس کو بھی نہیں سمجھتے۔ یہ میں علماء کو خطاب کر رہا ہوں جو ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیسے کام کریں اور یہ چاہتے ہیں کہ ایک ہی آدمی تمام ہندوستان میں گھومتا پھرے۔ میں انھیں طریقہ کار بتلا رہا ہوں کہ ایک آدمی کے بس کی بات نہیں ہے اس میں بہت کام کرنے والے ہونے چاہئیں لہٰذا کام کا طریقہ یہی ہے کہ اگر خود کچھ کام کر سکتے ہو اور لوگوں کو راہ ہدایت پر لگا سکتے ہو تو خود کرو ورنہ بزرگوں کی کتابوں کو ہی سناؤ اور لوگوں کو (علم توحید تو بہت مشکل چیز ہے) امراض قلوب ہی سمجھا دو بزرگوں نے اپنے پاس آنے جانے والوں کو امراض قلوب سمجھایا ہے اور اسی سے ان کی اصلاح کی ہے والیٔ ملتان نے ایک شخص کے ذریعہ بابا فرید شکر گنج رح کی خدمت میں کچھ ہدیہ بھیجا اس نے یہ کیا کہ آدھا رکھ لیا اور آدھا حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا بھائی یہ برادرانہ تقسیم تو ٹھیک نہیں ہے آج کل کے لوگ ہوتے تو خفا ہو جاتے کہ ہم کو متہم کرتے ہیں وہ شخص ڈر گیا اور جو نصف رقم رکھ لی تھی وہ بھی لاکر حضرت کو پیش کر دی۔ حضرت نے یہ کیا کہ اس سے فرمایا کہ بھائی مجھے رقم مقصود نہیں ہے میں آخر کسی کو دے دیتا اس لئے اب تمھیں کو دیتا ہوں اس کو اپنے پاس رکھے رہو اور یہ لو نصف بھی تمھیں لے جاؤ مجھے تو صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ ہم لوگوں سے اس قسم کی چال نہیں چلنا چاہئے اُس شخص نے جب یہ دیکھا کہ ایسے بڑے صاحب کشف بزرگ ہیں کہ فوراً چوری پکڑلی تو بہت نادم ہوا اور معافی مانگی اور حضرت سے

بیعت کی درخواست کی حضرت نے مُرید کرلیا۔ چند دنوں اپنے پاس رکھا اور تکمیل کے بعد فرمایا کہ جاؤ مُلتان کی ولائت تم کو دیتا ہوں۔ دیکھئے قلب کی اصلاح کرکے اور صدق و خلوص اختیار کرکے یہ شخص دین بھی پا گیا اور دُنیا بھی پاگیا۔

اور جس طرح اِن بزرگ نے کشف کے ذریعہ اُس کے چور کو پکڑ لیا جس کی وجہ سے اُس کی اصلاح ہوگئی اسی طرح سے ہر زمانہ میں بزرگوں نے اپنی فراست اور صفائی باطن کے ذریعہ لوگوں کے قلبی چور کو پکڑا ہے۔ ایک بزرگ نماز پڑھ رہے تھے سلام پھیرا تو خادم نے اطلاع دی کہ حضرت بادشاہ آیا ہے انھوں نے سُن لیا مگر اسکی طرف التفات نہیں کیا اور پھر نماز کی نیت باندھ لی خادم نے واپس آکر بادشاہ سے کہدیا کہ میں نے آپ کی اطلاع تو کردی حضرت نے کچھ فرمایا نہیں اور نماز کی نیت باندھ لی بادشاہ کو خیال ہوا کہ شاید یہاں آکر کے اجازت طلب کرنا پسند نہ ہوا ہو اس لئے خود ہی اندر چلا گیا وہ بزرگ بہت تپاک سے ملے سیب منگایا اور خود اپنے ہاتھ سے کاٹ کاٹ کر اس کو کھلانے لگے ان میں ایک سیب ذرا بڑا تھا اس کے متعلق بادشاہ نے دل میں خیال کیا کہ اگر ان کے قلب میں روشنی ہے تو یہ سیب مجھے دے دیں گے۔ دیکھتے ہیں آپ ان بزرگ کا امتحان لینے لگے بس یہی رہ گیا ہے اسی قسم کی بے ادبیاں لوگ مشائخ سے کرتے ہیں اور ان کے فیض سے محروم رہتے ہیں اپنی آنکھ کی روشنی کی تو خبر نہیں ہے اور دوسروں کے قلبی نور کا امتحان کرنے کے لئے تیار۔ خیر ادھر بادشاہ کے دل میں یہ خیال گذرا ادھر اُن بزرگ نے ان کو مخاطب کرکے کہا کہ سُنو ایک درازگوش تھا وہ یہ تماشا کیا کرتا تھا کہ مجمع میں لوگ اُسے دکھلا کر کوئی چیز مثلاً انگوٹھی گھڑی وغیرہ نظر بچا کر کسی شخص کے پاس رکھ دیتے اور اُس درازگوش کی آنکھ پر پٹی باندھ کر چھوڑ دیتے تھے وہ ہر شخص کے پاس جاتا تھا اور اسی شخص کو سونگھتا تھا جس کے پاس وہ چیز ہوتی تھی اس کو سر سے مارنے لگتا تھا۔ اس قصہ کو سُنا کر فرمایا کہ اب اگر میں بھی اپنے کشف کو ظاہر کرتا ہوں تو درازگوش کے برابر ہوتا ہوں اور اگر نہیں ظاہر کرتا تو تم کہوگے کہ درویش کے قلب میں نور نہیں ہے یہ کہہ کر اس بڑے سیب کو بادشاہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا لو میں یہ تم کو دیتا ہوں۔ دیکھا آپ نے مشائخ کے ساتھ ہر زمانہ میں اس قسم کا معاملہ اہل دُنیا

نے کیا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رح کی خدمت میں تین شخص گئے ایک خاص لباس میں ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم تو یہ لباس قصداً پہن کر چل رہے ہیں تاکہ ان کو تکلیف ہو بقیہ دو نے کہا کہ ہم تو بزرگ سمجھ کر ان کی ملاقات کو جا رہے ہیں حضرت کے یہاں پہنچنے پر ان کی نیت کے مناسب ان کے ساتھ معاملہ ہوا یعنی اُن دونوں کو تو بُلاکر پاس بٹھایا اور اس شخص پر جس نے کہا تھا کہ ایذا پہنچانے کے لئے اس لباس میں جا رہا ہوں بہت زور سے خفا ہوئے اور ڈانٹ کر نکال دیا صریح کشف تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ لوگ راستے میں باتیں کرتے ہوئے آرہے تھے وہیں موجود تھے۔ اسی طرح ایک شخص نے اپنا کوئی حال لکھا اور کسی نہایت ہی سخت معصیت کے صدور کا ذکر کیا تھا اور حاضری کی بھی اجازت چاہی تھی حضرت نے اجازت تو دے دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ یہاں آکر مجھ سے یہ نہ کہنا کہ میں فلاں شخص ہوں چنانچہ وہ آیا۔ حضرت اس کی شکل دیکھتے ہی بڑے زور سے تڑپے اور اسے خانقاہ سے باہر نکال دیا۔ معلوم نہیں کیسے جان لیا کہ یہ وہی شخص ہے۔

اس قسم کے واقعات روز دیکھنے میں آتے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر نور ان کے سینے میں رکھا تھا لوگوں کا اعتقاد درست ہوجاتا تھا بزرگوں کے یہاں جاکر عقیدت ہی تو درست کرنے کی چیز ہے۔ ع

"عقیدے کو کرو کامل دکھاؤ جاکے نبض دل"

چنانچہ جو حضرات بزرگوں کے یہاں اس طور سے گئے وہ کامیاب ہو گئے۔

حضرت مولانا کی مجلس میں ایک مولوی صاحب بہت بولا کرتے تھے وہی امراض قلوب چنانچہ اہل علم کا مرض یہی ہے حضرت نے ان کی اصلاح فرمانے کے لئے یہ کہا کہ ہمارے مولوی صاحب بولتے بہت ہیں پھر اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ انشاءاللہ اب نہ بولیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا ہم لوگوں نے دیکھا کہ مولوی صاحب بالکل خاموش ہوگئے اور خود وہ کہتے تھے کہ چاہتا ہوں کہ بولوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی زبان پکڑ لیتا ہو۔ یہ اس پر سُنا رہا ہوں کہ کاملین ہر زمانہ میں ہوئے ہیں لیکن فائدہ انھیں کو ہوا ہے جو ان کی خدمت میں عقیدت کے ساتھ گئے ہیں اور

یہ سلسلہ تو شروع ہی سے چلا آرہا ہے ؎

حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب از روم
زخاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے حسن رضؔ بصرہ سے آکر بلال رضؔ حبش سے آکر اور صہیب رضؔ روم سے آکر مستفیض ہوئے لیکن اسی مکہ کی سرزمین میں ابوجہل کو کچھ بھی نفع نہ ہوا کس قدر حیرت کی بات ہے۔ حضرت مولانا کے واقعات میں نے آپ کے سامنے بیان کئے کہ ان کے اندر اتنا نور تھا اسی کی روشنی سے سب کو دیکھتے تھے اور اسی کی مناسب معاملات فرماتے تھے۔ اس پر لوگ بداخلاق کہتے تھے جو چیز کسی بزرگ کا عین کمال ہو اس کو نقص قرار دیا جائے کتنے افسوس کی بات ہے اور کس قدر محرومی کی بات ہے لوگوں نے اس زمانے میں للّو چپّو کا نام اخلاق رکھ لیا ہے اس زمانے میں دھرا ہے اخلاق بہت دن ہوگئے اخلاق ختم ہوئے۔

مجھے لوگ جگہ جگہ سے بُلاتے ہیں ابھی ایک صاحب اپنے وطن گئے ہوئے تھے کہتے تھے کہ ہمارے یہاں کے لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ایک ہفتہ کے لئے یہاں آجاتے تو لوگوں کو بہت نفع ہوتا اسی طرح ایک دوسرے قصبہ کے بارے میں بھی کہتے تھے کہ وہاں کے لوگوں نے بھی کہا کہ کچھ دنوں کے لئے یہاں آجاتے تو بڑا اچھا ہوتا اور ایک صاحب نے تو مجھے یہ لکھا کہ گرمی میں بمبئی گئے ہیں تو سردی میں ہمارے یہاں تشریف لائیے اس کے متعلق کہتا ہوں کہ ہمارے بُلانے سے کیا مقصد ہے اگر کام چاہتے ہیں تو یہ کام کا طریقہ نہیں اور نہ اس طریقہ سے کام ہوسکتا ہے بلکہ کام کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں ایسے علماء اور مشائخ موجود ہیں جو کام کے اہل ہیں لوگوں کو فیض پہنچا سکتے ہیں وہ خود کام کریں اور جہاں ایسے لوگ نہیں ہیں وہاں کے جو پڑھے لکھے لوگ ہیں وہ مشائخ معتبرین کی تصانیف لوگوں کو سنائیں اور اس کے ذریعہ سے دین کو سمجھائیں اور لوگوں میں اثر پیدا کریں ابھی آپ کے سامنے علّامہ شعرانی کے کلام سے دکھایا کہ بزرگوں کا کلام بھی اُن کے بعد ان کا نائب ہوتا ہے اور نائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اُن کی صحبت موثر ہوتی ہے اسی طرح ان کا کلام بھی موثّر ہوتا ہے لیکن صحبت کا فائدہ تو صرف ان کی حیات ہی

میں اُٹھایا جا سکتا ہے مگر ان کے کلام سے نفع ان کے حیات میں بھی ہوتا ہے اور وفات کے بعد بھی ہوتا ہے آپ کے سامنے مثال کے طور پر حضرت مولانا تھانویؒ ہی کو پیش کرتا ہوں کہ حضرت کی صحبت سے لوگوں کو کتنا نفع پہنچا اسی طرح حضرت کے کلام اور تصانیف اور ملفوظات سے بھی آپ کی حیات میں بھی کتنے لوگ فیضیاب ہوئے اور اب حضرت کے بعد بھی ان کا نفع جاری ہے البتہ یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس گفتگو سے تو مشائخ کے کلام کا فضل اور نفع معلوم ہوتا ہے لیکن جب دین میں اس کا یہ درجہ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی قرآن شریف کا فائدہ اور نفع تو اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا تو اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اس میں تو کلام ہی نہیں کہ سرچشمہ ہدایت کتاب اللہ ہی ہے اور اس کے بعد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن تمام لوگوں کے لئے براہ راست کتاب اللہ سے منتفع ہونا آسان نہیں ہے اس لئے کہ نہ ان میں استعداد ہوتی ہے اور نہ مناسبت ہی ہوتی ہے لہٰذا دین سے و کتاب و سنّت سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مشائخ کا کلام پڑھیں اور سنیں اور اسی کو کتاب و سنّت سے مناسبت کا ذریعہ بنائیں پھر جب مناسبت ہو جائے تو اصل راہ تو کتاب و سنّت ہی ہے کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور اس کے معنی میں تدبر کریں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ترقی حاصل کریں۔

ایک بات یہ سمجھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد خلفاء چھوڑے جنھوں نے آپؐ کی صحیح ترجمانی کر کے دین کو آگے بڑھایا اسی طرح سے مشائخ نے بھی اپنی تعلیمات کو (کہ در اصل وہ خُدا اور رسول کی ہی تعلیمات ہیں) اپنے بعد باقی رہنے کے لئے انسانوں میں خلفا مقرر کئے تو خلیفہ اور نائب کا یہی مفہوم آج تک آپ کے ذہن میں رہا ہوگا لیکن آج آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء اور مشائخ کے خُلفاء انسانوں میں سے کچھ لوگ ہوتے ہیں اسی طرح سے ان کا کلام بھی ان کا خلیفہ ہوتا ہے بلکہ یہ خلفا بھی اسی بات کے لئے ہیں کہ ان کی تعلیمات کو ان کے بعد باقی رکھیں پس ان کے بعد اصل چیز ان کی تعلیمات ہیں کسی آدمی کے ذریعہ باقی ہیں تو وہ خلیفہ ہے اور کتاب کے ذریعہ باقی رہیں تو وہ خلیفہ ہے بہرحال میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر اصل

ہے فیض حاصل کرنا ممکن نہ ہو سکے تو فرع اور خلیفہ سے ہی نفع حاصل کرو جو قوت تاثیر
میں گو اصل کے برابر نہ ہو تاہم اس کی جانب رجوع ہوئے بغیر چارہ کار ہی کیا ہے ؎

چوں کہ گل رفت و گلستاں شد خراب — بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب
چوں کہ شد خورشید و مارا کرد داغ — چارہ نبود در مقامش جز چراغ

(ترجمہ) یعنی جب کہ (گلاب کا) پھول باقی نہیں رہا اور گلستان ہی ویران ہوگیا
تو اب پھول کی خوشبو بجز (عرق) گلاب کے اور کہاں سے حاصل کریں اسی طرح سے آفتاب
چھپ گیا اور جدائی کا داغ ہم کو دے گیا تو اب اس کی جگہ سوائے چراغ سے روشنی
حاصل کرنے کا چارہ کار ہی کیا ہے۔

پس جب بزرگوں کو نہیں پایا یا پایا اور ان سے فیض نہیں اٹھایا تو سوائے
اس کے چارہ کار ہی کیا کہ اُن کی تصانیف کو لیا جاوے اور ان کے کلام سے فائدہ
اُٹھایا جائے کیونکہ ان کا کلام ہی ان کا نائب ہے اور لوگوں کو نفع پہنچانے میں ان کی
صحبت ہی جیسا اثر رکھتا ہے اس لئے کہ کسی کی صحبت مؤثر اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ شخص
خود کامل ہوتا ہے اور جن باتوں کو دوسرے سے کہتا ہے خود اپنے قلب میں اس کا
اثر لئے ہوئے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے تعلق و محبت اور اس کے عرفان سے اس کا قلب
بھرا ہوتا ہے اس لئے جو شخص اس کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کا قلب بھی اس کے قلبی
اثر سے متلون ہو جاتا ہے بس اسی طرح کلام کا بھی اثر ہوتا ہے کیونکہ کسی کا کلام حقیقتاً
اس کے قلب ہی کا ترجمان ہوتا ہے چنانچہ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے کہ ؎

اِنَّ الکلامَ لفی الفُؤادِ و اِنّما
جُعِلَ اللسانُ علی الفؤادِ دلیلاً

بلاشبہ کلام تو قلب میں ہوتا ہے باقی زبان جو تکلم کرتی ہے تو یہ قلب ہی کی
ترجمانی کرتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کلام متکلم کے قلب کا ترجمان ہوتا ہے لہٰذا جس قلب میں
خدا کی معرفت خدا کا ذکر اور خدا کی محبت بھری ہوگی تو اس کے کلام میں ان آثار
کا ہونا ضروری ہے اور جس کے سامنے وہ کلام پڑھا جائے اس پر اثر ہونا ضروری
ہے۔ مولانا رومؒ نے بھی مثنوی میں اس مضمون کو بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ

ہاں مشو مغرور زاں گفت نکو زانکہ باشد صد بدی در زیر او
ہر کہ باشد زشت اورا زشت داں ہرچہ گوید مردہ آں رانیست جاں
گفت انساں پارۂ انساں بود پارۂ از ناں یقیں ہم ناں بود

یعنی مکاروں کے ظاہری کلام دلپسند پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کے باطن میں صدہا خرابیاں ہوتی ہیں جو شخص خود اخلاق ذمیمہ رکھتا ہو اس کا کلام ضرور بُرا اثر رکھے گا اور مُردہ دل جو کہے اس میں بھی جان یعنی تاثیر نہ ہوگی کیونکہ انسان کا کلام مثل جُز انسان کے ہے (جیسا متکلم ہوگا ویسا ہی اس کا کلام ہوگا) جس طرح روٹی کا ٹکڑا بھی روٹی ہوتا ہے اب یہ کتنا آسان طریقہ ہے کام کرنے کا کہ اگر آدمی سمجھتا ہے کہ میرے لئے کلام میں تاثیر نہیں ہے تو بزرگوں کا کلام پیش کرے ان کا کلام مقبول ہے اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہے اس میں تاثیر ہے اس کو ایک صاحب لکھتے ہیں کہ

"ماشاء اللہ معرفتِ حق خوب ہی خوب حق کی معرفت کا حق ادا کرتا رہتا ہے اسی طرح مکانی قرب کی سعادت سے محرومی کے باوجود تعلیمی فیوض و برکات اس سے بہت زیادہ نصیب ہوتے رہتے ہیں۔ جتنا کہ کبھی کبھی کی حاضری سے ہوتے ہیں۔ دیکھئے مولوی صاحب فرمارہے ہیں کہ رسالہ معرفت حق کے مطالعہ سے ہی نفع ہوتا ہے بلکہ یہ فرمارہے ہیں کہ جتنا کبھی کبھی حاضری سے ہوتا ہے اس سے زائد ہوتا ہے اب جب یہ مولوی صاحب کسی کے کلام سے متاثر ہوگئے تو اگر اسی کو دوسرے لوگوں سے بیان کردیں تو کیا وجہ کہ لوگ اس سے متاثر نہ ہوں۔ راقم عرض کرتا ہے۔

مولوی صاحب نے جو یہ لکھا کہ بسا اوقات کلام کا اثر صحبت کے اثر سے زیادہ معلوم ہوتا ہے تو یہ صحیح لکھا ہے حضرت والا مدظلہ العالی نے فوائد الصحبتہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ایک کلام نقل فرمایا ہے جو انھوں نے اخبار الاخیار کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے اس سے اس کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

و بعد از حرمانِ دولتِ صحبتِ کاملاں و مشاہدۂ جمالِ عارفاں استماعِ اخبار و تتبعِ آثارِ ایشاں در رہمت فرمائی و در	ترجمہ:۔ اور کاملین کی صحبت کی دولت اور عارفین کی زیارت کی نعمت سے محروم ہونے کی حالت میں ان حضرات کے اقوال اور حکایات کا سننا اور

ظلمت زدائے رہاں تاثیر دارد کہ صحبت و مجالست بلکہ این نیز نوعے از صحبت است کہ جمال وقت در روئے از غبار کدورت بشری و حجاب صورت عنصری مصفٰی است وصفائے حُسن و عقیدت از مشاہدہ عادیات و اطلاع بزلات منزہ۔ (اخبار الاخیار)	اور ان کے حالات کا تتبع کرنا بھی سالک کی ہمت بڑھانے اور اس کے قلب سے غفلت کو دور کرنے میں وہی تاثیر رکھتا ہے جو ان کی صحبت اور ہمنشینی رکھتی ہے بلکہ یہ بھی ایک قسم کی صحبت ہی ہے (اور وہ بھی ایسی کہ) وقت اور شکل کا جمال بشری کدورتوں کے غبار اور صورتِ عنصری کے حجاب سے بالکل صاف ہوتا ہے اور حُسنِ عقیدت کی صفائی امور طبعیہ کے مشاہدہ نیز لغزشوں پر اطلاع پانے سے منزہ ہوتی ہے۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ کسی شیخ کی مصاحبت میں تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ سالک کے لئے کسی بزرگ کی بشریت اور اس کی انسانی کمزوریاں اس طالب کے حق میں اُس کے حصول فیض کے لئے حجاب بھی بن جائیں یعنی بعض امور یا بشری لغزش دیکھ کر سالک کی عقیدت میں تغیر واقع ہوسکتا ہے لیکن ان کے ملفوظات ارشادات حالات اور حکایات میں تو صرف ان کے جمال اور کمال ہی کا پہلو ہوتا ہے لہٰذا اس کا نافع ہونا اور احتمال ضرر سے خالی ہونا ظاہر ہے اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مقالات اور حالات کا سُننا اور دیکھنا بھی گویا ان کی صُحبت ہی میں بیٹھنا ہے اور بعض حالات میں صحبت کا نعم البدل ہے۔

اسی طرح سے ایک اور مولوی صاحب نے ابھی چند ہی روز ہوئے مجھے لکھا کہ معرفتِ حق کا افادہ اور افاضہ بفضلہ تعالیٰ اِس دیار میں بہت ہی تام اور تقریباً عام ہو رہا ہے۔ ایک صاحب ریلوے میں ہیں۔ بہرائچ کے باشندے ہیں چند دن پہلے تہذیب جدید کے شکار اس بحر میں غریق تھے ان کو کسی طرح اس کے مطالعہ کی توفیق ہوئی اب جو ان کو دیکھا تو پہچان میں نہیں آئے یعنی چہرہ پر داڑھی آگئی تھی اور انھوں نے بتایا کہ اسی رسالہ نے مجھے دین بتایا اور اسی کی وجہ سے میں یہاں تک پہنچا اور اپنے احباب کو بھی اس کے مطالعہ کرنے کی برابر ترغیب دیا کرتا ہوں اور جو صاحب بھی دیکھتے ہیں اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

اور ایک صاحب ہیں جو اکثر رسائل منگاتے ہیں ایک روز فرما رہے تھے کہ الفرقان

ہیں صوفیہ کی نسبت کے متعلق معرفتِ حق سے ایک مضمون شائع ہوا ہے جو عجیب اور غریب ہے اور اس کا اثر اس سے بھی کہیں اعجب اور اغرب ہے پڑھتے جائیے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر خود بخود اُترتا جاتا ہے اور اپنی جگہ بنا لیتا ہے اور قلب کی عجیب حالت ہوجاتی ہے۔ بندہ نے ان سے عرض کیا کہ آپ تو اس کے بہت ماہر ہیں اور واقف ہیں اور بات صرف اتنی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی صحیح باتیں بلا کسی اینچ پینچ کے ایک صحیح انسان (ولی) کی زبان اور قلم سے ہمارے دل تک پہنچتی ہیں پس ممکن نہیں کہ دل اس کا اثر قبول نہ کرے جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان کا حصہ ہوگا وہ یقیناً تڑپ جائے گا اور نور سے بھر جائے گا۔

اور بندہ کو تو خاص حضرت کی مجلس مقدس کا مزہ آتا ہے جب پڑھنے بیٹھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضرت کے سامنے اور مواجہ میں حضرت کی باتوں کو سُن رہا ہوں اس مہینے (ماہ محرم) کے رسالہ میں ایک مضمون میں یہ لفظ پڑھا پتیا پھاڑ۔ تو دل کی عجیب حالت ہوگئی ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بلا واسطہ کان تک حضرت کی آواز آرہی ہے۔ انتہی۔

دیکھئے ان مولوی صاحب نے بھی اپنے خط میں اپنا اور اپنے احباب کا کیسا کیسا تاثر ظاہر کیا ہے اور خود لکھ رہے ہیں کہ جو شخص اس رسالہ کو دیکھتا ہے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا پھر اب طریق کار کی کیا تلاش ہے یہی طریق کار ہے کہ بزرگوں کے کلام سے پہلے خود اثر لو اور ان کو دوسروں تک پہنچاؤ۔

ضمیمہ طریق کار

فرمایا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سے آیا اور گھر پر رہنے لگا تو کبھی کبھی وعظ کے لئے قرب وجوار کے اطراف میں جاتا تھا اور وعظ میں صرف قرآن وحدیث کی باتیں بیان کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ ان عوام کا ناس ان واعظوں نے ہی مارا ہے انھوں نے ان کے سامنے موٹے موٹے الفاظ کہے ہیں اور فارسی کے اشعار پڑھے ہیں اور ان لوگوں سے اپنی تعریف تو کرالی ہے مگر

ان کے پلے کچھ نہیں پڑا۔ صرف جلسہ تو ان کے ہاتھ لگا اور وہ بھی ناکام باقی دین وغیرہ تو کچھ حاصل ہوا نہیں۔ میں نے یہ کیا کہ تھانہ بھون سے آنے کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں جو وہاں سنی تھیں بیان کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ کام کام کی باتیں ہوتی تھیں اس لئے لوگوں نے توجہ سے سنا اور میں نے کہا کہ بس ان کے سامنے حقائق بیان کرو الفاظ کے چکر میں نہ پڑو اس کی وجہ سے تمہارا نام واعظوں میں تو نہ ہوگا مگر لوگوں کے پلے کچھ پڑ جائے گا۔ چنانچہ اسی طرح سیدھی سادی باتیں بیان کرنا شروع کیں تو دیکھا کہ دو دو گھنٹے تین تین گھنٹے بیان کرتا تھا مگر ایک شخص بھی درمیان سے اُٹھ کر نہ جاتا تھا۔ بلکہ ہوا یہ کہ جو لوگ وعظ میں شریک ہوتے تھے انھوں نے دوسروں کے وعظ میں جانا چھوڑ دیا کہتے تھے کہ جی نہیں لگتا۔ غرض جب باتیں پہنچائی گئیں تو لوگوں نے مانا۔ اور جب بے غرض ہو کر کام کیا گیا تو یہی عوام الناس متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم کچھ جانتے نہ تھے۔ دین کا علم تو تم سے ہوا۔ پھر مانتے ہی گئے اور قریب ہوتے گئے اور لوگوں کو نفع ہوا۔ جب باتیں کرو گے ہی نہیں تو لوگوں کو آئے گا کیا؟ یا ان کے مقام سے اونچی باتیں کرو گے تب بھی انھیں کچھ نفع نہ ہوگا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اور ایسی ایسی باتیں حضرت کو خوب یاد تھیں۔ انھیں سُن کر لوگ محظوظ بھی ہوتے تھے اور ان حکایتوں سے بڑے بڑے حقائق کا انکشاف ہو جاتا تھا۔ فرماتے تھے کہ ایک شخص کے پاس دیہات سے کچھ لوگ آئے اس نے انھیں مخاطب کر کے کہا کہ "آپ کے کشت زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں؟ ان لوگوں نے اس کا مطلب سمجھ لیا کہ بارش کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں کہ کھیتی کا کیا حال ہے بارش وارش ہوئی یا نہیں؟

لیکن آپس میں کہا کہ چلو میاں اس وقت قرآن شریف پڑھ رہے ہیں پھر آیا جائے گا (ان کا اظہار علم دانی کا نہایت ہی لطیف جواب دیا۔ مطلب یہ تھا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں ہم سے سیدھے سادے لفظوں میں بات کرنی چاہیئے۔ ہم سے کیا اظہار لیاقت کرنے چلے۔ لوگوں سے بقدر ان کے علم و فہم کے ہی گفتگو کرنی چاہیئے) جب لوگوں کے فہم کے مطابق کرو گے کیوں نہ سمجھیں گے۔ کیوں نہ مانیں گے۔ مسلمان ہیں ایمان رکھتے ہیں دین کی باتیں سنیں گے تو کیوں نہ اثر لیں گے۔ دین اور ایمان انسان کو حق بات کے

ماننے اور اس سے اثر لینے پر مجبور کرتا ہے۔
ایک قاضی صاحب کے یہاں کسی معاملہ میں دو عورتوں نے آکر گواہی دی۔ قاضی ایک کا بیان سن رہا تھا کہ وہ کچھ بھولی جھٹ دوسری نے اسے ٹوک دیا۔ قاضی نے اسے منع کیا کہ ہائیں تو کیوں بولتی ہے؟ عورت بھی غضب کی تھی اس نے برجستہ کہا کہ قاضی صاحب مجھے بولنے کی اجازت قرآن نے دی۔ قاضی نے پوچھا کس طرح؟ اس نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ہے کہ "اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى" یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے قائم مقام اس لئے ہے کہ یہ ناقصات العقل ہوتی ہیں پس اگر ان میں ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ قاضی کو اس عورت کا یہ جواب سن کر بڑی حیرت ہوئی اس پر کہ دیکھو تو اس عورت نے اس آیت سے کیسا استدلال کیا۔ جو مجھے بھی معلوم نہ تھا جس زمانہ میں دین کا چرچا تھا تو آپ کی عورتیں بھی دین سے واقف ہوتی تھیں اور اب جو مرد واقف نہیں تو اس لئے کہ اب ان باتوں کا چرچا نہیں رہا۔ ایک جگہ بہت سے علماء جمع تھے کوئی جلسہ تھا۔ ایک مولوی صاحب وعظ کہنے کھڑے ہوئے اور اپنے بیان کے لئے لمبی تمہید اٹھائی اور اس میں لیلیٰ مجنوں کا قصہ چھیڑ دیا ایک اور مولوی صاحب تھے انھوں نے جب دیکھا کہ کچھ کام کی بات نہیں ہو رہی ہے تو ان سے کہا کہ چلو بیٹھو اور خود کھڑے ہو کر عوام کو مخاطب کیا اور کہا سنو جی! یہ جلسہ اس غرض کے لئے منعقد ہوا ہے یہ بات ہے ہمارا یہ حال ہے۔ یہ کام کرنا چاہئے اور ان باتوں سے بچنا چاہئے اور اس طرح سے کام کام کی چند باتیں بیان کر کے تقریر ختم کر دی تو آج ضرورت اسی چیز کی ہے کہ مسلمانوں کو پریشان نہ کیا جائے بلکہ صرف کام کام کی باتیں ان سے بیان کی جائیں اور ان پر عمل کا مطالبہ کیا جائے میں نے بھی یہ ارادہ تو کبھی بھی نہیں کیا کہ ان واعظوں جیسا طریقہ اختیار کروں بلکہ شروع ہی سے یہ سمجھے ہوئے تھا کہ بس لوگوں کو کام کی باتیں بتانا چاہئے اور ان کو حقائق پہنچائے جائیں۔

میرے موضع کے قریب ان مولوی صاحب کا قصبہ ہے وہاں مسجدیں بہت تھیں مگر نمازی غائب۔ کبھی کبھی میں وہاں چلا جاتا تھا۔ لوگ شوق سے وعظ سننے آتے تھے چنانچہ سنتے سنتے نماز روزہ تہجد سب کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں کبھی کبھی تنہا ہی چلا

جاتا تھا تو لوگ پوچھتے کہ اکیلے ہی آ گئے۔ پھر لوگوں نے بہت مانا۔ راستہ میں گاؤں پڑتے تھے۔ جب ادھر سے گذرتا تھا تو مرد، عورت، بچے سب باہر نکل آتے تھے۔ کہتے تھے مولانا صاحب جا رہے ہیں۔ غیر مسلم کی عورتیں اپنے دستور کے موافق ہاتھ جوڑ کر سلام کرتیں اور پاؤں پہ سر رکھ دیتیں۔ یہ دوسروں کے ملنے کا حال تھا۔ ایک دفعہ اسی بستی میں آ رہا تھا ابھی قریب پہنچا تھا کہ دیکھا کہ ایک باغ سے نکل نکل کر لوگ بھاگے جا رہے ہیں۔ خیال ہوا کیا بات ہے؟ لوگ بھاگ رہے ہیں؟ پھر اپنے ہی سے کہا کہ تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ تمہیں سے تو ڈر کر بھاگ رہے ہیں۔ یہاں باغ میں کوئی ناجائز چیز کھاتے پیتے ہوں گے تمہیں دیکھ کر بھاگ گئے۔

یہ اس پر سنا رہا ہوں کہ آدمی کام تو کرے لوگ سنیں گے کیوں نہیں اور مانیں گے کیوں نہیں؟ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی ذکر کے التزام سے ہوگی

خواجہ صاحب بڑے درجے کے شاعر تھے اور حضرت مولانا کے آدمی ہیں آپ کے اکبر حسین جج اور اقبال سے کم نہیں ہیں طریق کے حقائق بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ کامیابی تو کام سے ہوگی یعنی کامیابی میں کام پہلے ہے یا بعد میں یعنی کچھ چاہتے ہو تو پہلے کچھ کرو اب یہ حال ہے کہ لوگ یابی تو چاہتے ہیں اور کام غائب اسی طرح سے فرماتے ہیں ؎

لا ادھر جام کہ نا اہل ہیں منکر ساقی
در خورِ ہر کس و ناکس ترا پیمانہ نہیں

مطلب یہ کہ اور لوگ اگر نہیں سیکھتے تو نہ سیکھیں لائیے اپنا جام ہم کو دیجئے ہم اس کو پئیں گے۔ اور سیکھیں گے باقی جب اہل اس کو نہ لے گا تو نا اہل اس کا اہل بن جائے گا۔

غرض جب میں نے ان لوگوں میں اس طرح کام کیا تو لوگوں نے مانا۔ میں نے ان لوگوں سے کہا کہ کچھ نہیں تم لوگ ایک کام کرو بس نماز پڑھو قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہوگا تو دیکھا کہ جوانوں نے اسے سنا اور نماز شروع کر دی اور

بعضوں نے یہ عذر کیا کہ کیسے پڑھیں ہم کو آتی نہیں میں نے ان سے کہا کہ آہستہ آہستہ سیکھو اور جب تک نہ آئے ہم لوگوں کے ساتھ شریک ہو جایا کرو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں۔ چنانچہ لوگوں نے نماز سیکھی اور سب سے پہلے کام انھیں کے موضع میں ہوا۔ پھر جب یہ لوگ دیندار ہو گئے تو اطراف کے لوگ بھی متوجہ ہو گئے۔ اور یہ دیکھا کہ بوڑھوں سے زیادہ جوانوں نے پہلے مانا۔ اور بعض بعض جوانوں کو دیکھ کر ان کے والدین بھی ماننے لگے۔ یہ اس پر کہہ رہا ہوں کہ جب کام کیا جائیگا تو ہوگا کیوں نہیں۔

شامی میں ہے ایک عالم تھے صاحب وظائف انھوں نے اپنے اُستاد کے کتاب کی شرح لکھی اور اسے اُستاد کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ حضرت آپ کے فلاں کتاب کی شرح ہے۔ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بہت پسند کیا۔ چنانچہ اسی خوشی میں اپنی لڑکی کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد سے وہاں سے جو فتویٰ نکلتا تھا۔ اس میں ان عالم صاحب اور ان شاگرد اور اس لڑکی تینوں کے دستخط ہوتے تھے۔ بدوں ان کے دستخط کے کوئی فتویٰ نکلتا ہی نہیں تھا۔ ایسا کمال لڑکی نے حاصل کیا تھا۔

بہرحال جب کام کیا جائے گا تو ضرور ہوگا لیکن دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ آدمی کام کرنے سے پہلے کام کرنا سیکھے دوسرے یہ کہ جو کچھ کرے اخلاص کے ساتھ کرے۔ دیکھئے حکیم صاحب نے لکھنؤ سے خط لکھا تھا کہ کام شروع کر دیا ہے۔ پہلے اخلاص پر بیان کیا اور یہ بھی لکھا تھا کہ مجلس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس دُعا پر ختم کیا۔

اللھم اجعل اعمالنا کلھا صالحۃ واجعلھا کلھا لوجھك خالصۃ ولا تجعل لغیرك فیھا شیئًا۔ یعنی اے اللہ ہمارے تمام اعمال کو صالح بنا دیجئے اور ان سب کو خالص اپنی رضا کے لئے کر دیجئے اور اپنے غیر کے لئے اس میں کچھ حصہ نہ بنایئے۔ دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص کی ہر چیز میں ضرورت ہے فرما رہے ہیں کہ ہمارے سارے اعمال کو اپنی رضا کے لئے خالص کر دیجئے اب جس طرح گھی خالص ہوگیا ہے تیل خالص ہوگیا ہے اسی طرح ہمارے اعمال خالص ہو گئے ہیں۔ یہ دیہاتی لوگ، خالص کو بھی

مخلص کہتے ہیں۔

کل میں نے بیان کیا تھا کہ ایک شخص کہتا تھا کہ میں لاہور کو اُلٹ دوں گا۔ حالانکہ خود کچھ نہیں تھا۔لیکن اس کے پیر کامل تھے اور انھیں کے بھروسے پر کہہ رہا تھا اس سے معلوم ہوا کہ سلسلہ کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اگر کوئی شخص خود نہیں ہے۔مگر سلسلہ اس کا صحیح ہے تو اوپر سے کمک پہنچتی ہے۔جب مخلوق کا تعلق اور اس کی پُشت پناہی کا حال یہ ہے تو اگر کوئی شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو اس کا پوچھنا ہی کیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اللّٰھم اجعلنی ممن توکل علیک فکفیتہ واستھداک فھدیتہ واستنصرک فنصرتہ۔(ترجمہ) یا اللہ کردے مجھے ان لوگوں میں سے جنھوں نے توکل کیا تجھ پر پس تو کافی ہوگیا ان کو اور ہدایت مانگی تجھ سے پس تو نے ہدایت کی ان کو اور مدد مانگی تجھ سے پس مدد کی تو نے ان کی۔اللہ تعالیٰ اپنے اوپر توکل کرنے والوں کے لئے کافی ہیں۔بزرگ ہونا آسان نہیں۔مگر کسی پہنچے ہوئے کے ساتھ ہولینا آسان ہے ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ درکعبہ رسد
دست برپائے کبوتر زد وناگاہ رسد

یعنی ایک چیونٹی کو یہ خواہش ہوئی کہ کعبہ کو جائے اب خود تو پہنچنا اس کے لئے آسان نہ تھا۔اس لئے اس نے یہ کیا کہ ایک کبوتر کے پاؤں سے لپٹ گئی اور اسی طرح کعبہ پہنچ گئی۔اب اسی طرح انسان خود ضعیف الھمت ہو تو اس کو چاہئے کہ کسی قوی الھمت کا ہاتھ پکڑلے۔پہنچنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ایک مولوی صاحب نے وعظ میں بسم اللہ کی فضیلت بیان کی کہ اس کو پڑھ کر جو کام کیا جائے پورا ہوجاتا ہے۔ایک دیہاتی نے بھی اس کو سُنا تو بہت خوش ہوا۔کہ چلو دریا پار کرنے کا اچھا نسخہ ہاتھ آیا۔اس کے بعد سے بسم اللہ کہہ کر دریا میں قدم رکھتا پار ہوجاتا۔ایک دن وہ دریا کے کنارے موجود تھا کہ دیکھا اس کے کنارے پر مولوی صاحب بھی کھڑے ہیں۔پوچھا مولانا کیسے کھڑے ہیں انھوں نے کہا کہ اس کے پار آناہے کشتی نہیں ہے۔اس نے کہا کہ آپ نے تو بسم اللہ کی فضیلت بیان کی تھی میں تو اسی دن سے اسے پڑھ کر چلا جاتا ہوں اور چلا آتا ہوں۔مولوی صاحب اس کا کیا جواب دیتے ایک پڑھنا صرف زبان سے ہوتا ہے

ایک ایمان کے ساتھ اس دیہاتی نے ایمان اور اعتقاد کے ساتھ پڑھا تھا اور عمل بھی شروع کر دیا۔ مولوی صاحب اس درجہ کے نہیں تھے رہ گئے اس نے کہا اچھا ٹھہریئے میں آتا ہوں یہ کہا اور بسم اللہ پڑھ کر دریا کے اس پار آگیا اور مولوی صاحب سے کہا کہ آپ میری لکڑی پکڑ لیجئے اور بسم اللہ پڑھا اور پڑھ کر دریا میں قدم رکھا۔ اس پار آپہنچا۔ خود مولوی صاحب نہیں آسکے مگر وہ چونکہ پہنچا ہوا تھا اس کے ساتھ ہونے کی وجہ سے وہ بھی پار ہو گئے۔ اب لوگ بہت ساتھ ہونا چاہتے ہیں لکھتے ہیں تم فلاں جگہ کب جاؤ گے اطلاع دو تاکہ میں بھی ساتھ چلوں۔ میں کہتا ہوں کہ کسی جگہ جانے میں میرا کیا انتظار ہے۔ جگہ خالی ہے تم خود چلے جاؤ۔

دیکھئے اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ درست کر لیا تھا۔ اس کی برکت ظاہر ہوئی۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے دیا گیا تھا۔ آپ کو اس کا علم بھی ہو گیا۔ لیکن آپ نے پیالہ ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیٔ کہہ کر وہ پیالہ پی لیا کچھ بھی نہیں ہوا۔ دوسرا کوئی پیتا تو مر جاتا۔ چونکہ اعتقاد اور ایمان کے ساتھ پیا تھا اس نے اپنا کام کیا زہر ناکام ہو گیا۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ پہلے ایک شخص سے بیعت تھے اور ان کے خلیفہ تھے بعد میں حضرت میاں جی نور محمد رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے۔ اپنے شیخ کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

تم ہو اے نور محمد خاص محبوب خدا
ہند میں ہو نائب حضرت محمد مصطفیٰ

سبحان اللہ دیکھئے ان حضرات نے توحید میں کیسی احتیاط کی۔ اس کا تو پوچھنا ہی کیا۔ جو اس کا ذریعہ تھا ان حضرات نے اس کا بھی حق ادا کر دیا اور اب یہ حال ہے نہ تو توحید ہی کو سمجھتے ہیں اور نہ اس کے ذریعہ کو سمجھتے ہیں۔ پھر اس کا حق کیا ادا کریں گے اولیاء اللہ نے اپنے پاس آنے جانے والوں کو توحید ہی تو سکھایا ہے۔ خود ان کا ایک ایک عمل توحید میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا کہ اس سے بادشاہ تک کو متاثر کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک بزرگ سے ایک شخص نے بادشاہ وقت کے پاس سفارش کی درخواست کی۔ انھوں نے سفارش نامہ لکھ دیا اس میں یہ لکھا کہ "اِن اعطیتہ فالمعطی ھو اللہ

وانت المشکور وان منعته فالمانع ھواللہ وانت المعذور۔" یہ لکھا کہ حامل رقعہ تمھارے پاس اپنی حاجت لے کر جا رہا ہے اگر تم نے اس کی مراد کو پورا کر دیا تو حقیقتًا تو حاجت روا خُدا ہے اور ہم شکر گذار تمھارے بھی ہوں گے اور اگر تم نے اس کو نہ دیا تو سمجھیں گے کہ مانع حقیقی تو خُدا ہے اسی کو منظور نہ تھا اس لئے تم کو معذور سمجھیں گے۔ بادشاہ نے جب اس سفارش نامہ کو پڑھا تو اُچھل پڑا اور نہ معلوم پھر اس کو کتنا دیا ہوگا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کے والد بڑے بزرگ شخص تھے ایک دن ایک مجذوب آیا اور حضرت خواجہ صاحب کے کان میں یہ کہہ کر چل دیا کہ ؎

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خُدا را
سیپارۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

یعنی کہ تم کنز و ہدایہ میں خُدا کو نہیں پا سکتے اس کے لئے تو دل کا سیپارہ کھولو کہ اس سے بڑھ کر اس مضمون میں کوئی کتاب نہیں۔ بس اس شعر کا سُننا تھا کہ آگ ہی تو لگ گئی۔ اللہ تعالیٰ کے تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ایک جگہ ایک بزرگ سے ملاقات ہوگئی سمجھے کہ یہ کامل شخص ہیں ان کے پاس رہا جائے گا تو پہنچا دیں گے۔ چنانچہ ان کی خدمت میں رہ پڑے اور بعد میں جیسے شخص ہوئے وہ آپ کو معلوم ہی ہے حضرت مجدد صاحب کے پیر ہوئے ہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں کو بزرگی ملی ہے انھوں نے کچھ کام کیا ہے اپنے کو مٹایا ہے کسی کے آگے جھکایا ہے اپنے اندر اسباب بزرگی پیدا کی ہیں۔ تب لوگوں نے انھیں بزرگ مانا ہے۔ اب لوگ چاہتے ہیں کہ بزرگوں کی جگہ الفاظ کے ذریعہ لے لیں یہ نہیں ہوسکتا۔ اور کوئی شخص یہ چاہے کہ صرف ڈھنگ کے ذریعہ بزرگ بن جائے اور لوگ بھی اس کے ساتھ اہل اللہ جیسا معاملہ کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ؎

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف
مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

یعنی مسند شیخت پر کوئی شخص ڈھنگ کے ذریعہ نہیں بیٹھ سکتا اگر اس پر بیٹھنا چاہتے ہو تو بزرگوں کے سے صفات اپنے اندر پیدا کرو۔

اب لوگ چاہتے ہیں کہ جلدی سے خلافت مل جاتی تو بہت اچھا ہوتا۔ ہم

کہتے ہیں جلدی نہیں دیں گے اس لئے کہ اگر جلدی سے دے دیں گے تو تم لے کر چل دو اور پھر آؤ نہیں۔ ہمارا جی تم کو دیکھنے کو چاہے تو پھر ہم کیا کریں گے اس لئے برسوں دوڑائیں گے اور جب یہ سمجھ لیں گے کہ اب ہم سے بھاگو گے نہیں تب دیں گے یہ دولت بہت زیادہ باوقعت چیز تھی اتنی سستی نہیں تھی۔ جیسا کہ لوگوں نے سمجھ لیا ہے اور یہ قاعدے کی بات ہے کہ جب کوئی چیز مشقت کے بعد ملتی ہے تو آدمی اس کی قدر کرتا ہے۔ ایک شخص نے کسی کو دیکھا کہ نہایت قیمتی دوشالہ سے جوتا صاف کر رہا ہے اسے تعجب ہوا کہا بھائی ایسا کیوں کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ دوشالہ باپ کی کمائی کا ہے اور جوتا میری کمائی کا ہے جو چیز مفت ملا کرتی ہے اس کی آدمی قدر نہیں کرتا۔

اہل اللہ نے ہر زمانہ میں اپنے طالبین کا امتحان کیا ہے اور لوگوں نے بھی اپنے طلب اور محبت کا ثبوت دیا ہے۔ دہلی میں ایک عالم تھے جو کہ صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے وعظ کے بعد مصافحہ کرتے کرتے ایک رئیس کی ناک پکڑ کے ہلا دی۔ انھوں نے کہا کہ حضرت اس سے کیا ہوتا ہے۔ آپ اگر میرے بدن سے کپڑے اُتروا کر دہلی کے بازار میں جوتیاں بھی لگائیں تب بھی مجھے جو عقیدت آپ سے ہے۔ اس میں فرق آنے والا نہیں ہے اور یہ کہا کہ ہم نے بھی آپ کو کچھ سمجھ کر مانا ہے اور جو سودا آپ کا ہمارے سر میں سمایا ہوا ہے وہ ان چیزوں سے جانے والا نہیں۔ ؎

تو ہو کے ترش رو مجھے گالی ہزار دے
یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُتار دے

دیکھا آپ نے یہ مثال ہے بزرگوں کی اور ان کے ماننے والوں کی۔ ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بزرگ ہوا ہو۔ اور لوگوں نے ان کو جانا پہچانا نہ ہو۔ بجز اس کے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مخفی ہی رکھنا چاہا ہو اور جسے مخلوق کی نفع رسانی کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔ اس کو لوگوں نے بہت مانا ہے۔

دہلی ہی کا ایک اور واقعہ سُناتا ہوں ربط آپ ملا لیجئے گا۔ باقی عشق و محبت کی باتیں تو بے ربط ہی ہوا کرتی ہیں۔ ایک شخص نے ایک بزرگ سے درخواست کی کہ ہماری لڑکی کی شادی ہے آپ فلاں رئیس کے یہاں میری سفارش فرما دیجئے۔ انھوں نے

اس کے نام ایک رُقعہ لکھ دیا اس شخص نے لے جاکر اس امیر کو دیا۔ وہ رئیس ان بزرگ کا مخالف تھا ان کا پرچہ دیکھ کر جل گیا اور بہت غصہ ہوا اور اس رُقعہ لانے والے سے کہا کہ ان سے کہدو کہ اس کو اپنے فلاں مقام میں رکھ لیں۔ یہ شخص واپس چلا آیا اور بہت نادم ہوا۔ کہ آج میں نے ان بزرگ کو گالی کھلوائی۔ جب ان بزرگ کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا کہ کیا ہوا اب یہ کیا کہتا خاموش رہا۔ انھوں نے اصرار کیا کہ نہیں بتاؤ کیا کہا "کہا کہ کیا کہوں" حضرت کو گالی دی ہے؟ اور آپ کو ایسا ایسا کہا ہے۔ فرمایا کہ اس کے پاس پھر جاؤ اور اس سے کہو کہ اگر ایک مسلمان کا کام اس سے چل جائے تو میں اس کے لئے تیار ہوں اس نے جاکر کہا" اس جملہ کا سُننا تھا کہ وہ امیر اپنی جگہ سے اُٹھا اور گرتا پڑتا ان بزرگ کی خدمت میں پہنچا۔ نہ جانے کیا تصرّف کر دیا تھا اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت معاف فرما دیجئے میں آپ کو پہچانتا نہیں تھا اور کہا کہ یہ تھیلی حاضر ہے اس میں سے جتنا روپیہ چاہئے اس کو دے دیجئے اس لئے کہ یہ شخص میرا محسن ہے۔ اسی کی وجہ سے میں نے آپ کو پہچانا۔ دیکھتے ہیں آپ جو بے اعتقادی کی بات تھی وہی ذریعہ اعتقاد بن گئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سُنا اور ایک یہی کیا۔ حضرت ایسی ایسی بہت سی باتیں بیان فرماتے تھے جن سے عبرت ہوتی تھی اور ایمان تازہ ہوجاتا تھا ہم نے سیکھا ہی نہیں ورنہ ایسے نہ ہوتے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ اور بیان کرتا ہوں۔ مکہ میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ سودا وغیرہ خود جاکر لے آتے تھے اور ان کا یہ طریقہ تھا کہ کسی دوکان سے دو پیسہ کا بھی سودا لیتے تو پوری ہمیانی اُلٹ دیتے اور اس میں دو پیسہ نکال کر دوکاندار کو دیتے اور بقیہ پیسہ پھر اسی تھیلی میں رکھ کر چلے آتے۔ ایک دفعہ کسی اُچکے نے تاک لیا۔ جب وہ بزرگ گلی میں مُڑے تو ان کے ہاتھ سے تھیلی اُچک کر چمپت ہوگیا۔ انھوں نے مُڑ کر دیکھا بھی نہیں کون کیا لے گیا اور اپنے گھر میں داخل ہوگئے۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ گلی میں ایک شور سُنا کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ لوگو! شیخ جو اس گھر میں رہتا ہے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے محلہ کے لوگ جمع ہوگئے۔ اور سب لوگوں نے اسی کو ڈانٹنا شروع کیا کہ چُپ رہو کیا بکتے ہو؟ اس گھر میں تو ایک بزرگ آدمی رہتے ہیں۔ اس نے کہا نہیں ان کو بلاؤ انھوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ لوگوں نے دستک

دی۔ شیخ اندر سے باہر آئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت کیا معاملہ ہے؟ یہ شخص کچھ کہہ رہا ہے۔ اس سے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا یہ اپنی تھیلی لے لیجئے کہا یہ میری نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں یہ آپ ہی کی ہے۔ میں نے آپ کے ہاتھ سے لی ہے۔ لوگ حیرت میں پڑ گئے کہ یہ کیا قصہ ہے۔ شیخ فرما رہے ہیں کہ میری نہیں ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ نہیں اور اس کو شیخ کا ظلم بتلا رہا ہے۔ بالآخر لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت کیا راز ہے کچھ سمجھ میں نہیں آیا بتلا دیجئے فرمایا کہ بھائی اس نے جب میرے ہاتھ سے لیا تو میں نے یہ خیال کیا کہ میری وجہ سے ایک مسلمان پر قیامت میں مواخذہ ہو۔ یہ اسے ہبہ کر دیا قبضہ اسی کا تھا ہی ہبہ قبضہ سے تام ہو جاتا ہے لہٰذا اب یہی اس کا مالک ہے میں نہیں ہوں۔ لوگوں نے کہا بھائی تو ہی رکھ لے اب یہ اس کو واپس نہ لیں گے۔ اس شخص نے کہا کہ میری آنکھ تو درست کر دیجئے۔ آپ کے روپیہ لینے کی وجہ سے میں اندھا ہو گیا ہوں۔ گھر کی طرف کا راستہ ہی نظر نہیں آتا۔ انھوں نے دعا کر دی اس کی آنکھ درست ہو گئی تمام مکہ میں ایک شور ہو گیا کہ ایک شخص نے ایسی حرکت کی اور بھگت گیا۔ فقط تمام شد

"ایک طالب کا تاثر"

حضرت مدظلہ العالی کا ایک مضمون اس سے قبل طریق کار کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس کو الحمد للہ لوگوں نے پسند کیا اور اس کے پڑھنے سے آنحضرت کے رسالہ معرفت حق کے مطالعہ کی توفیق عطا ہوئی ضلع کھیری کے ایک صاحب نے جو اپنے ہی سلسلہ کے آدمی ہیں مجھ سے آکر خود بیان کیا کہ الحمد للہ جس دن سے مضمون طریق کار کو پڑھا ہے اسی دن سے سمجھ میں آیا کہ اگر جلدی جلدی صحبت شیخ میسر نہ آوے تو یہ بھی ایک طریقہ ہے اصلاح کا کہ شیخ کے مضامین کو ہی مطالعہ میں رکھے اور سمجھ کر پڑھے جو اثر میں بمنزلہ صحبت شیخ کے ہی ہے اور اسی دن سے معرفت حق منگوا کر مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور اپنی اصلاح میں لگ گئے۔

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فسادِ اُمّت اور تمسّک بالسُّنّۃ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :۔

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ۔ یعنی جس نے میری سنت کے ساتھ تمسک کیا میری امت کے فساد کے زمانہ میں اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے تو جو لوگ تصدیق نبوی کرتے ہیں ان کے لئے آپ کی تصدیق اور آپ کے ارشاد کا سمجھنا ضروری ہے۔ لہذا ہمکو تمسک کا مطلب بھی سمجھنا ہوگا۔ سنت کو بھی سمجھنا ہوگا۔ اور فساد امت کو بھی سمجھنا ہوگا۔ اور یہ معلوم کرنا ہوگا کہ علماء اس کا کیا مطلب بیان فرماتے ہیں۔

چنانچہ مجھ پر بھی اس حدیث میں آیا ہوا لفظ فساد بہت ہی شاق ہوا۔ فکر ہوئی کہ دیکھنا چاہیئے کہ علماء اس کی کیا شرح فرماتے ہیں اسلئے کتب کی مراجعت کی تو دیکھا کہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس حدیث کو نقل کرکے اس کا ترجمہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

ترجمہ :۔ ہر کہ لازم گیرد سنت مرا نزد فاسد شدن امت من اورا ثواب صد شہید باشد از یں حدیث معلوم شد کہ ہر کہ سنت را محکم گیرد در زمان فساد امت و غلبۂ کفر و معاصی اورا ثواب برابر صد شہید باشد۔ (ارشاد الطالبین ص۳۵)

یعنی جو شخص میری سنت کو میری امت کے فساد کے زمانہ میں مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے گا اسکو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ تو حدیث کا ترجمہ ہوا آگے اس کا مطلب بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص سنت کو مضبوط

پکڑے گا فسادِ امت کے زمانہ میں یعنی جب کہ کفر و معاصی کا غلبہ ہو جائے تو اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔

قاضی صاحبؒ نے تمسک کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ لازم گیرد۔ یعنی سنت کا ملازم ہو جائے اور اس کو اس طرح سے مضبوط پکڑ لے کہ کسی کے چھڑانے سے اسکو نہ چھوڑے۔ یہ معنی تمسک کے بالکل صحیح اور نہایت عمدہ ہیں۔ باقی فسادِ امت کا مطلب جو بیان فرمایا کہ درزمانۂ غلبۂ کفر و معاصی، تو اگرچہ اس کی صحت میں کلام نہیں مگر مفہوم کی وضاحت کے لئے اتنا کافی نہیں۔

مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں ملّا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں :-

(مَنْ تَمَسَّكَ) اَیْ عَمِلَ (بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ) اَیْ عِنْدَ غَلَبَةِ الْبِدْعَةِ وَالْجَهْلِ وَالْفِسْقِ فِیْهِمْ۔ (ص۲۶۶ ج ۱)

یعنی جس نے عمل کیا میری سنت پر فسادِ امت کے وقت یعنی جبکہ اس میں بدعت اور جہل اور فسق کا غلبہ ہو جائے۔

دیکھئے صاحب مرقاۃ نے تمسک کے معنی تو صرف عمل کرنے کے فرمائے لیکن فسادِ امت کی تشریح بہت عمدہ کی ہے یعنی یہ کہ جس وقت امت میں بدعت، جہل و فسق کا شیوع ہو جائے اس وقت جو شخص میری سنت پر عامل ہوگا اور اسکو مضبوط پکڑے رہے گا اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔

میں کہتا ہوں کہ فسادِ امت کی تشریح میں صاحب مرقاۃ نے بدعت، جہل اور فسق تین الفاظ اختیار فرمائے۔ اس کے باوجود مضمون ابھی تشنہ ہے۔ اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فسادِ امتی فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد سے یہاں ایسی چیزوں کا شیوع مراد ہے جس میں امت کو عام ابتلا ہو جائے اگرچہ بدعت، جہل اور فسق میں ابتلاء بھی فساد ہے اور فساد کی یہ تشریح و تفصیل صحیح بھی ہے، مگر میں انھیں اکابر کی برکت سے کہتا ہوں کہ فساد کی شرح حبِ دنیا، عدم حبِ آخرت، غلبۂ نفس، غلبۂ ہویٰ و ہوس بھی ہے۔ یہ ابتلاء ان سب سے بڑھ کر ہے جن کا ذکر علماء نے کیا ہے۔ کیونکہ اعلیٰ درجہ کا فساد یہی ہے کہ انسان آخرت ہی کو بھول جائے اور حق تعالیٰ کی محبت اور جنت کی محبت اور نار کا خوف اس کے دل سے نکل جائے اور اس کی جگہ دنیا کی محبت آجائے۔ کیونکہ آخرت کے بھولنے کے لئے دنیا کی محبت لازم ہے۔ اور حبِ دنیا دل میں آجاتی ہے تو اَلشَّیْءُ اِذَا ثَبَتَ، ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ[عـہ] کے قاعدے سے دنیاداروں کے سب اخلاق و صفات بھی آجاتے ہیں۔ آج ہم حبِ دنیا کے کیسے شکار ہو گئے ہیں۔ بس اسی سے عدم حبِ عقبیٰ بھی ہم میں آگئی ہے۔

عـہ یعنی جب کوئی چیز آتی ہے تو اپنے لوازم بھی ساتھ لاتی ہے ۱۲۔

صاحب مرقات نے تو فساد کی شرح کرتے ہوئے سب سے پہلے بدعت کو لیا ہے۔ پھر جہل کو پھر فسق کو، لیکن میں اسی کو یوں کہتا ہوں کہ امت میں فساد پھیل جانے کا مطلب یہ ہے کہ جب ان میں جہل کا غلبہ ہو جائے یعنی شریعت کا علم اٹھ جائے اور اعتقادیات سب ختم ہو جائیں۔ اور جب فسق کا غلبہ ہو جائے یعنی عمل اُٹھ جائے اور جب بدعت کا غلبہ ہو جائے یعنی سنت متروک ہو جائے۔ سنت وغیر سنت میں فرق ہی ختم ہو جائے بلکہ بدعت ہی سنت کی جگہ لے لے۔

میں نے اپنی شرح و تعبیر میں جہل کو مقدم اس لئے کہا ہے کہ اصل مرض اور اصل فساد اس امت کا جہل ہی ہے۔ یعنی جہل علمی اور اسی سے ناشی ہے فسق یعنی جہل عملی، اور بدعت چونکہ سنت کی ضد ہے اس لئے یہ بھی فساد ہے۔ یعنی یہ جہل ہی کے ثمرات ہیں کہ لوگوں کا آخرت پر کامل ایمان نہیں ہے اور جنت کی محبت قلب میں نہیں ہے اور اس کے لئے دنیا کی محبت لازم ہے اور پھر اس کے بعد فسق میں، بدعات میں جس چیز میں بھی انسان نہ مبتلا ہو جائے کم ہے۔

سنو! میں جہل کو اصل فساد اس لئے کہہ رہا ہوں کہ دنیا میں جو لڑائی ہے وہ دراصل علم اور جہل ہی کی ہے اور ان کے واسطے سے عالم اور جاہل میں جنگ ہے۔ یہ جنگ ابتدا آفرینش ہی سے چلی آ رہی ہے۔

دیکھو حضرت سیدنا آدم علیہ السلام عالم تھے تو ان کا مقابل ابلیس جاہل تھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام عالم تھے تو ان کے زمانہ میں نمرود جاہل تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام عالم تھے تو ان کے وقت میں فرعون جاہل تھا۔ پھر حضرت سیدنا مولٰنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید العلماء تھے تو آپ کے مقابلہ میں جو شخص آیا اس کا لقب ہی لوگوں نے ابوجہل رکھ دیا۔ الغرض تمام انبیاء علیہم السلام اعلیٰ درجہ کا علم رکھتے تھے اسلئے کہ نبی کا علم سب لوگوں سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے اور ان کے مقابل اسی درجہ کے جاہل تھے۔

درحقیقت جہل کافروں کی صفت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ۔ یعنی اے جاہلو (اور اے کافرو) کیا تم مجھے یہ حکم دے رہے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرنے لگوں؟

دیکھئے یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ کے لقب سے ملقب فرمایا اس لئے کہ اصل مرض کفار کا جہل ہی تھا اور یہی جہل سبب بنا ان کے کفر و عناد کا۔

بات یہ ہے کہ علم حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے اور اس کے پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے ہیں۔ لہذا جو لوگ ان پر ایمان نہیں لاتے اور ان کی اتباع نہیں کرتے وہ علم سے محروم رہتے ہیں۔ ان کے پلّے بس صرف جہل ہی رہ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے جاہلوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ عالم کا مقابلہ اپنے جہل سے کریں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر لوگ علم کی جانب توجہ کرینگے تو پھر تو ہماری

قیادت وقیادت ختم ہی ہو جائے گی اور جہل کی سلطنت میں زوال ہی آجائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے اپنے وقت میں یہی جاہل حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقابل ہوئے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اگر علم پہونچانا چاہا تو انھوں نے جہل ہی پیش کیا۔ غرض ہر زمانہ میں ان جاہلوں نے عالموں کا مقابلہ ضرور کیا ہے۔

یہ گفتگو میں اس لئے کر رہا ہوں کہ شاید کسی کی سمجھ میں یہ بات آجائے کیونکہ قلوب بالکل فاسد ہو چکے ہیں یہ دور انتہائی بد دینی، بداخلاقی، اور جہل وعناد کا دور ہے۔ اب اس میں اگر چاہو کہ صرف تقریر کرکے لوگوں کو ٹھیک کرلو تو یہ بہت مشکل ہے۔ اس زمانہ میں اصلاح کے لئے ایمان اور قلبی نور کی ضرورت ہے۔ مصلح کو یہ بات خود سمجھنا اور لوگوں کو بھی سمجھانا ضروری ہے۔

دوسرا فساد فسق کا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ علم تو ہو مگر نفس کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو رہا ہو۔

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

جس طرح جہل کہتے ہیں علم کے فساد کو اسی طرح فسق کہتے ہیں عمل کے فساد کو۔ اس کو میں دوسرے درجہ کا فساد سمجھتا ہوں یعنی جہل میں تو آدمی کو سنت اور شریعت کا علم بھی نہیں ہوتا لیکن فسق میں علم اگرچہ ہوتا ہے مگر آدمی اس پر عمل نہیں کرتا۔

پس ایک تو یہ ہے کہ آدمی علم کو مانے ہی نہیں یہ تو ہے کفر اور ایک یہ ہے کہ آدمی دل سے تو اسے مانتا ہے مگر اس پر اس کا عمل نہیں ہے۔ یہ ہے فسق۔ گویا علم کا مقابل تو ہوا جہل اور عمل کا مقابل ہوا فسق۔

اور تیسرا فساد، بدعت ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ بھی جہالت ہی کا کرشمہ ہے اور جملہ فسادات میں بدعت سب سے اشد ہے۔ یعنی منشا و سرچشمہ اس کا بھی جہل ہی ہے۔ اور جہل کا فرد اعلیٰ یہ بدعت ہے۔ کیونکہ بدعت نام ہے علم اور سنت کے بالمقابل ایک نیا طریقہ خود ایجاد کر لینے کا۔ اس کی اصلاح بہت دشوار ہوتی ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کی تصدیق اور ان پر ایمان پھر سنت وشریعت کی بھی محبت اور تصدیق ہو تب کہیں جاکر آدمی اس سے خلاصی پاسکتا ہے۔ ورنہ معاملہ بہت مشکل ہے۔ اسکی ایک مثال سنیئے:۔

ایک عالم کو ان کے مخالفین نے شاہی محل کی ایک رئیسہ کے کان بھر کر ان کی جانب سے وعظ کے لئے مدعو کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ موقع نکال کر آج ان کو ان رئیسہ سے مجمع عام میں گالیاں کھلوائیں تاکہ ان کی خوب رسوائی اور بے عزتی ہو۔ مولانا کو پہونچنے میں اتفاقاً کچھ دیر ہو گئی۔ وہ رئیسہ غصہ میں بھری بیٹھی تھیں کہ اتنے میں مولانا تشریف لے آئے، اطلاع پاکر وہ اندر سے بولیں کہ مولوی۔۔۔۔ آگئے،،

ان کے لہجہ اور تیور سے مولانا نے رنگ محفل بھانپ لیا اور معاملہ کی تہہ کو پہونچ گئے کہ آج میری رسوائی کا پورا سامان ہے، فرمایا" اخاہ! اماں جھکّو ہیں کیا؟ اماں سلام! عورتوں کی تو فطرت ہی ہے کہ وہ سلام وغیرہ سے بہت ہی خوش ہو جاتی ہیں۔ اماں جھکّو تو اتنے ہی سے خوش ہو گئیں۔ کہا۔ جیتے رہو، پھر ان کے گھر بھر کی خیر خیریت دریافت کرنے لگیں "فلاں کیسے ہیں؟ فلانی کیسی ہیں؟ جب یہ سب ہو گیا تو پوچھا کہ "کیوں جی فلانے! سنا ہے تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو؟ مولانا نے فرمایا کہ "اماں نہیں تو!" کہا لوگ تو کہتے ہیں (اور یہ لوگ بھی اسوقت مجلس ہی میں موجود تھے) مولانا نے فرمایا" غلط کہتے ہیں، میں تو منع نہیں کرتا" یہ سنکر وہ تو خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا "اماں! میں تو بی بی کی صحنک کو منع نہیں کرتا۔ ہاں بی بی کے ابّا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) منع کرتے ہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے۔ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام دوزخ ہے۔ یہ حدیث پڑھ کر مولانا نے ایک نہایت موثر وعظ فرمایا۔ بی بی جھکّو پر وعظ کا بہت اثر ہوا۔ انھوں نے کہا" ہم بی بی پر ایمان تھوڑی لائے ہیں ہم تو بی بی کے ابّا جان پر ایمان لائے ہیں، ہم تو یہ سب اس لئے کرتے تھے کہ سمجھتے تھے کہ بی بی کے ابّا جان اس سے خوش ہوتے ہیں لیکن جب آپ ہی کو یہ پسند نہیں بلکہ آپ اس سے ناراض ہوتے ہیں تو ہم ایسا کام نہ کرینگے۔ اور اس کے بعد محل کی عورتوں کی جانب مخاطب ہو کر کہا کہ سُن لو آج کی تاریخ سے اگر کسی نے اس رسم یعنی بی بی کی صحنک کو محل میں کیا تو اس کی چٹیا کاٹ لوں گی" ان کے اس اعلان سے مخالفین کی تو ساری اسکیمیں خاک میں مل گئیں اور مولانا وہاں سے مظفر و منصور واپس تشریف لائے۔

یہ واقعہ میں نے اسپر سنایا کہ بدعت سے نکلنا بہت ہی مشکل ہوا کرتا ہے مگر یہ کہ کسی کے قلب میں اللہ و رسول کی اور سنت و شریعت کی محبت ایسی ہی راسخ ہو جاتی ہے تب تو وہ اس کی برکت سے اسکے دل سے نکل جاتی ہے۔ ورنہ اس کا نکلنا ہے بہت دشوار۔ غرض بدعت کا فساد بڑا اس لئے ہے کہ اس میں سنت بالکل متروک ہی ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ دوسری نئی چیز دین اور ثواب کا کام بنکر آجاتی ہے۔ جہل میں تو علم ہی نہیں ہوتا۔ فسق میں علم ہوتا ہے مگر عمل نہیں ہوتا۔ اور بدعت میں عمل ہوتا ہے مگر اپنی خواہش کے مطابق اور سنت کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں:-

مَرَاسِمُ الشَّرِيعَةِ مُضَادَّةٌ لِلْهَوَىٰ (موافقات ج ۱ ص ۳۳۲)

یعنی شریعت کے جملہ رسوم خواہشات نفس کے بالکل ضد ہیں اور فرماتے ہیں:-

اِتِّبَاعُ الْهَوَىٰ ضِدُّ اِتِّبَاعِ الشَّرِيعَةِ (موافقات حوالہ بالا)

یعنی ہوی کا اتباع شریعت کے اتباع کے بالکل برعکس ہے یعنی جو شخص متبع ہوی ہے وہ متبع شریعت نہیں ہوسکتا۔ اگر اتباع شرع کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اتباع نفس کو ترک کرنا ہوگا۔ چنانچہ جب امت میں فساد اور بگاڑ واقع ہوتا ہے تو اس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ جہل وفسق اور بدعات کا نیز حب دنیا، ترک حب عقبیٰ اور نفس ہوی وہوس کا غلبہ ہوجاتا ہے: اور انسان سنت کو بالکل بھول ہی جاتا ہے۔ تمام لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں زمانہ کے رسم ورواج کے خلاف کسی سنت یعنی نبوی سیرت کا احیا ظاہر ہے کہ آسان نہیں اسلئے اس کا اتنا بڑا اجر ہے لڑائی میں اپنا گلا کٹوا دینا آسان ہے مگر یہاں ایک مردہ شے کو زندہ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری روایت میں یہی الفاظ آتے ہیں۔

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْیٰی سُنَّۃً مِّنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئٌ وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَۃً ضَلَالَۃً لَا یَرْضَاھَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِھَا لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْئٌ

(مشکوٰۃ عن الترمذی)

یعنی بلال بن حارث مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری سنتوں میں سے کسی سنت کو جو مردہ ہوچکی ہو زندہ کیا تو اسکو ان تمام لوگوں کے عمل کے برابر ثواب ملیگا جنھوں نے اس پر عمل کیا ہوگا۔ بدون اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب سے کچھ کم بھی کیا جائے لیکن جس شخص نے کوئی نئی گمراہی ایجاد کی جس سے اللہ اور اسکے رسول راضی نہیں بلکہ اسکو ناپسند کرتے ہیں اس پر اس کا بھی گناہ ہوگا اور جن جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ان سب کے گناہوں کے برابر گناہ اس پر بھی ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے بوجھ میں کچھ بھی کم کیا جائے۔ (مشکوٰۃ عن الترمذی)

غرض حدیث میں تمسک بھی آیا ہے اور احیی بھی آیا ہے اور قاعدہ اَلْحَدِیْثُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا کی بنا پر ایک کی دوسری سے شرح ہوگئی اور حاصل دونوں کا ایک ہی ہوا۔ پس سب سے بڑا فساد یہ ہے کہ سنت مٹ جائے اور بدعت اسکی جگہ لے لے جیسا کہ اپنے زمانہ میں ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو سنت سے بہت ہی بعد ہوگیا ہے یہاں تک کہ ایک متبع سنت عالم کی آج لوگوں کی نظروں میں کوئی قدر ومنزلت نہیں ہے اور دوسرے دوسرے لوگوں کی خوب آؤ بھگت کیجاتی ہے میں نے اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ دیہاتیوں کو دیکھا کہ عالم دین سے تو انھیں وحشت اور نفرت ہے لیکن اگر ان کے پاس کچھ لوگ آنے جانے لگتے ہیں تو ان سے یہ لوگ خوب ربط ضبط رکھتے ہیں اور خوب بڑھ بڑھ کر مصافحہ کرتے ہیں۔ عالم دین کی ان کے نزدیک اتنی عزت

نہیں ہے جتنی ایک پٹواری کی ہے۔ عالم کے تو سائے سے بھاگتے ہیں لیکن اگر کوئی پٹواری ان کے یہاں آجاتا ہے تو اس کے لئے پلنگ بچھائی جاتی ہے اس پر نہایت صاف بستر لگتا ہے مگر پھر یہ بھی دیکھا کہ جب ان کو یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ اس پٹواری نے کھیت کے نمبرات اِدھر سے اُدھر دوسرے کے نام کر دیئے تو اسکو گالی بھی دیتے ہیں میں یہی کہتا تھا کہ یہ تمہاری دنیاداری کی سزائے معجل ہے۔

بہرحال عالم دین اور متبع سنت ان لوگوں کے نزدیک اس زمانہ میں اجنبی اور غیر مانوس ہوگئے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد کہ بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ مِنْ اُمَّتِیْ آج بالکل صادق آرہا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام ابتدائی زمانہ میں بھی غریب اور اجنبی تھا یعنی اسکے جاننے پہچاننے والے بہت کم لوگ تھے اور عنقریب پھر اسی طرح اجنبی ہو جائے گا جیسا شروع میں تھا۔ پس خوشخبری ہو میری امت کے اجنبیوں کے لئے۔

آگے اسی حدیث میں ہے کہ :-

قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مَنِ الْغُرَبَاءُ مِنْ اُمَّتِكَ ؟ قَالَ اَلَّذِیْنَ یُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِیْ مِنْ سُنَّتِیْ۔ یعنی عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی امت کے وہ غریب اور اجنبی لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو اصلاح کریں اس سنت کی جسے میرے بعد لوگوں نے فاسد کردیا ہو۔

اس حدیث کو نقل کرکے صاحب مدخل لکھتے ہیں :-

فَمَنْ کَانَ بَاکِیًا فَلْیَبْكِ عَلٰی نَفْسِہٖ وَعَلَی الْاِسْلَامِ وَغُرْبَتِہٖ وَغُرْبَۃِ اَھْلِہٖ وَالْعَامِلِیْنَ بِالسُّنَّۃِ (مدخل ج ۱ ص ۲۶۳)

یعنی جو شخص رو سکتا ہو وہ یہ سنکر پہلے تو خود اپنے نفس پر روئے پھر اسلام پر اور اس کی غربت پر اور اہل اسلام کی غربت و کس مپرسی پر اور عاملین بالسنۃ کی کس مپرسی پر روئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنت کا ترک ہوجانا یہی فساد ہے۔ پس جس طرح جہل کا غلبہ، نفس کا غلبہ، بدعت کا غلبہ۔ معاصی و فسق کا غلبہ یہ سب امور فساد ہیں۔ اسی طرح ترک سنت کا غلبہ بھی فساد ہے جو لوگ ایسے وقت میں سنت پر عمل کرینگے اور اسکو مضبوط پکڑے رہیں گے وہ بڑے درجہ کے لوگ ہیں اور یوں سمجھو کہ جو لوگ کفار سے جہاد کرنیوالے ہیں ان سے بھی درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک مُردہ سنت کو زندہ کرنے والا اجر میں سو شہیدوں کے برابر ہے۔ اور یہ اسلئے کہ ان میں قوت ان سے زیادہ ہے کیونکہ جہاد کرنے والا تو بدن کی قوت سے لڑتا ہے اور یہ شخص اپنے ایمان کی قوت سے لڑتا ہے اور ایسے فساد کے زمانہ میں احیاء سنت کرتا ہے۔ لوگوں کا

فساد اس کو برگشتہ نہیں کرتا بلکہ یہ اس کی اصلاح کرتا ہے اور اپنے نفس اور اپنے ماحول سبھی کا مقابلہ بیک وقت کر رہا ہے۔

یہاں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوی کی رو سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس شخص کو اتنا اتنا اجر ملتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شخص فسادی نہیں ہے کیونکہ امت کے فساد کے زمانہ میں اس نے فساد کو ختم کرنے کے لئے قدم اٹھایا ہے تو جو شخص کہ فساد کے خلاف علم جہاد بلند کر رہا ہے وہ خود فسادی کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور اس کے برخلاف جو لوگ جاہل ہیں۔ اہل نفس یا اہلِ معاصی ہیں یا مبتدع ہیں، یا محبِ دنیا ہیں، یا تارکِ حبِ آخرت ہیں یہ سب لوگ فسادی ہیں اور جیسا کہ میں نے کہا ان سب کی اصل نفس اور ہوی کا غلبہ ہے کیونکہ یہی انسان کو خدا سے غافل کر دیتا ہے۔ یہی آخرت کو بھلا دیتا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے دنیا ترک کی ہے تو وہ آخرت کے شوق کی وجہ سے کی ہے کیونکہ جس دل میں ذرا سی بھی محبت آخرت کی آجاتی ہے دنیا کی محبت اس سے بالکل نکل جاتی ہے اور جس قلب میں دنیا سمائی ہوئی ہے فکرِ آخرت اس سے بہت دور ہو جاتی ہے۔ اور اسی نفس کے اخذ اور ترک پر آخرت کی شقاوت اور سعادت موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

یعنی جس شخص نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی تو سُن رکھو کہ جہنم ہی ایسوں کا ٹھکانا ہوگا۔ اور جو شخص اپنے رب کی پیشی کے خیال سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو اس نے خواہشات سے روکے رکھا تو یقین رکھو کہ ایسوں کا ٹھکانا جنّت ہوگا۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کو ترجیح دینا اور نفس کا طغیان ہی سبب خسران ہے اور باعث دخول نیران بنتا ہے۔ اسی نفس کو زیر کرنے کے لئے اور انسان کو عبد النفس بننے سے بچا کر عبد اللہ بنانے کے لئے شریعت آئی ہے۔ علماء نے اس کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ صاحب الموافقات لکھتے ہیں:۔

قَصْدُ الشَّارِعِ مِنْ وَضْعِ الشَّرَائِعِ اِخْرَاجُ النُّفُوْسِ عَنْ اَهْوَائِهَا وَعَوَائِدِهَا

(ج ۱ ص ۲۳۶)

یعنی شارع کا شریعت اُتارنے سے مقصد ہی نفوس کو ان کی خواہشات اور عادات سیئہ سے نکالنا ہے اسی طرح سے ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:۔

نَعَمْ وَضْعُ الشَّرِيْعَةِ عَلٰى اَنْ تَكُوْنَ اَهْوَاءُ النُّفُوْسِ تَابِعَةً لِمَقْصُوْدِ الشَّارِعِ فِيْهَا۔

(موافقات ج ۱ ص ۲۳۷)

یعنی شریعت کی وضع ہی اس نہج پر ہوئی ہے کہ نفوس کی خواہشات کو شارع کے مقصد کے تابع بنایا جائے۔
یہی وجہ ہے کہ اگر شریعت اور سنت کو ترک کردیا جائیگا اور اسکی جگہ ہوائے نفسانی کی اتباع کی جائیگی تو دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو شریعت کا انکار کر کے نفس کا اتباع کیا جائے گا یہ تو کفر ہے۔ اور یا شریعت کا انکار تو نہ ہوگا لیکن اس کے احکام کو ترک کر کے نفس کے حکم پر چلا جائے گا اس کا نام فسق ہے۔

اب یہ عالم کے ذمہ ہے کہ لوگوں کو بتلائے کہ تم یہ کیا کر رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو۔ ان سے کہے کہ تم ہوی پر چل رہے ہو۔ نفس کو پکڑے ہوئے ہو۔ اس سے نکلو اور اس سے نکلنے کا طریقہ اور ذریعہ اتباع سنت ہے۔ کیونکہ نفس اور ہوی ہی کے مارنے کے لئے احکام آئے ہیں۔ انہی پر چلکر خدا کا راستہ پایا جا سکتا ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جز بر پئے مصطفےٰ
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ہوی میں اور شریعت میں بالکل تضاد ہے اتباع الھوی ضد اتباع الشریعۃ لہذا اہل نفس کو (یعنی متبع ہوی کو) ابتداءً اپنی خواہش کے علاوہ سب احکام شاق معلوم ہوتے ہیں خواہ وہ احکام فی نفسہ شاق ہوں یا نہ ہوں اور یہ اس لئے کہ یہ احکام اسکو اسکی مراد سے روکتے ہیں اور نفس جو ابتک خوب گلچھرے اڑاتا تھا اس میں مانع بن جاتے ہیں لیکن جب سالک (مکلف) ہمت کر کے اپنی خواہش کو ترک کردیتا ہے اور اپنے نفس کو اس سے روک لیتا ہے اور جو عمل کہ شریعت کیجانب سے اس سے چاہا گیا ہے اسپر اپنے کو لگا لیتا ہے تو قاعدہ ہے کہ انسان جس کام کو بار بار کرتا ہے اس کا خوگر ہوجاتا ہے اور اس سے اس کو ایک قسم کی محبت ہوجاتی ہے اور اس کی تلخی مبدل بہ لذت ہوجاتی ہے بلکہ یہ ہوجاتا ہے کہ اب اس کے خلاف کرنا نفس پر شاق گذرتا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل خود وہ عمل شاق تھا اور نفس کا حکم لذیذ تھا۔

اس لئے انسان میں بس طلب ہونا چاہیئے پھر اسکے بعد جب احکام کو اختیار کریگا تو اس کا فائدہ یعنی فنائے نفس خود بخود سامنے آئے گا۔ بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ان پر عمل کرے اور اس پر مداوم رہے۔

آپ کے سامنے ہوائے نفسانی کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

ایک صاحب سردیوں میں ریل کا سفر کر رہے تھے اتفاقاً انھیں غسل کی حاجت ہوگئی۔ اب نہ وہاں تنہائی اور نہ گرم پانی۔ فجر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ ایسی حالت میں آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کس قدر مخمصہ میں پڑے ہوں گے۔ نفس اس حکم کو ٹالنا چاہتا ہوگا کہ پھر غسل کر لینا اور قضا پڑھ لینا۔ لیکن شریعت کی محبت اور اللہ اور رسول کے حکم کا تقاضا تھا کہ غسل کر کے نماز ادا کیجائے۔ بالآخر اللہ اور رسول کی تصدیق غالب آئی اور

ہمت کر کے نفس کو زیر کر لیا۔ پھر تدبیر بھی سمجھ میں آگئی وہ یہ کہ ایک بہشتی سے کہا کہ میں پلیٹ فارم پر بیٹھا جاتا ہوں تم ایک مشک پانی میرے اوپر ڈالدو چنانچہ غسل کر کے اندر آگئے اور کپڑے بدل کر نماز ادا کی۔ اپنا یہ واقعہ سنا کر حضرت سے خود کہتے تھے کہ حضرت اس نماز میں اتنا لطف آیا کہ ویسی لذت اس سے پہلے کبھی نماز میں نہ ملی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ طاعت کے ادا کر لینے کی لذت ہے جیسا کہ صاحب موافقات کے کلام میں ابھی آپ نے دیکھا۔ غرض اللہ والوں کو شروع شروع میں اپنے جوارح اور اعضاء بدن۔ ناک۔ کان۔ سر آنکھ۔ زبان۔ پاؤں وغیرہ سے مخالفت اور دشمنی کرنی پڑتی ہے اسلئے کہ یہ سب کے سب خلاف مرضی محبوب کام ان سے کرانا چاہتے ہیں اور یہ حضرات کرنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ ان کو مجاہدہ بھی بہت کرنا پڑتا ہے لیکن جب یہی سب اعضاء رام ہو جاتے ہیں اور حکم شرع کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں پھر ان حضرات کو ان سے محبت بھی ہو جاتی ہے اور وہ اب ان کے ساتھ نہایت ہی نرمی کا معاملہ کرنے لگ جاتے ہیں بلکہ ان کو اپنا محسن تصور کر کے ان کے ممنون احسان رہتے ہیں اور راہ محبوب میں چلنے میں ان کا واسطہ ہونا ملاحظہ کر کے ان پر ناز بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است | افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را | کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

یعنی میں اپنی آنکھ پر اب اس لئے ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرا جمال دیکھا ہے اور خود اپنے پیروں پر گرتا ہوں اس خیال سے کہ وہ تیرے کوچہ میں پہونچا ہے۔ ہر وقت اپنے ان ہاتھوں کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں محض اس تصور میں کہ اسی نے تیرا دامن پکڑ کر میری جانب تجھ کو کھینچا ہے۔

سبحان اللہ! اتباع سنت ہی کی برکت سے ان سب اعضاء کے فساد رفع ہو کر آج یہ اسقدر مکرم و محترم ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فساد سے تحفظ کا واحد ذریعہ اتباع سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم جنبنا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن وبارک لنا فی اسماعنا وابصارنا وقلوبنا وازواجنا وذریاتنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

عرضِ ناقل

حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ نے "تمسک بالسنۃ" کی یہ تقریر جو ناظرین کرام کے ملاحظے سے گذری، بزمانۂ قیام بمبئی یعنی دسمبر ۱۹۶۶ء بمقام کرلا سلیمان بلڈنگ میں ارشاد فرمائی تھی، لیکن اسی مضمون کے مناسب چونکہ حضرت والا کا ایک سابق رسالہ "مژدۂ جانفزا" کا مضمون بھی تھا۔ اسلئے اس رسالہ کو کسی قدر اضافے کے بعد اس رسالہ کیساتھ لاحق کیا جاتا ہے تاکہ ایک قسم کے مضامین یکجا ہو جائیں اور موجب ازدیاد نفع بنیں۔ والسلام

مرتب

مژدۂ جانفزا

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔ (رواہ البیہقی وابن حبان)

یعنی جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو لازم پکڑے گا اسکو سو شہیدوں کا اجر ملیگا۔

یہ حدیث نص ہے اس امر میں کہ اس امت کے فساد کے وقت جو شخص تمسک بالسنۃ کرے گا اس کو سو شہیدوں کے برابر اجر ملیگا۔ یعنی یہ حدیث ارشاد فرمائی ہی گئی ہے اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے۔

لیکن یہی حدیث ظاہر ہے اس مضمون میں کہ امت پر ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ جسکو زمانۂ فساد امت سے تعبیر کیا جائیگا اس لئے کہ عام طور سے لوگ راہ سنت کو چھوڑ کر کفر وفسق کی راہ اختیار کرینگے تاہم ایسے وقت میں کچھ لوگ ایسے بھی ضرور ملیں گے جو دوسروں سے اپنے علوم و کمالات میں زیادہ واقف۔ زیادہ عمیق اور نیک تر ہونگے اور اس فسق وفجور کے غلبہ کے باوجود یہ لوگ سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیں گے۔ ایسے ہی لوگ اس اجر عظیم کے مستحق ہوں گے یعنی ان کو سو شہیدوں کا ثواب ملیگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایسا وقت ہوگا کہ سنت پر عمل کرنا جان پر کھیل جانے کے مرادف ہوگا اس لئے کہ فساد کی وجہ سے سب لوگوں کا عمل سنت کے خلاف ہوگا۔ ایسی صورت میں کسی کا سنت کو اختیار کرنا عام لوگوں سے مخالفت مول لینے کے مرادف ہوگا۔ اسی لئے لوگ تمسک بالسنۃ سے گھبرائیں گے اور سنت کا اختیار کرنا ایسا ہوگا جیسے ہاتھ میں انگارہ لینا بمگر لوگوں کی مخالفت وغیرہ کی پروا نہ کرکے جو شخص ایسے وقت میں اتباع سنت کریگا وہ امت کا بڑا شخص ہوگا اور سرفروش اور جانباز سمجھا جائیگا۔ سنت اختیار کرنے میں اسکو جو جو مزاحمتیں پیش آئیں گی چونکہ ان کا مقابلہ جنگ میں ڈٹ کر ایک بار جان دیدینے سے کہیں زیادہ نفس پر شاق ہوگا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک نہیں بلکہ سو شہیدوں کا اجر فرمایا۔

حدیث شریف میں فساد امتی کا لفظ جو وارد ہے تو ہم اس کی تشریح کرتے ہیں کہ اسکا مفہوم اور مصداق کیا

ہے تاکہ لوگ اس سے احتراز کریں۔ سنئے فساد ضد ہے صلاح کی اور افساد ضد ہے اصلاح کی یہ تو اسکی مختصر تشریح ہے اور سنئے! قرآن شریف میں فساد اور افساد کی مذمت میں بہت آیتیں وارد ہیں پہلے ہی پارہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:-

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔ یعنی کیا آپ اس زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائیں گے جو اس میں فساد کریگا اور خونریزی کرے گا۔ اس میں سفک الدماء کو فساد پر عطف کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ افساد کا اعلیٰ فرد خونریزی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (سورہ بقرہ)

یعنی اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف بے حکمی کرنے والوں کو جو توڑتے رہتے ہیں اُس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اُس کے استحکام کے بعد اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وابستہ رکھنے کا اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں پس یہ لوگ ہیں پورے خسارہ میں پڑنے والے۔

اس آیت کے تحت صاحب روح المعانی نے افساد کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں اور آخر میں ایک تفسیر کو سب سے عمدہ کہا ہے مجھے بھی وہ تفسیر پسند آئی اس لئے اسکو نقل کرتا ہوں۔ وھو ھذا فرماتے ہیں کہ:-

یُفْسِدُوْنَ فی الارض ای بانھم یرتکبون کل معصیۃ یتعدی ضررھا ویطیر فی الآفاق شررھا ولعل ھذا اولیٰ۔ (روح المعانی پ۱)

یعنی زمین میں فساد کرتے ہیں یعنی وہ لوگ ایسی معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں کہ جس کا ضرر متعدی ہوتا ہے اور اس کی چنگاری اطراف عالم میں اڑ کر پھیل جاتی ہے۔ اور فساد کی یہ تفسیر سب سے بہتر ہے۔

واقعی افساد کی تشریح جن لفظوں میں بیان فرمائی ہے اس سے عمدہ تشریح میں نے کہیں نہیں دیکھی خوب ہی نقشہ کھینچا ہے اور یطیر فی الآفاق شررھا میں تو اس کی پوری حقیقت ظاہر فرما دی ہے اسلئے کہ جس طرح آگ لگتی ہے اور اس کے شعلے بلند ہوتے ہیں تو اس سے چنگاری اڑ کر دور دور تک پھیل جاتی ہے اور آس

عہ وھی ھذہٖ۔ افسادھم باستدعائھم الی الکفر والترغیب فیہ وحمل الناس علیہ او باخافتھم السبیل وقطعھم الطرق علیٰ من یرید الھجرۃ الی اللہ تعالیٰ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ انتھیٰ (ترجمہ) ان کا فساد یہ تھا کہ لوگوں کو کفر کی طرف بلاتے تھے اور اسکی ترغیب دیتے تھے اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرتے تھے ــــ یا یہ کہ ان لوگوں کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور ان کا راستہ روک رکھا تھا جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہجرت کرکے آنا چاہتے تھے۔ ۱۲

پاس کی چیزوں کو بھی خاکستر کر کے رکھدیتی ہے یہی حال فساد کا بھی ہے کہ اس کا ضرر لازم نہیں بلکہ متعدی ہوتا ہے بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا ضرر صرف مرتکب تک محدود رہتا ہے۔ لیکن فساد ان گناہوں میں سے ہے جس کا ضرر متعدی ہوتا ہے اور فساد مثل آگ کے ہے۔ پس جس طرح سے کہ آگ کی چنگاریاں دور دور تک اڑ کر جاتی ہیں۔ اسی طرح سے فساد کا اثر بد بھی اطراف و اکناف میں پھیل جاتا ہے اور فساد جب آگ ہے تو اس کی چنگاریاں یہی امور یعنی سب و شتم، لعن و طعن، ضرب و قتل، جنگ و جدل۔ نزاع و خصومت، غیبت و شکایت اور تذلیل و توہین وغیرہ ہیں فساد کا مفہوم اور مصداق اور اسی طرح افساد چونکہ قرآن و حدیث میں وارد ہوا ہے۔ پس اس کی تفسیر علمائے اہل تفسیر اور شراح حدیث ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس میں ہماری رائے اور قیاس کو دخل نہیں ہے۔ اسی بنا پر ہم نے ذرا مبسوط کلام کیا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ ہم مدرسہ ہی کو فساد بنالیں یا علم ہی کو فساد بنالیں۔ اسکی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی شخص کو چکر کا مرض ہو تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ ساری چیزیں حتیٰ کہ زمین آسمان سب گھوم رہے ہیں چنانچہ وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ مجھے پکڑو سب چیزیں گھومی چلی جارہی ہیں اس کو سنکر جو شخص صحیح و تندرست ہوتا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کو دوران سر کا دورہ ہو رہا ہے ورنہ کوئی چیز بھی گھوم نہیں رہی ہے خود اسی کا سر چکرا رہا ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ اگر چیزیں گھومتی ہوتیں تو مجھے بھی محسوس ہوتیں اس وقت اس کی یہی مثال سمجھ میں آئی ورنہ دوسری مثال سمجھ لیجئے۔

فساد کا مفہوم اور اس کا مصداق متعین ہو جانے کے بعد معلوم ہو گیا کہ شامت اعمال سے ہم سب اس میں مبتلا ہیں اور اس ابتلا کی خبر بھی نہیں ہر گھر میں یہ گھس گیا ہے سب اس کے شکار ہیں جس کو حدیث میں اصلاح ذات البین کے مقابلہ میں افساد ذات البین (یعنی آپس میں فساد ڈالنا) کہا گیا ہے اور اس کو حالقہ (یعنی ایمان کو مونڈ دینے والی چیز فرمایا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے پناہ دیں۔

اور سنئے افساد کے معنی علماء نے یہ بھی بیان فرمائے ہیں کہ مسلمانوں کی جماعت میں خرابی ڈالنا، اور فرمایا ہے کہ اس افساد کے بہت سے مراتب اور درجات ہیں کیونکہ زمان اور مکان کے عموم اور شمول کے اعتبار سے اسکی بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں مثلاً بعض فساد ایسا ہوتا ہے جس کا ضرر اور اثر صرف ایک ہی گھرانے اور خاندان پر پڑتا ہے لیکن ایک فساد اس قسم کا بھی ہوتا ہے کہ اسکی چنگاریاں پورے ایک شہر کو گھیر لیتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

اسی طرح بعض فساد ایسا ہوتا ہے جس کا اثر ایک محدود وقت تک رہتا ہے اور ایک فساد ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ زمانہ دراز تک کے لئے اپنے اثرات چھوڑ جاتا ہے۔

پھر یہ سمجھئے کہ افساد کی بہت سی انواع ہیں مثلاً کبھی یہ قتل کی شکل میں ہوتا ہے۔ کبھی کسی کی اہانت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اسی طرح کسی کے عیوب کا تجسس اور اس کی غیبت و بدگوئی وغیرہ بھی افساد ہی میں داخل

ہے۔ اسی طرح مشورۂ بد دینا بھی۔

پھر یہی سب چیزیں مختلف اشخاص کے اعتبار سے فساد کا مختلف درجہ رکھتی ہیں مثلاً ——— محلہ کے کسی ایسے شخص کو قتل کردینا کہ ایک مخلوق کثیر کا اور اہل محلہ کے امور معاش و معاد کا انتظام اس سے متعلق ہو، ظاہر ہے کہ یہ بہت قبیح امر ہے ——— لیکن کسی بادشاہ عادل کو قتل کردینا جو کہ ایک مخلوق کثیر کے انتشار کا سبب بن جائے بلاشبہ پہلے فساد سے ہزار درجہ قبیح ہے ——— اسی طرح کسی مسجد کے منتظم کو مار ڈالنا جسکی وجہ سے مسلمان مسجد میں جمع ہوکر اطمینان سے نماز ادا کرتے رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ بہت شنیع امر ہے ——— تاہم اس کے مقابلہ میں کسی ایسے عالم کامل کو قتل کردینا (جو کہ حلاّل مشکلات ہو اور مرجع خاص عام ہو اور مصداق اس کا ہو کہ اسکو ابوحنیفۂ وقت بخاری زماں اور غزالی عصر کہا جائے) اس درجہ قبیح اور شنیع ہے کہ جس کی کچھ انتہا ہی نہیں، اور جو حکم کسی کے قتل کا ہے وہی حکم اس کی اہانت، تجسس عیوب اور غیبت وغیرہ کا بھی ہے لیکن قتل کو تو عام طور پر فساد اور افساد سمجھا جاتا ہے مگر تجسس اور غیبت و اہانت وغیرہ کو کوئی فساد نہیں سمجھتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لہٰذا ہم یہاں اس پر کچھ مفصل گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ سنیئے:۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کا کوئی عیب دیکھے پھر اس کو چھپائے یعنی دوسروں سے ظاہر نہ کرے تو وہ ثواب میں ایسا ہوگا جیسے کسی نے زندہ درگور لڑکی کی جان بچائی کہ قبر سے زندہ اس کو نکال لیا۔ اس روایت سے مفہوم ہوا کہ جو شخص دوسروں کا عیب نہ چھپائے تو اس نے گویا اس کو زندہ درگور کردیا۔ کیونکہ کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا اس کو بے عزت کرنا ہے اور بے عزت زندگی حقیقتاً موت ہے زندگی نہیں۔ (حیوٰۃ المسلمین روح نہم)

مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث یہ بیان فرمائی ہے:۔ عن معاذ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عیر اخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ یعنی من ذنب قد تاب منہ رواہ الترمذی یعنی حضرت معاذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کو کسی گناہ پر عار دلائے اس کو موت نہ آئیگی جب تک کہ خود اس گناہ کو نہ کرلے گا۔ آگے راوی حدیث نے تفسیر بیان فرمائی کہ یعنی من ذنب قد تاب منہ یعنی یہ وعید اس عار کے لئے ہے جو ایسے گناہ پر دلائی جائے جس سے مذنب تائب ہوچکا ہو۔

صاحب مرقاۃ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ من عیر ای وبخ ولام اخاہ ای المسلم بذنب ای صدر منہ سابقاً او علی طریق الشماتت لم یمت حتی یعملہ ای مثل ذنبہ یعنی ای یرید النبی

صلی اللہ علیہ وسلم التعییر من ذنب قد تاب منہ۔ قال میرک ھذا التفسیر منقول عن الامام احمد (مرقاۃ ص۲۳۹ ج ۴) یعنی صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ عَیَّرَ کے معنی توبیخ اور ملامت کے ہیں اور اپنے بھائی سے مراد یہاں دینی بھائی یعنی مسلم ہے۔ اس کو کسی گناہ پر عار دلانا یعنی جو اس سے صادر ہو چکا ہو یا اس کے ارتکاب ذنب پر خوشی ظاہر کی تو وہ نہ مرے گا یہاں تک کہ خود اس کا مرتکب ہو جائے۔ یعنی اسی جیسے گناہ کا مرتکب ہو جائے۔ آگے قد تاب منہ جو فرمایا تو شارح فرماتے ہیں کہ راوی یہ تفسیر بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہاں اس ذنب پر عار دلانے کی مذمت کرنا ہے جس سے اس مسلم نے توبہ کر لی ہو۔ میرک کہتے ہیں کہ یہ تفسیر امام احمد سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وعید خاص اسی شخص کے لئے ہو جس نے کسی تائب کو عار دلائی ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ جب ایک شخص نے سابق گناہ سے توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ستاری فرما لی تو اب کسی کو کیا حق پہونچتا ہے کہ اسکو رسوا کرے جب کہ خود حدیث شریف میں آتا ہے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ یعنی جس نے گناہ سے توبہ کر لیا ہو ایسا ہو گیا جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں، لہذا ایسے شخص کو عار دلانا بہت ہی برا ہے اور اسکی یہ سزا ملے گی کہ یہ عار دلانے والا بھی اس فعل شنیع کا مرتکب ہو کر رہے گا تو یہ صحیح ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر تائب کو عار دلانا جائز ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ گناہ تو نفس عار دلانا ہی ہے، باقی یہ ہو سکتا ہے کہ یہ سزائے خاص اسکو نہ دی جائے اس لئے کہ پہلے جرم سے اسکا جرم خفیف ہے تاہم اس کے جرم ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔ اور سنئے :-

ترصیع الجواہر المکیۃ میں ہے کہ ولا یوبخ مذنبا علی ذنب سلف منہ ولیعتقد انہ تاب منہ وفی الحدیث لیس منا من عیر التائب۔ یعنی کسی عاصی کو اس کے سابق معصیت پر عار نہ دلائے اور توبیخ نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ اس نے توبہ کر لی ہوگی، مصنفؒ اپنے منہیہ میں لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس وصف پر محافظت مہمات دین میں سے ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم میں سے کسی نے اپنے بھائی کو کتیا کے دودھ پینے پر عار دلائی ہے تو خود اس کو بھی پینا پڑے گا۔ اور میں نے تو اسکا مشاہدہ بھی کیا ہے کہ میں ظالموں اور حاکموں کے پاس آنے جانے اور مناصب شریفہ مثلاً افتا و قضا ودریاست میں خوض کرنے میں خفیف مبتلا ہوا مگر اس سبب سے کہ میں اپنے دینی بھائیوں کو (جو جماعت صوفیہ سے تعلق رکھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ سچے لوگ تھے) عار دلاتا تھا اس پر کہ وہ اہل ظلم اور رؤسا، و حکام سے کیوں اختلاط رکھتے ہیں حالانکہ ان کے لئے اپنے اس اختلاط میں بعض مقاصد حسنہ اور مصالح صحیحہ تھیں۔

اسی طرح سے میں نے اہل عشق و محبت کو بھی ان کے مخصوص احوال میں ملامت کی ہے (یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں) لیکن بعد میں مجھے خود اس سے دوچار ہونا پڑا اس وقت میں نے ان حضرات کو معذور سمجھا اور خود بھی ان تمام منازل سے گذرا جن سے وہ گذرے تھے۔ باقی اب اللہ تعالیٰ (کے فضل و کرم سے) امید کرتا ہوں کہ ان حالات سے نکل چکا ہوں گا۔

دیکھا آپ نے کسی دوسرے کے عیب پر نظر کرنے کی حدیث شریف میں کیسی وعید آئی ہے۔ آج اسی فساد کو ہم عام دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ بلاغات مالک ؒ میں ایک حدیث یہ آئی ہے کہ مالک بلغہ عن عیسیٰ ابن مریم ؑ کان یقول لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فتقسو قلوبکم فان القلب القاسی بعید من اللہ ولکن لا تعلمون۔ یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا دوسرے کلام کی کثرت نہ کرو ورنہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور قلب قاسی اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہو جاتا ہے لیکن (چونکہ یہ قرب اور بعد ایک امر معنوی ہے اس لئے) تمہیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرا ارشاد نقل فرماتے ہیں اور مجھے یہاں اسی کو بیان کرنا تھا۔ وہ یہ کہ:-

ولا تنظروا فی ذنوب الناس کانکم ارباب انظروا فی ذنوبکم کانکم عبید فانما الناس مبتلی ومعافی فارحموا اھل البلاء واحمدوا اللہ علی العافیۃ۔ یعنی اہل ذنوب کے گناہوں کو اس طرح نہ دیکھو کہ گویا تم ہی خدا ہو (یعنی اس طرح نظر نہ کرو جس کا منشا کبر و تحقیر ہو) بلکہ اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھو کہ گویا تم بندہ خطاوار ہو اور یہ اس لئے کہ لوگ مبتلائے معاصی بھی ہیں اور اہل عافیت بھی ہیں یعنی (اہل طاعت و حفاظت بھی) پس تم کو چاہیئے کہ اہل بلاء پر رحم کرو اور اپنی عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں اہل عصیان پر کبر کرنے کی ممانعت نکلی بلکہ ترحم کی فضیلت ثابت ہوئی۔ یہ خلق ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کا پس ان کے متبعین کو اس خُلق سے انحراف کا کیا حق ہے؟ بات یہ ہے کہ انسان کی باطنی آنکھ جب تک بند رہتی ہے اسکو دوسروں ہی کی برائیاں نظر آتی ہیں اور جب وہ اپنے عیوب کا بصیر ہو جاتا ہے تو پھر دوسرا کوئی اسکی نگاہ میں بُرا نہیں رہ جاتا۔ اسی کو اکبر الہ آبادی مرحوم فرماتے ہیں کہ ؎

اوروں پہ معترض تھے لیکن جب آنکھ کھولی　　اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب دیکھا

اور اسی مضمون کو ظفر شاہ نے یوں ادا کیا ہے۔ ؎

ہمیں جب تلک اپنی ہوئی نہ خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پہ جب کہ نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

اسی سلسلہ کا ایک اور شعر یہ فرماتے ہیں کہ ؎

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیئے گا، ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

بہرحال فساد چاہے دین کی صورت میں ہو یا دنیا کی اس سے امن و سکون برباد ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کے بُرے ہونے کی۔ چنانچہ جو لوگ گوشہ نشین ہوتے ہیں یہ مفسد لوگ ایسوں کو بھی اس حالت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے حالانکہ ایسے وقت کے لئے یہی آیا ہے کہ ھٰذا وقت السکوت وملازمۃ البیوت۔

اب آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ حدیث میں تمسک بالسنۃ پر اجر خاص موعود ہے اور تمسک بالسنۃ میں عقائد عبادات، معاملات۔ معاشرات اور اخلاق سب داخل ہیں (یعنی متمسک بالسنۃ حقیقتاً وہ شخص کہلائیگا جس کے عقائد بھی سنت کے مطابق ہوں، عبادات بھی سنت کے مطابق ہوں۔ معاملات و معاشرات بھی سنت کے مطابق ہوں اور اخلاق بھی سنت کے مطابق ہوں) گویا پورا دین ہی مراد ہے اسی طرح یہ بھی بالتصریح مفہوم ہو رہا ہے کہ متمسک بالسنۃ بروئے حدیث اس زمرہ سے خارج ہے (یعنی وہ مفسد اور فسادی نہیں ہے)

ع بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

بس اب اس دعا پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حدیث شریف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

وصی اللہ عفی عنہ

۲۳۔ روشن باغ۔ الہ آباد

۲۵ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ
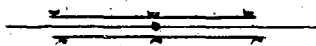
(مزید اضافہ ۲۰ ر ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ)

ازافاضات

مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عباد الرحمٰن کون لوگ ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے سورہ فرقان میں ارشاد فرمایا ہے کہ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝

اللہ تعالیٰ یہاں عباد الرحمٰن کو بیان فرما رہے ہیں کہ عباد الرحمٰن کون لوگ ہیں اور ان کے اوصاف کیا ہیں اور یہ اس لئے کہ اس سے پہلے کفار کا حال بیان کیا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں بلکہ سرے سے رحمٰن ہی کا انکار کرتے ہیں وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝ یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے۔ کیا ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں گے جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے ہم کو کہو گے اور اس سے ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔

دیکھتے ہیں آپ؟ انھوں نے انکار بھی کیا تو کس کا؟ رحمٰن کا۔ حالانکہ اسی وصف رحمت سے عالم کا قیام اور اس کی بقا ہے۔ ساری دنیا اس کی محتاج ہے۔ ان ظالموں نے اسی کا انکار کر دیا (ناقل عرض کرتا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے ننانوے حصے اپنے پاس روک لئے اور ایک حصہ زمین پر اتارا (اور سب میں تقسیم فرمایا) چنانچہ اسی کا یہ اثر ہے کہ مخلوق میں سے بعض بعض پر رحم کرتے ہیں یہاں تک کہ گھوڑا اپنے پیر کو اٹھا لیتا ہے اس ڈر سے کہ اس کا بچہ دب نہ جائے۔ نیز حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ اے محمد قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے پہاڑ کی چوٹی پر اللہ تعالیٰ کی پانچ سو برس تک عبادت کی۔ اس پہاڑ کا طول و عرض تیس تیس ہاتھ تھا جس کے چاروں طرف چار چار ہزار فرسخ تک سمندر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اس کی خاطر ایک

شیریں چشمہ ایک انگلی کی مقدار چوڑا پہاڑ کے نیچے سے جاری فرمادیا تھا اور اسی جگہ ایک انار کا درخت اگادیا تھا جس سے روزانہ ایک انار تیار نکلتا تھا۔ جب شام ہوتی تو وہ پہاڑ سے چشمے کی جانب اترتا اس میں وضو کرتا۔ درخت سے انار توڑتا اور اسے کھا پی کر نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ (ایک دن) اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے سجدہ ہی کی حالت میں وفات دیجئے اور زمین کو یا کسی اور جانور وغیرہ کو میرے بدن پر قدرت نہ دیجئے تاکہ میں قیامت میں جب اٹھایا جاؤں تو سجدہ ہی کی حالت پر اٹھوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمالیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ہم آسمان سے آتے جاتے اس پر سے گزرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ وہ اسی طرح سجدہ میں پڑا ہوا ہے۔ پھر ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں مبعوث فرمائیں گے اور اپنے سامنے کھڑا کر کے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ میرے اس بندہ کو میری رحمت کے سبب سے جنت میں داخل کر دو۔ وہ کہے گا میں تو اپنے عمل کے سبب مستحق جنت ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اچھی بات ہے۔ اس کے عمل اور میری نعمت کا موازنہ کرلو چنانچہ دیکھا جائے گا کہ صرف نعمت بینائی ہی کے مقابلہ میں اس کی پانچ سو سالہ عبادت ختم ہو جائے گی اور بقیہ جسمانی اور روحانی ظاہری و باطنی نعمتیں مقابلہ سے خالی رہیں گی یعنی ان کے عوض کوئی عمل نہ ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ لے جاؤ اس کو دوزخ میں داخل کرو۔ (کیونکہ عدل کا فیصلہ یہی ہے) یہ سن کر وہ چلائے گا اور درخواست کرے گا کہ اے پروردگار مجھے اپنی رحمت کے صدقے میں جنت میں داخل کیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا اس کو واپس لاؤ۔ وہ سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے انسان بتا! تجھ کو کس نے پیدا کیا اور عدم سے وجود کس نے بخشا؟ وہ عرض کرے گا پروردگار تو نے۔ پھر ارشاد ہوگا کہ یہ جو تجھے وجود ملا تو تیرے عمل کی وجہ سے یا میری رحمت کی وجہ سے؟ وہ کہے گا نہیں پروردگار تیری رحمت رحمت کی وجہ سے۔ پھر ارشاد ہوگا کہ پانچ سو سال تک عبادت کی قوت کس نے بخشی؟ کہے گا پروردگار تو نے حکم ہوگا کہ تجھے پہاڑ کے اندر باغ کے درمیان میں کس نے رکھا؟ اور تیرے شور سمندر میں شیریں پانی اور ہر دن پھلنے والا انار کا درخت کس نے پیدا کیا؟ جب کہ انار سال بھر میں صرف ایک بار پھلا کرتا ہے۔ پھر یہ کہ تو نے مجھ سے سوال کیا کہ سجدہ کی حالت میں تیری روح قبض کی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بتلا ان سب امور کو کس نے انجام دیا؟ وہ کہے گا پروردگار سب کام آپ ہی نے کیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ بس یہ سمجھ لے کہ یہ سب میری رحمت کے کرشمے ہیں۔ اسی طرح سے میں نے اپنی رحمت ہی کی وجہ سے تجھ کو جنت میں داخل کیا۔ یہ واقعہ سنا کر جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیشک تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے وجود میں آتی ہیں اور پایہ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ (از تنبیہ الغافلین) غرض صفت رحمت ہی سے عالم کا قیام اور اس کی بقا ہے۔

ان ظالموں نے اسی کا انکار کیا) بات یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرتے نہیں تھے۔ عباد الرحمٰن بھی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں عباد الرحمٰن کو بتایا ہے چنانچہ ان کی بعض صفات کو شمار فرما کر آخر سورہ تک انھیں کے حالات کو بیان فرمایا ہے اور خوب ہی خوب بیان فرمایا ہے۔ ان کے اوصاف بھی بیان فرمائے انکی دعائیں بھی نقل فرمائیں اور خالق اور مخلوق ہر دو کے ساتھ ان کے معاملات بھی بیان فرمائے اور انکے روز و شب کے اعمال بھی بیان فرمائے کہ وہ دن کو کیا کرتے ہیں اور رات کو کیا کرتے ہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ سے نیا مضمون شروع فرما رہے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے اوصاف اور ان کے دینی اور دنیاوی احوال کا بیان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں (یعنی سکینت اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں، نہ اپنے پاؤں کو پٹکتے ہیں اور نہ جوتوں سے آواز کرتے ہیں) اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔ (پہلے جملے میں تو ان کا ذاتی حال بیان فرمایا تھا اور یہاں ان کا حسن معاملہ دوسروں کے ساتھ بیان فرمایا۔) اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔ (یہ ان کے رب کے ساتھ ان کے معاملے کا بیان ہے)

حضرت حسنؒ جب پہلی آیتیں تلاوت کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ یہ ان کے دن کا حال ہے اور جب اس آیت کو پڑھتے تھے تو فرماتے تھے کہ یہ ان کے رات کا وصف ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ایسے ہیں جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔ روح المعانی میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ وہ لوگ اس دعا کو نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں یا عام اوقات میں پڑھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ یہ دعا خاص اوقات میں بھی کرتے ہیں مگر آپ سے کہتا ہوں کہ آپنے اس دعا کو نہ عام وقت میں کیا ہوگا نہ خاص وقت میں ہی کیا ہوگا بات یہ ہے کہ جسے کسی چیز کی اہمیت ہوتی ہے وہ اس کا اہتمام کرتا ہے۔ وہ حضرات عام اوقات میں یہ دعا اس لئے کیا کرتے ہیں کہ ممکن ہے کسی خاص وقت میں یاد نہ رہے۔ یہ ان کے اہتمام کی دلیل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار سے گذرتے وقت ایک دعا پڑھنے کی تلقین صحابہ کو فرمائی۔ چنانچہ بعض حضرات نے محض اس دعا کے پڑھنے کے لئے بازار جانا شروع کر دیا تاکہ اس کے فیض سے محروم نہ رہیں (ناقل عرض کرتا ہے کہ وہ دعا یہ ہے۔) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اب ہمارا یہ حال ہے کہ یا تو کھائیں گے گھی سے یا جائیں گے جی سے۔ یعنی خاص وقت میں کوئی کام نہیں

کر سکتے تو کسی وقت اس کو نہیں کرتے حالانکہ چاہیئے یہ کہ اگر رات میں نہیں کر سکتے تو دن ہی میں کرلیں۔ اتنا بھی بہت ہے کیونکہ رات اور دن دونوں خداوند تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رات کو دن کا اور دن کو رات کا خلیفہ بنایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن یَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ○ یعنی وہ ایسا ہے کہ اس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔

اب اللہ تعالیٰ تو یہ فرمارہے ہیں اور ہم اس پر مصر ہیں کہ رات کو اگر ذکر اور تہجد نہ ہوسکے گا تو دن میں بھی کچھ عبادت نہیں کریں گے۔ بھائی جب رات اور دن دونوں خدا کے بنائے ہوئے اوقات ہیں تو ان کی عبادت رات کو کرلو تو قبول دن کو کرلو تو قبول۔ اور یہ عباد الرحمٰن کی یہ دعا جو نقل فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں تو اس میں ان کی بہت بڑی مدح نکلی کیونکہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ان کا معاملہ مخلوق کے ساتھ بھی درست ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی یہ لوگ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو باوجود مخلوق کے ساتھ حسن المعاملہ اور خالق کے ساتھ حسن العبادت ہونے کے یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کی جانب ابتہال کرتے ہیں یعنی اپنے اعمال پر اتکال نہیں کرتے۔ اس سے نکلا کہ بعث اور جزا پر ان کا ایمان تحقیقی اور یقینی ہے اور ان کے اس وصف سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ آخرت کے اور حساب و کتاب کے بیشک قائل ہیں۔ گویا ان کے متعلق یوں کہا جاسکتا ہے کہ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ إِيْمَانًا حَقًّا اور بعث و جزا پر جس کا ایمان ہوگا تو وہ اسے یوں ہی تھوڑے ہی رہنے دے گا۔ اس میں ایک حرکت پیدا کردے گا۔

میں کہتا ہوں کہ مومن کی جتنی صفات ہیں ان سب میں ممتاز صفت بعث اور جزا پر اس کا ایمان ہے۔ چونکہ ان عباد الرحمٰن کے اس وصف سے اس کا پتہ چلتا تھا اس لئے اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے مقام مدح میں ذکر فرمایا۔

آگے عباد الرحمٰن کے اور بھی دیگر صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وَالَّذِیْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ یُسْرِفُوا وَلَمْ یَقْتُرُوا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ أَثَامًا ○ یُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهِ مُهَانًا ○ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّئَاتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ یَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○ یعنی ایک وصف عباد الرحمٰن کا یہ ہے کہ جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ تو

فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا مزاج ان دونوں حالتوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

اور ایک وصف ان کا یہ ہے کہ وہ ایسے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر یعنی جب قتل کے وجوب یا اباحت کا کوئی سبب شرعی پایا جائے تو اور بات ہے۔ اور وہ زنا بھی نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کام کرے گا تو سزا سے اس کا سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جاوے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑھ کر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی تمہارا خالق ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد پھر کون گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارا اپنی اولاد کو محض اس اندیشہ سے قتل کر ڈالنا کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا۔ میں نے کہا پھر کون سا؟ اپنے پڑوسی کے اہل خانہ کے ساتھ زنا کا مرتکب ہونا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی تصدیق ہی فرمادی یعنی اسی ترتیب سے ان تینوں معاصی کو ذکر فرمایا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں آیت میں وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ سے کفار اور مشرکین مراد ہیں، کیونکہ یہاں آگے يُضَاعَفْ، وَيَخْلُدْ اور مُهَانًا فرمایا گیا ہے اور مومن عاصی کے لئے نہ تو تزاید ہوگا اور نہ خلود اور اس کے لئے تجدید ایمان کی بھی ضرورت نہیں صرف توبہ کافی ہے۔ آگے اس حکم سے جو لوگ مستثنیٰ ہیں ان کا بیان فرماتے ہیں کہ (یہ لوگ عذاب دائمی میں مبتلا ہوں گے) مگر جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمادیں گے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں رحیم ہیں اور جو شخص توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور سے رجوع کر رہا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ عباد الرحمٰن کا ایک وصف یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ لوگ بیہودہ باتوں (جیسے خلاف شرع لہو ولعب) میں شامل نہیں ہوتے اور اگر اتفاقاً بیہودہ مشغلوں کے پاس کو ہو کر گذریں تو سنجیدگی و شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں یعنی نہ تو ان کی طرف مشغول

ہوتے ہیں اور نہ ان کے آثار اور حالات سے عاصیوں کی تحقیر اور اپنا ترفع ظاہر ہوتا ہے۔ نیز وہ ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے بلکہ اس کی جانب کان لگاتے ہیں اور عقل اور فہم کے ساتھ قرآن کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جس کا ثمرہ زیادت ایمان وعمل بالاحکام ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کے اوامر کا اتباع کرتے ہیں اور اس کے منہیات سے بچتے ہیں۔ یہ نہیں کرتے کہ سنی اَن سنی کر دیں اور اپنے قدیم معصیت پر علیٰ حالہ قائم رہیں۔

اس کے بعد عباد الرحمن کی ایک اور دعا کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا ○ یعنی اے پروردگار ہمارے ہم کو ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی چین اور راحت عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے۔ اس سے مراد ان کی یہ نہیں ہوتی کہ وہ دنیا میں امیر وکبیر ہو جائیں یا انھیں کوئی منصب اور عہدہ حاصل ہو جائے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ دیندار ہوں اور ان کو طاعت کی توفیق ہو، چنانچہ صاحب روح المعانی نے یہی تفسیر کی ہے اور اس کی تائید میں عبد اللہ ابن عباس، حضرت حسن عکرمہ اور مجاہد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

اَلْمُؤْمِنُ الصَّادِقُ إِذَا رَأَى أَهْلَهُ قَدْ شَارَكُوْهُ فِي الطَّاعَةِ قَرَّتْ بِهِمْ عَيْنُهُ وَسَرَّ قَلْبُهُ وَتَوَقَّعَ نَفْعَهُمْ لَهُ فِي الدُّنْيَا حَيًّا وَمَيِّتًا وَلُحُوْقَهُمْ لَهُ فِي الْأُخْرٰى۔

مومن صادق جب اپنے اہل وعیال کو دیکھتا ہے کہ وہ سب بھی اس کے ساتھ طاعت ونیک کام میں شریک ہیں تو ان سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور اس کا قلب مسرور ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے ایسے اہل وعیال سے دنیا میں زندگی کی حالت میں اور مرنے کے بعد بھی نفع کی توقع ہوتی ہے اور آخرت میں یہ امید ہوتی ہے کہ اسی کے ساتھ وہ بھی لاحق کر دیئے جائیں گے۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قُرَّةُ عَيْنِ الْوَالِدِ بِوَلَدِهٖ أَنْ يَّرَاهُ يَكْتُبُ الْفِقْهَ۔

(روح صفحہ ۴۷ ج ۱۹)

اسی طرح سے عبد اللہ ابن عباسؓ سے دوسری روایت میں ہے کہ باپ کی آنکھ کی ٹھنڈک جو اپنی اولاد کی جانب سے اس کو حاصل ہوتی ہے یہ ہے کہ اس کو فقہ یعنی دین کے مسئلہ مسائل لکھتا پڑھتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے یعنی اس کا لڑکا اس کے سامنے عالم دین ہو جائے۔

دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ نے صالحین کی ایک صفت یہ بھی نقل فرمائی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے متعلق دعا بھی کرتے ہیں۔ جس طرح کوئی پیر اپنے مریدین کو اچھے حال میں دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح سے باپ بھی جب اپنی اولاد کو صالح اور متقی دیکھتا ہے تو اس کو بھی مسرت ہوتی ہے۔ آپ لوگ اپنی اولاد کی شکایت تو کرتے ہیں لیکن ان کے لئے یہ دعا نہ کرتے ہوں گے اور دعا کرنا تو جب ممکن ہوتا کہ آپ کو دعا یاد بھی ہوتی۔ یہ دعا ہی آپ کو یاد نہ ہوگی۔ پس عباد الرحمٰن کی پہلی دعا سے تو ان کا کامل ہونا معلوم ہوا اور اس دعا سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مکمل بھی ہوتے ہیں۔ ان آیتوں کے مضامین سنا کر میں آپ کو صالحین کی سیرت بتانا چاہتا ہوں کہ دیکھئے عباد الرحمٰن کو چونکہ حق تعالیٰ کے شان کرم کی کامل معرفت ہوتی ہے اس لئے وہ اپنی حاجات کو اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرتے ہیں۔ آپ ہی کے مجمع میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو یہ کہتے ہوں گے کہ ابھی ہم قرآن کی تلاوت کئے چلے آرہے ہیں اور اسی سورت کی آج تلاوت کی ہے۔ مطلب یہ کہ میں جو کچھ سمجھانا چاہتا ہوں اسکو سمجھنا نہیں چاہتے اور قرآن میں جو لکھا ہوا ہے اس پر عمل کرنے کی ہمت نہیں ہے بس اس کے ساتھ رسمی تلاوت کا تعلق رہ گیا ہے چنانچہ جو لوگ ذوق سے نہیں سنتے ان کے سامنے ان مضامین کا بیان کرنا بھی بار ہوتا ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے صالحین کا ایک حال یہ نقل فرمایا کہ وہ لوگ جس طرح راتوں کو اپنے رب کے سامنے رکوع اور سجدہ کرنے میں گزارتے ہیں جس کا عمل صالح ہونا ظاہر ہے اسی طرح سے وہ ایک عمل یہ بھی کرتے ہیں کہ زبان سے بھی یہ کہتے ہیں کہ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ اس سے معلوم ہوا کہ صرف زبان سے دعا کرنا بھی ایک مقبول اور پسندیدہ عمل ہے کیونکہ ان کی اس دعا کو مقام مدح میں لایا گیا ہے۔ اسی سے معلوم ہوگیا کہ ان کلمات کو مالک کے یہاں باریابی حاصل ہوگئی ہے اور یہ دعا رحمان کو پسند آگئی ہے کیونکہ ان کے نقل سے مقصود ہی یہ ہے کہ اور دوسرے لوگ بھی اس دعا کو اختیار کریں اور جہنم سے پناہ مانگیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کو سمجھا اور اللہ تعالیٰ سے نہایت ہی عاجزی اور تواضع کے ساتھ دعا مانگی۔ ایک دعا میں فرماتے ہیں۔

أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ	یا اللہ میں ہی مصیبت زدہ، محتاج، فریادی، پناہ جو،
الْمُسْتَجِيرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ	ترساں وہراساں اقرار کرنے والا ماننے والا اپنے گناہ کا

الْمُعْتَرِفِ بِذَنْبِيْ اَسْئَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِيْنِ وَابْتَهِلُ اِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ اَنْفُهٗ

سوال کرتا ہوں تجھ سے سوال بیکس کا سا، گڑگڑاتا ہوں تیرے سامنے، گڑگڑاتا گنہگار ذلیل کا سا، اور طلب کرتا ہوں تجھ سے طلب کرنا خوف زدہ آفت رسیدہ کا سا، اور طلب کرنا اس شخص کا سا کہ جھکی ہوئی ہو تیرے سامنے گردن اس کی، اور بہہ رہے ہوں آنسو اس کے، اور فروتنی کئے ہوئے ہو وہ تیرے سامنے، اور رگڑتا ہو تیرے سامنے ناک اپنی۔ (مناجات مقبول صفحہ ۴۰)

دیکھا آپ نے عباد الرحمٰن کی جو ادا اللہ تعالیٰ کو پسند ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس طرح اختیار فرمایا۔ چنانچہ ہر زمانہ میں صالحین کا یہ شعار رہا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دلوں میں پیدا کیا ہے اور اس کی ناراضگی سے اور اس کے عذاب سے اور دوزخ سے برابر پناہ مانگتے رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کو بہت ہی یاد دلاتے ہیں اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ فِكَاكَ رَقَبَتِيْ مِنَ النَّارِ یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے جان بخشی دوزخ سے۔

اب اللہ کے رسول اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم تو آخرت کا اس قدر خوف فرمائیں اور جہنم سے اس طرح پناہ مانگیں اور آپ لوگوں کو اس کی ذرا بھی فکر نہ ہو۔ دوزخ کا ذکر خوش ہونے کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ ڈرنے اور رونے کے لئے آیا ہے۔ جنت اور دوزخ بڑی چیزیں ہیں شقاوت وسعادت کا مدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ یعنی جو لوگ سعید ہیں وہ جنت میں ہوں گے۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ وَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ یعنی جو لوگ شقی ہیں وہ جہنم میں ہوں گے۔

عباد الرحمٰن اسی لئے عذاب جہنم سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضی سے پناہ مانگ کر کے اپنے کو بھی اسی صف میں داخل فرمالیا چنانچہ ایک دعا میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری رضا کے ساتھ تیری ناخوشی سے اور تیرے عفو کے ساتھ تیری سزا سے۔

سب سے بڑی فکر مومن کو اس دار دنیا میں یہی ہوتی ہے کہ آخرت میں اس کا کیا انجام ہوگا۔ اور اللہ والوں کو حق تعالیٰ کی اس دھمکی نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور لذات دنیا کو ان کے لئے کرکرا کر دیا۔ فرماتے ہیں وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝ یعنی عنقریب یہ ظالم لوگ جان لیں گے کہ کس جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ باقی اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ مومن کو جس طرح خدا کا خوف ہوتا ہے اسی طرح سے اس کو اس سے محبت بھی ہوتی ہے اور جس کو خدا سے محبت ہوجاتی ہے اس کو خدا کے نیک بندوں سے بھی محبت ہوجاتی ہے، انھیں کو پسند کرتا ہے۔ حضرت مولاناؒ سے سنا کہ ایک جوان شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ شاہ شجاع کرمانی نے اسے دیکھا۔ اس کی نماز پسند آگئی اس لئے کہ خود دیندار تھا۔ سوچا کہ اپنی لڑکی کی شادی اسی سے کروں گا۔ یہ خیال کرکے اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اگر شاہ شجاع کرمانی اپنی لڑکی کا نکاح تمھارے ساتھ کرے تو تم منظور کروگے۔ اس نے کہا چپ رہئے کیسی بات زبان سے نکال رہے ہیں، مجھے سزا دلوائیے گا کیا؟ کہا میں ہی شاہ شجاع کرمانی ہوں۔ تمھاری نماز مجھے پسند آگئی ہے اس لئے تم مجھے پسند آگئے ہو۔ چاہتا ہوں کہ اپنی لڑکی سے تمھارا عقد کردوں اور تمھاری یہی نماز اس کا مہر ہو۔

دیکھتے ہیں آپ دینداری ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ایک بالکل غریب شخص کا نکاح بادشاہ زادی سے ہو رہا ہے اور یہ تو محض اس کا دنیاوی نفع ہے جسے آپ لوگ بھی نفع سمجھتے ہیں باقی آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے صالحین بندوں کو کیا کچھ دیں گے اس کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کرسکتا اسی لئے جس طرح لوگوں نے جنت کی دعا مانگی ہے اسی طرح یہ بھی دعا کی ہے کہ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ یعنی مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالحین بندوں میں شامل فرما لیجئے۔ پھر جب کوئی اس جماعت ہی میں داخل ہوگیا تو پھر کیا ہے جو کچھ انھیں دنیا اور آخرت میں ملے گا اس کو بھی ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صالحین کا ساتھ بھی کچھ کم چیز نہیں ہے۔ یہی مطلب ہے اس شعر کا ؂

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحاً

یعنی میں صالحین سے محبت کرتا ہوں اور ان میں سے ہوں نہیں، اس امید پر کہ شاید اللہ تعالیٰ صلاح کا کچھ حصہ مجھے بھی عنایت فرمادیں۔ آج اگر آپ اسی ایک بات کو سمجھ لیں تب بھی بہت کچھ پاجائیں۔ یہ کچھ کم چیز نہیں ہے۔ اس کی دعا بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبروں نے کی ہے۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں :-

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○	اے خالق آسمانوں اور زمین کے آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھالیجئے اور اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیجئے۔

(۲) اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ ○	اے میرے رب مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر لیجئے۔

(۳) اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قرآن شریف میں نقل کی گئی ہے کہ آپ نے پہلے تو رب العالمین کی صفات شمار فرمائی ہیں کہ:۔

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ ○ وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ ○ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ○ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ○	رب العالمین وہ ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے اور وہی مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو مجھ کو موت دے گا اور پھر مجھ کو زندہ کرے گا اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاریوں کو قیامت کے روز معاف کرے گا۔

اس کے بعد دعا فرماتے ہیں کہ رَبِّ ھَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○ یعنی اے میرے پروردگار مجھ کو حکمت عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما۔ دیکھئے یہ سب حضرات معصوم ہیں مگر قیامت سے اتنا ڈر رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اگر قیامت کا تھوڑا بھی ڈر قلب میں پیدا ہو جائے تو آدمی جنتی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ○	جس شخص نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا تو بلاشبہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

مسلمانوں کے سامنے اس قسم کے مضامین بیان کیجئے۔ باقی آپ یہ چاہیں کہ قرآن شریف کے

ان مضامین سے خود ہی متاثر نہ ہوں اور دوسروں کو آپ متاثر کردیں تو یہ نہ ہوگا اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ مجھے یہی شکایت ہے کہ لوگ پیر کے بدن پر گرنا چاہتے ہیں اور ان سے کچھ سیکھتے نہیں۔ اور سیکھنا بھی چاہتے ہیں تو واعظوں سے حالانکہ یہ عالم لوگ خود محتاج ہیں کہ پہلے کسی صاحب باطن سے سیکھیں اور اپنے قال میں حال پیدا کریں اور آپ لوگ ان سے سیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کیا سکھائیں گے؟ مجھ سے کیوں نہیں سیکھتے۔ غفلت کا یہ حال ہے کہ دیکھ رہے کہ میں بیمار ہوں مگر ذرا کسی چیز سے عبرت نہیں حاصل کرتے۔ جانتے ہیں کیا بات ہے؟ بات یہ ہے کہ عبرت اور نصیحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ بنایا ہے جو ان سے عبرت نہ حاصل کرے گا وہ کسی چیز سے بھی عبرت نہ حاصل کرے گا۔ بہت دنوں سے یہی سکھلا رہا ہوں کہ کسی کا بدن تبرک نہیں ہے بلکہ عمل تبرک ہے کسی کی ذات پر نہ گرو بلکہ اس کی بات سنو اور اس سے عمل سیکھو۔ لیکن کسے عمل کی فکر ہے۔ عمل کی جگہ انھوں نے جلسہ کو دے دیا ہے۔ سال بھر میں ایک دو دفعہ جلسہ کر لیا بس یہی ان کا عمل ہے۔ میں اس کو عمل نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ آپ کی توجہ اس عمل کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے حُسن عمل قرار دیا ہے اور عباد الرحمٰن کی مدح میں جس کو ذکر فرمایا ہے۔ میری مراد اُس سے ان کی یہی دُعا ہے رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ یہی لوگ اصلی ایمان کے حامل تھے کہ مخلوق اور خالق کے حقوق واجبہ کے ادا کرنے کے باوجود آخرت کے عذاب سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ ان کے جسم آپ کے جسم سے زیادہ مضبوط اور ان کے قلوب آپ کے قلب سے زیادہ قوی تھے لیکن آخرت پر ایمان کا یہ حال تھا کہ قیامت کے خوف اور ہول سے ان کا پتہ پانی ہو جاتا تھا اور قلب پگھل جاتا تھا۔

آج عوام سے دین کی اصلی باتیں بیان کی جائیں تو اب بھی ان کو پسینہ آجائے قلوب لرز جائیں اور جسم پر زلزلہ طاری ہو جائے لیکن ہم ان کو اس قسم کی باتیں بتاتے کب ہیں۔ میں صاف کہتا ہوں اس میں قصور آپ کا نہیں ہمارا ہے۔ آپ کو دیکھتا ہوں کہ علماء کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ انھیں بلاتے ہیں۔ ان کی دعوتیں کرتے ہیں۔ خدمت اور خاطر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہوائی جہاز تک کا کرایہ دیتے ہیں۔ ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ کیسے سمجھا جائے کہ آپ کا دین کی طرف رجحان نہیں ہے مگر بات وہی ہے کہ جتنی خدمت ہم آپ سے لیتے ہیں اتنی خدمت آپ کی نہیں کرتے۔ یعنی کام کی باتیں بتا کر نہیں دیتے۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ حق تعالیٰ کے ارشاد فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا کے تحت فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن کے لئے عمل آخرت پر زبردست

تحریض ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی خواہش اور امید رکھتا ہو تو چاہئے کہ عمل صالح کرے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے متمنی ہو تو آؤ اس میدان میں۔ اس لئے کہتا ہوں کہ کامیابی تو کام سے ہوا کرتی ہے اور جو شخص کسل کے ساتھ متصف ہے وہ دونوں جہان میں ناکام رہے گا۔ ہم دنیا کو دیکھتے ہیں کہ لوگ اس کو حاصل کرنے کے لئے کیسی کیسی محنت اور کتنا کتنا کام کرتے ہیں۔ دنیا حاصل کرنے کے لئے کوئی شخص کسل کو ذریعہ نہیں بناتا تو پھر آخرت اور جنت بھی یوں ہی کیسے مل جائے گی اس کے لئے بھی عمل کرنا ہوگا۔ اور یہ کہہ چکا ہوں کہ عمل اسی وقت ہوگا جب قلوب رغبت اور رہبت سے بھر جائیں گے چنانچہ سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ عطا فرمائی کہ ان میں انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ان کے واسطے سے لوگوں کو اعمال کے ثواب و عقاب یعنی جزا اور سزا سے واقف فرما دیا۔ آپ سے اس کی ایک مثال بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ عام انسانوں کی طرح عرب کے لوگ پیشاب سے احتیاط نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا۔ آپ وہاں ٹھہر گئے اور جو لوگ ہمراہ تھے ان سے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ معمولی معمولی سی چیزیں ہیں جن سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے یہ لوگ عذاب دیئے جا رہے ہیں ایک شخص تو ان میں سے چغلی کیا کرتا تھا (یعنی اِن کی بات اُن سے اور اُن کی بات اِن سے لگاتا تھا) اور دوسرا شخص پیشاب سے نہیں بچتا تھا (خواہ پیشاب کرکے استنجا نہیں کرتا تھا یا اپنے جانوروں کے پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا) اس واقعہ کو آپ نے کچھ اس طرح لوگوں کے سامنے بیان فرمایا اور ایک بدعملی کی سزا ان سے اس طرح بتلائی کہ لوگوں پر اس کا اثر ہوا۔ لوگ ڈر گئے اور پیشاب سے احتیاط کرنے لگے۔

اعمال کے سزا اور جزا پر علماء نے کتابیں لکھی ہیں (چنانچہ حضرت مولانا تھانویؒ کی کتاب جزاء الاعمال اسی موضوع پر لکھی گئی ہے) شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور دوسرے حضرات نے بھی بیان فرمایا ہے اور خوب خوب بیان فرمایا ہے اسی لئے تاکہ لوگوں کو رغبت اور رہبت پیدا ہو آخرت کا خوف اور شوق پیدا ہو۔

اب لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں میں اثر کس طرح پیدا کیا جائے۔ دیکھتے ہوں گے کہ لوگوں کو نفع نہیں ہو رہا ہے یا جیسا نفع کہ بزرگوں سے ہوتا ہے ویسا نہیں ہو رہا ہے اس لئے ہم سے پوچھتے ہیں۔ میں نے شاہ صاحب کی بیان کی ہوئی بات ان کو سنا دی کہ مومن کے قلب میں

رغبت اور رہبت ہوا کرتی ہے۔ رہبت یعنی خوف۔ کس چیز سے ؟ نار سے، عذاب سے، اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے۔ اور رغبت کس چیز کی ؟ اللہ تعالیٰ کے رضا کی، آخرت کے اجر و ثواب کی اور جنت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے اسی کو بیان فرماتے تھے اور ایسا بیان فرماتے تھے کہ صحابہ کی روتے روتے داڑھیاں تر ہو جایا کرتی تھیں اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ ہی ایسی باتیں بیان فرما سکتے ہیں اور جو آپ بیان فرما رہے ہیں بالکل صحیح اور حق ہے۔ اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ بس آپ ہی بیان فرما رہے ہیں۔ آپ کے بعد ان باتوں کا بیان کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

میں بھی ان لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ تقریر نہ سکھاؤ۔ تقریر سے کام نہیں چلے گا۔ قلوب میں رغبت اور رہبت پیدا کرو۔ مومن کا ایمان قیامت پر ہے۔ آخرت پر ہے۔ مجال ہے وہاں کی باتیں کرو اور وہ اثر قبول نہ کرے۔ آخرت کی منزل تو سبھی کے سامنے آتی ہے اور قیامت کی پیشی بھی ہونی ضرور ہے۔ ہم کسی اور سے نہیں کہتے۔ اہل ایمان ہمارے مخاطب ہیں۔ پس مومن کی تو خیر اسی میں ہے کہ اس کو سمجھے اور اسی کے مطابق عمل کرے۔ مومن کسی برائی کو جو چھوڑتا ہے تو خدا کے ڈر سے چھوڑتا ہے، قیامت کے ڈر سے چھوڑتا ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ سے کوئی کہتا کہ حضرت فلاں عمل (مثلاً بدنظری وغیرہ) نہیں چھوٹتا تو فرماتے کہ اچھی بات ہے نہیں چھوٹتا تو خدا کے یہاں کی پیشی کے لئے تیار رہو۔ قیامت میں خدا اپنے سامنے کھڑا کرکے پوچھے گا کہ اسے کیوں دیکھا تھا ؟ وہاں کیا جواب دوگے ؟ بس اسی سے لوگ ڈر جاتے اور اس برائی سے نکل جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی محبت یہی دونوں چیزیں مومن کا اصل سرمایہ ہیں۔ جس طرح سے لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرے ہیں اسی طرح سے لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے کیسی کیسی محبت کی ہے۔ ان کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ ایک صاحب نے جو ذرا خوش آواز تھے خوش الحانی کے ساتھ یہ شعر پڑھ دیا ؂

میں جو اس پر مر مٹا ناصح تو کیا بیجا کیا ۔۔۔ اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

ایک صوفی صاحب نے بھی اس کو سنا سن کر ایسے زور سے چیخ ماری کہ معلوم ہوتا تھا کہ چھت ہی گر جائے گی اور ایک جست لگائی یہ جا وہ جا اپنے حجرہ میں داخل ہو گئے۔ ایسے لوگوں کو فلسفہ والے سودائی کہتے ہیں۔ حالاں کہ اس کا نام محبت ہے۔ یہ سودا اور جنون نہیں ہے۔ بہرحال شعر کا مضمون بہت خوب ہے۔ کوئی عارف اللہ تعالیٰ کی محبت کے بارے میں کہتا ہے کہ میں ہی اس میدان میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ تمام انبیاء اور اولیاء اس میدان کے شہ سوار گزرے ہیں۔

سب ہی اللہ تعالیٰ کے محب ہوئے ہیں تو اگر اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو اس میں برائی کیا ہوئی۔ مانا کہ مجھے سودا ہے لیکن یہ سب انبیا اور اولیا جو گزرے ہیں تو کیا معاذ اللہ ان سب کو بھی سودائی کہا جائے گا؟ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کا عشق اور ان کی محبت انسان پر حق اور لازم ہے۔ اب کوئی اس حق کو نہ ادا کرے تو یہ اس کی کوتاہی ہے۔ مگر آپ سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا عشق اور اس کی محبت تو جلدی سمجھ میں نہیں آئے گی لیکن جنت و دوزخ کا ذکر اور آخرت کی نعمتیں چوں کہ ظاہری چیزیں ہیں اس لئے وہ اچھی طرح سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ ان کا ذکر بھی قرآن شریف میں کم نہیں آیا ہے۔ پس جب تک لوگوں کے دلوں میں یہ شوق اور خوف پیدا نہ ہوگا قلوب آسانی کے ساتھ شریعت کی قید کو پسند نہیں کریں گے۔ ہاں جب قلوب اس سے بھر جائیں گے تو پھر یہ بھی ہے کہ سب سے زیادہ سہولت مسلمان کو شریعت کی قید اور تقویٰ کی زندگی ہی میں معلوم ہوگی اور اس کے خلاف سے نفرت اور وحشت ہوگی۔ اس لئے کہ مومن کو جب جنت کا شوق ہو جاتا ہے تو پھر اس کے آگے دنیا کی کوئی نعمت نعمت اور کوئی راحت راحت نہیں معلوم ہوتی۔ اسی طرح سے جب وہاں کی تکالیف اور عذاب کا نقشہ سامنے ہوتا ہے تو پھر یہاں کی کوئی تکلیف تکلیف نہیں رہ جاتی اور تقویٰ میں یہی کرنا پڑتا ہے کہ خواہشات کو مٹانا پڑتا ہے اور کچھ ناگواریوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ ترغیب اور ترہیب یہی دو بازو ہیں جن سے مومن اڑتا ہے اسی لئے علماء نے ہر زمانہ میں امت کو ان کی جانب متوجہ فرمایا ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ۝ (اے ایمان والو سود کو دوگنا اور چند گنا کر کے مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے) کے متعلق امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام قرآن میں سے اخوف آیت ہے (یعنی سب سے زیادہ ڈرانے والی) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں مومنین کو بصورت عدم امتثالِ حکم اس آگ کی دھمکی دی ہے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ پس کس قدر ڈرنے کا مقام ہے کہ جو شے کفار کے لئے آلۂ تعذیب بنتی اس سے اس مومن کو عذاب دیا جائے۔ اسی لئے اس کو اخوف آیت فرمایا ہے۔

اسی طرح سے علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًاؕ یہ ارجیٰ آیت ہے کیونکہ اس میں

اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو اپنی رحمت سے نا امید ہونے کو منع فرما رہے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ مغفرت کی امید رکھنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس میں گنہ گاروں کے لئے کس قدر تسلی ہے۔ اس اعتبار سے اس کے ارجیٰ آیت ہونے میں کیا کلام ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ صحابہ نے ایک مرتبہ یہ خیال کیا کہ ہم لوگ ایسا ایسا گناہ کر چکے ہیں کہ اب اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کیا مفید ہو سکتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے نا امید ہونا حرام ہے اَنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ یعنی اللہ کی رحمت سے کافر ہی نا امید ہوتا ہے۔ اب اگر یہ نا امیدی اعتقاد کے درجہ میں ہے تب تو کفر ہے جس طرح کہ کافر کو ہوتی ہے اور اگر عمل میں اور حال میں ہے مگر اعتقاد میں نہیں ہے تو یہ فسق ہے۔ غرض علماء نے سب سے زیادہ امید والی آیت اسی کو فرمایا ہے لیکن مکتوباتِ معصومیہ میں محمد باقرؒ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ

اے اہل عراق تم یہ کہتے ہو کہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ امید والی آیت لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ہے مگر ہم اہل بیت اس کے قائل ہیں کہ آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى سب سے ارجیٰ آیت ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک راضی ہی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کا ایک ایک امتی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل نہ کر دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ

عام مخلوق کے اعتبار سے تو ارجیٰ آیت لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ہو اور امت محمدیہ کے اعتبار سے وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ہو۔ (ان دونوں میں کیا منافات ہے)

لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک اور آیت بھی جس کو اگر ارجیٰ آیت کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اور وہ آیت یہ ہے وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اور یہ اس لئے کہ اس سے پہلی آیت وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ہے۔ جنت کی ترغیب دی ہے اور یہ فرمایا ہے

کہ دوڑو اور سبقت کرو اس مغفرت کی طرف جو تمھارے پروردگار کی طرف سے ہے اور اس کی جنت کی طرف (بھی سبقت کرو) جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان وزمین۔ وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس کے بعد متقیوں کے بعض اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ وہ ڈرنے والے کون لوگ ہیں اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ٥ یعنی جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور غصہ کے ضبط کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد وہی آیت ہے جس کے متعلق کہنا چاہتا ہوں کہ ارجیٰ آیت ہے یعنی وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ الآیۃ یعنی صالحین اور متقین کی جزا یعنی جنت کے مستحق وہ لوگ بھی ہیں جو ایسے ہیں کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے۔ آگے فرماتے ہیں اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ٥ ان لوگوں کی جزا بخشش ہے۔ ان کے رب کی طرف سے اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اچھا حق الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا۔

سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ صالحین اور متقین کو جو انعام عطا ہوا مذنبین کو بھی اس سے محروم نہیں کیا گیا بشرطیکہ وہ توبہ کر لیں اور اسی لئے تاکہ اس کے بعد کوئی کسی مذنب کو حقیر نہ جانے اس میں کس قدر تسلی ہے گنہگار کے لئے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ یہ بھی ارجیٰ آیت ہے۔

نیز اس سے پہلی والی آیت کو امام اعظمؒ نے اخوف آیت فرمایا تھا اور وہاں اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ فرمایا گیا تھا یہاں اس کے بالمقابل اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ٥ فرمایا گیا ہے اور اس کو اخوف آیت کا قرین بنا کر ذکر فرمایا ہے یہ بھی قرینہ بن سکتا ہے کہ یہ ارجیٰ آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یونہی جاری ہے کہ وہ رہبت اور رغبت (یعنی ترغیب وترہیب) کا ذکر توأم فرماتے ہیں نیز اس کے ارجیٰ آیت ہونے پر یہ روایت بھی دلیل بن سکتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس نے اپنے لشکر کو بلایا اور ان کے سامنے اپنے سر پر مٹی اڑانے لگا اور ویل وثبور پکارنے لگا۔ اس کے چیلوں نے کہا کہ اے ہمارے سید یہ آپ کا کیا حال ہے؟ کہا کتاب اللہ میں ایک ایسی آیت نازل ہو گئی ہے کہ اب اس کے بعد بنی آدم کو کوئی گناہ مضر ہی نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا آیت ہے تو

اس نے یہی آیت سنائی۔ انھوں نے کہا کہ حضور پریشان نہ ہوں ہم ان لوگوں کے لئے خواہشات کا ایسا دروازہ کھولیں گے کہ سب اسی میں پھنس کر رہ جائیں گے اور کسی کو توبہ کی توفیق ہی نہ ہو گی۔ یہ سن کر ابلیس خوش ہو گیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ابلیس پر سب سے زیادہ یہی آیت شاق گزری۔ اس سے مستنبط کر کے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ارجیٰ آیت ہے اس لئے کہ اس میں رحمت اور مغفرت کا بیان ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک دعا میں ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجیٰ عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ یعنی اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور تیری رحمت میرے نزدیک میرے عمل سے زیادہ امید والی ہے۔ بڑی عمدہ حدیث ہے سبحان اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی آیت کی تفسیر ہے جس کو علماء نے ارجیٰ آیت کہا ہے۔ اب جو آیت اور روایت اپنے نفع اور مطلب کی ہے اس کو تو یاد کرو۔ اللہ والوں نے اللہ تعالیٰ کے اسی ارشاد کے حوالے سے دعائیں مانگی ہیں۔ حضرت عطارؒ فرماتے ہیں ؎

پادشاہا جرم ما را در گذار — ما گنہگاریم و تو آمرزگار
تو نکو کاری و ما بد کردہ ایم — جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم
سالہا در بند عصیاں گشتہ ایم — آخر از کردہ پشیماں گشتہ ایم
دائما در فسق و عصیاں ماندہ ایم — ہم قرینِ نفس و شیطاں ماندہ ایم
روز و شب اندر معاصی بودہ ایم — غافل از امر و نواہی بودہ ایم
بے گنہ نہ گذشت بر من ساعتے — با حضور دل نہ کردم طاعتے
بر در آمد بندۂ بگریختہ — آبروئے خود ز عصیاں ریختہ

اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ (اور مجھے آپ کو یہی سنانا تھا) ؎

مغفرت دارم امید از لطف تو — زانکہ خود فرمودۂ لاتقنطوا
بحر الطاف تو بے پایاں بود — نا امید از رحمتت شیطاں بود
نفس و شیطاں زد کریما راہ من — رحمتت باشد شفاعت خواہ من
چشم دارم کز گنہ پاکم کنی — پیش ازاں کاندر لحد خاکم کنی

اندر آں دم کز بدن جانم بری
از جہاں با نور ایمانم بری

سبحان اللہ کیا عمدہ مناجات ہے۔ مجھے یہاں اسی کو بیان کرنا تھا کہ دیکھئے یہ بزرگ فرما رہے

ہیں کہ آپ سے مغفرت کی اس لئے امید رکھتا ہوں کہ خود آپ ہی نے فرمایا ہے کہ اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔

رحمت کے بارے میں آتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین ہیں یعنی قیامت میں سفارش فرمائیں گے اور اعمال صالح شفیع ہوں گے۔ قرآن شفاعت کرے گا، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی شفیع ہوگی۔ کتنے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے بخشیں جائیں گے۔ اب یہی مضمون اثر کے لئے کچھ کم ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو اپنا بندہ فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے جبار و قہار ہونے کی تو معرفت حاصل کرو گے اور ان کے غفور رحیم ہونے کی معرفت کیا قیامت میں جا کر حاصل کرو گے؟

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر ان بندوں کے قلوب پر مرہم رکھ دیا جن پر خوف غالب تھا ورنہ تو بہت سے اللہ کے بندے اس دنیا میں خدا کے خوف ہی سے مرجاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے صالحین بندوں کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اسی لئے اللہ والوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ابتداً تو ان میں خشیت کا غلبہ ہوتا ہے لیکن آخر وقت میں رجاء کو اپنے اوپر غالب کر لیتے ہیں اور یہ اچھا حال ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا اے اللہ آپ معاف فرمانے والے ہیں کریم ہیں، معافی کو پسند فرماتے ہیں (چنانچہ آپ نے صالحین کی مدح فرماتے ہوئے ان کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگوں سے درگزر کرتے ہیں) لہٰذا میرے گناہ بھی معاف فرما دیجئے کیوں کہ جب بندوں کے لئے آپ نے اس صفت کو پسند فرمایا ہے تو خود اپنے لئے بھی اس کو ضرور ہی پسند فرمائیں گے۔ چنانچہ سب سے زیادہ اُس عالم میں ظہور عفو و رحمت کا ہی ہوگا اور یہ میں کہہ چکا ہوں کہ اِس عالم کا قیام بھی رحمت ہی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہی رحم کا یہ ادنیٰ اثر ہے کہ ماں اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے۔

روایت میں ہے کہ کسی نبی نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے ہلاک کرنے کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جاؤ مٹی کے برتن بناؤ انھوں نے بنائے حکم ہوا انھیں توڑ دو۔ انھوں نے توڑ دیا۔ پوچھا کہ اس سے کچھ تمہارا دل دکھا؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا بس اسی طرح سے جس مخلوق کو میں نے بنایا ہے اس کو ہلاک کرنا ہم کو بھی ناگوار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے واسطے سے دعا فرمائی ہے. فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ كَاشِفَ الْغَمِّ مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ الرَّحْمٰنَ الدُّنْيَا رَحِيْمَهَا اَنْتَ تَرْحَمُنِيْ فَارْحَمْنِيْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ	اے اللہ دور کرنے والے فکر کے زائل کرنے والے غم کے قبول کرنے والے بے قراروں کی دعا کے رحمٰن دنیا کے اور رحیم اس کے تو ہی رحم کرے گا مجھ پر تو کر دے میرے اوپر ایسی رحمت کہ بے پرواہ کر دے اس کی وجہ سے اوروں کی رحمت سے۔

غرض دنیا کا تو سارا کاروبار ہی رزق و عافیت سب اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے متعلق ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ یعنی اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں آپ کی نعمت کے زوال سے اور آپ کی عافیت کے بدل جانے سے۔ نیز فرماتے ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ تَمَامَ الْعَافِيَةِ وَاَسْئَلُكَ دَوَامَ الْعَافِيَةِ۔ دیکھئے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عافیت و دوام عافیت کا سوال فرماتے ہیں۔ اسی طرح سے آپ سے دارین کی عافیت کا طلب کرنا بھی ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عافیت اصل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور طلب کرنے ہی سے ملا کرتی ہے ورنہ تو ہمارا تو شاید ہی کوئی عمل ظلم سے خالی ہوتا ہو جس کے متعلق یہ بیان فرمایا ہے کہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان اور بڑے رحم والے ہیں کہ لوگوں سے ان کے معاصی کی وجہ سے مواخذہ نہیں فرماتے ہیں ورنہ تو روئے زمین پر انسان تو انسان حیوانات کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو دنیا میں لوگ کیسی کیسی خطائیں کرتے ہیں۔ کوئی شرک کر رہا ہے کوئی بے ادبی و گستاخی کر رہا ہے لیکن ان کا کرم تو دیکھو کوئی مواخذہ نہیں فرما رہے ہیں۔ یہ ان کی انتہائی رحمت و شفقت ہے کہ انسان کفر بھی کر رہا ہے اور وہ اس کو روزی دے رہے ہیں۔ انھوں نے اس بات کو کچھ ایسے عنوان سے بیان کیا کہ مجھے بہت ہی اچھا معلوم ہوا چنانچہ میں نے اس کو یاد ہی کر لیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دنیا میں ظہور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور ان کی محبت کو بھر دیا تھا جس کی وجہ سے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے ان صفات کا برابر استحضار رہتا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں اپنے لڑکے کو یہ وصیت فرماتے

ہیں کہ صاحبزادے

جب میری موت ہوجائے تو میرے غسل کا منتظم کسی سمجھ دار واقف کار کو بنانا اور خزانۂ شاہی کھول کر اس میں سے وہ رومال نکال لینا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کپڑا اور کچھ موئے مبارک اور چند ٹکڑے ناخن مبارک کے بندھے ہوئے رکھے ہیں ان ٹکڑوں کو میری ناک منھ اور آنکھوں میں رکھ دینا اور اس کپڑے کو کفن کے اندر میرے جسم سے ملاکر رکھ دینا اور جب میرا جنازہ قبرستان لے جاکر دفن کر دینا تو پھر معاویہ کو ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔

دیکھتے ہیں آپ اصحابہ کا استحضارِ آخرت اور یہ کہ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسی رجا رکھتی۔ ہم نے تو کسی کو سنا نہیں کہ اس طرح سے وصیت کی ہو۔ اِن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی تھی اس لئے ان کے قلوب رغبت اور رہبت (یعنی ایمان کامل) سے لبریز تھے اور جب کوئی شخص اپنے آپ کو اس طرح سے ارحم الراحمین کے سپرد کر دے گا اور انھیں کے رحم وکرم پر اپنا معاملہ چھوڑ دے گا تو اس کے ساتھ رحم وکرم ہی کا معاملہ کیا جائے گا۔ یہ حضرات اس طرح سے آخرت کی مہم سر کر لیتے تھے۔ غرض معلوم ہوا کہ دین و دنیا کی ساری حوائج جس سے پوری ہوتی ہیں وہ حق تعالیٰ کی صفت رحمت ہی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک دعا میں ارشاد فرماتے ہیں

يَا صَرِيْخَ الْمُسْتَصْرِخِيْنَ وَمُنْتَهٰى الْعَائِذِيْنَ وَالْمُفَرِّجَ عَنِ الْمَكْرُوْبِيْنَ وَالْمُرَوِّحَ عَنِ الْمَغْمُوْمِيْنَ وَمُجِيْبَ دُعَاءِ الْمُضْطَرِّيْنَ وَيَا كَاشِفَ الْكُرُوْبِ يَا اِلٰهَ الْعَالَمِيْنَ وَيَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ مَنْزُوْلٌ بِكَ كُلُّ حَاجَةٍ۔	اے دادرس فریادیوں کے اور اے منتہیٰ پناہ مانگنے والوں کے اور کشائش دینے والے بےچینیوں کے اور راحت دینے والے غمزدوں کے اور قبول کرنے والے بیقراروں کی دعا کے اور کشائش دینے والے صاحب کرب کے۔ اے اللہ العالمین اور اے ارحم الراحمین تیرے ہی سامنے پیش کی جاتی ہے سب حاجت۔

اسی طرح سے اللہ والوں نے اس دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کا خوف بھی کیا ہے۔ دوزخ کا خوف کیا ہے۔ عذاب کا خوف کیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانویؒ نماز پڑھ کر مسجد سے باہر تشریف لائے۔ ابھی کچھ لوگ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ اندر سے بڑی زور سے ایک صاحب کے

رونے کی آواز آئی کچھ ایسے دل سے روئے کہ حضرت پر اثر پڑ گیا۔ فرمایا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا حضرت شاہ صاحب ہیں۔ فرمایا کہ ان کو یہاں بلا لیجئے۔ جب وہ آئے تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت مجھے اپنے گناہ یاد آگئے تھے۔ حضرت نے ان سے کچھ نہ فرمایا اور ایک کٹورہ میں پانی منگوا کر اس پر دم کر دیا اور فرمایا کہ لیجئے اسے پی لیجئے۔ چنانچہ پانی کے پیتے ہی قلب کی گرمی دور ہوگئی اور سکون ہوگیا۔

آپ سے کہتا ہوں کہ اسی دنیا میں جس میں آپ رہتے ہیں اللہ کے ایسے ایسے بندے بھی رہتے ہیں۔ کیا دین صرف ظاہری چیزوں ہی کا نام ہے؟ دل میں کسی نے کچھ پیدا نہیں کیا ہے؟ حضرات صحابہ کا تو ایسا دین نہیں تھا۔ اب لوگ صرف ظاہری دین پر اتر آئے ہیں اور میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صرف ظاہر پر اکتفا مت کیجئے۔ باطن کی جانب توجہ کیجئے۔ قلب میں جنت اور آخرت کو بسائیے اور اس میں قدم آگے بڑھائیے۔ صرف زبان سے کچھ کہہ لینے اور کان سے سن لینے پر قناعت مت کیجئے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ؎

کار کن کار بگذر از گفتار   کاندریں راہ کار باید کار

اور فرمایا ہے کہ ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی   نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی   ذکر کے التزام سے ہوگی

آدمی جب کام کرے گا تو اسی سے آہستہ آہستہ قلب میں کیفیت بھی پیدا ہو جائے گی کیونکہ جب کسی کام کو پابندی سے کیا جائے گا تو دل بھی کبھی نہ کبھی رجوع ہو جائے گا۔ پس جب دل رجوع ہو گیا سب کام آسان ہو جائے گا۔ اور میں آپ کے لئے آسانی کا طریقہ بتلاتا ہوں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ جو چیز مطلوب ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور ان سے اس کا سوال کیا جائے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں ایک جوان صالح کی دعا نقل کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرتا تھا ؎

روزیے خواہم بہ ناگہ بے تعب   کہ ندارم من ز کوشش جز طلب
کاہلم چوں آفریدی اے ملی   روزیم دہ ہم ز راہِ کاہلی

یعنی یہ کہتا تھا کہ اے اللہ میں تجھ سے ایسی روزی طلب کرتا ہوں جو اچانک اور بلا تعب کے مجھ کو مل جائے اس لئے کہ میرے پاس سوائے تجھ سے طلب کرنے کے اور کوئی کوشش اور ذریعہ

نہیں ہے۔ اے اللہ جب تو نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو پھر اے غنی تو مجھے روزی بھی کاہلی ہی کے راستہ سے عطا فرما۔

دیکھ رہے ہیں آپ جس سے محنت نہیں پڑتی وہ اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کیا کرے اور یہاں یوں کہے کہ ؎

بخت خواہم بہ ناگہ بے تعب کہ نہ دارم من زکوشش جز طلب

یعنی وہ زبان ہی سے کہے کہ یا اللہ مجھ سے کوئی عمل وغیرہ تو ہوتا نہیں لہذا میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور جنت کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ چنانچہ مثنوی میں ہے کہ وہ جوان اسی طرح سے برابر دعا کرتا رہا کہ اچانک ایک دن اس کے گھر میں ایک گائے گھس آئی۔ اس نے سمجھا کہ میری دعا قبول ہوئی اور گھر بیٹھے مجھے روزی ملی۔ یہ خیال کر کے اس نے اسے ذبح کیا اور اس کو استعمال کر ڈالا۔ ایک شخص مدعی کھڑا ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تھا ان کے پاس مقدمہ پہنچا۔ جوان کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اس لئے قریب تھا کہ فیصلہ اس کے خلاف کر دیا جائے کہ اتنے میں وہ جوان بڑے زور سے رو دیا ایسا کہ اس کے رونے کا اثر حضرت داؤد علیہ السلام کے قلب پر پڑا اور انھوں نے سمجھا کہ یہ رونا جھوٹے شخص کا رونا نہیں ہے۔ اس لئے فرمایا کہ بھائی اس مقدمہ کا فیصلہ آج نہیں کل کروں گا اور شب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ وجداناً تو جوان حق پر معلوم ہوتا ہے مگر اس کے پاس شرعی ثبوت نہیں ہے اس میں کیا راز ہے۔ حقیقت حال کیا ہے سمجھا دیجئے۔ وحی آئی کہ ہاں یہی بات ہے اس گائے کا مالک، دراصل یہی جوان ہے کیوں کہ مدعی اس کے باپ کا غلام تھا جس نے ایک سفر میں فلاں جگہ اس کے باپ کو قتل کر کے اس کی لاش کو فلاں درخت کی جڑ میں دفن کر دیا ہے اور اس کے سب مال و جائداد کا مالک بن بیٹھا ہے۔ اس وقت یہ جوان چھوٹا بچہ تھا اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ اس لئے وہ گائے بھی اس کی ہے اور یہ مدعی بھی اسی کا غلام ہے۔ اس وحی کے بعد داؤد علیہ السلام نے اگلے روز یہی فیصلہ سنا دیا۔ لوگوں نے اس پر چہ میگوئیاں کیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے سب کو ہمراہ لے جا کر اس مقتول کی لاش برآمد کی جس کی وجہ سے سب کو اطمینان ہوا اور جوان اپنی دعا کی برکت سے مالدار ہو گیا پس ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا زبان ہی سے مانگتے رہیں اور پھر ہوتے ہوتے صدق و خلوص بھی پیدا ہو جائے لیکن آپ کا حال یہ ہے کہ آخرت اور دوزخ کو ایسا بھولے ہوئے ہیں کہ ایک دفعہ بھی زبان سے جہنم سے پناہ نہ مانگی ہوگی۔ بس جنت و دوزخ کا نام کسی سے سن لیا ہے اسلئے

اس کے قائل ہیں۔ دل سے اس کی تصدیق کیجئے اور اگر جنت و دوزخ کے مناسب عمل کرنے کی ابھی ہمت نہیں ہے تو پہلے آسان طریقہ ہی استعمال کیجئے اور وہ زبان سے جنت کا طلب کرنا اور دوزخ سے پناہ مانگنا ہے۔ مشقت کا کام پہلے نہیں بتایا جائے گا بلکہ آہستہ آہستہ ہی لے چلا جائے گا۔ پس رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنے کو اول ہی دن نہیں کہیں گے۔ بلکہ تدریجی طریقہ سے اس پر لائیں گے لہذا پہلے زبان ہی سے جنت کو یاد کیجئے اور آپ جب اس کو یاد کیجئے گا تو وہ بھی آپ کو یاد کرے گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کو (اور بھی چند صحابہ کا نام آیا ہے کہ ان کو) جنت یاد کرتی ہے۔ سبحان اللہ معلوم نہیں ان حضرات نے کس دل سے جنت کو یاد کیا تھا کہ خود جنت ہی ان کی مشتاق ہوگئی۔

اسی طرح سے دوزخ سے پناہ مانگئے۔ مانگتے مانگتے ایسا ہو جائے گا کہ خود دوزخ بھی آپ سے پناہ مانگے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مومن پل صراط پر سے گزرے گا تو دوزخ اس سے کہے گی کہ اے مومن تو جلدی سے گزر جا کیونکہ تیرا نور میرے نار کو بجھائے دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا ہے یعنی جوارح سے جو اعمال آپ نے کئے وہ تو کئے ہی ہیں ان کے علاوہ زبان سے بھی جنت کا سوال کیا ہے اور یہ سوال تمام ہی انبیاء کی سنت رہی ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی ہے وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ○ یعنی اے رب مجھے جنت نعیم کا وارث بنا دیجئے۔ یہی چیز آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کیونکہ آپ کے نزدیک جنت طلب کرنے کا مفہوم یہ ہوگا کہ رات رات بھر نوافل پڑھی جائیں اور ہزاروں ہزار تسبیح کا ذکر کیا جائے تو ان کے نافع ہونے کا انکار نہیں ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح سے جنت کے حصول کا یہ طریقہ ہے اسی طرح سے اس کا ایک سہل طریقہ اور آسان عمل اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی ہے یعنی جنت کا سوال کرے اور دوزخ سے بچنے کی درخواست کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمن کے اوصاف میں اسے بھی شمار فرمایا ہے کہ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ پھر یہی زبانی دعا اور سوال آگے چل کر کم اور کیف کے اعتبار سے ترقی کر جائے گا یعنی ایک سے دو اور دو سے چار بار سوال کرنے کی توفیق ہو جائے گی اور پھر زبان سے تجاوز ہو کر دل سے اس سوال کا داعیہ ابھرے گا یہاں تک کہ جنت اور آخرت کی فکر آپ پر مسلط ہو جائے گی جو جنت میں داخل کرا کے رہے گی لیکن اس کے لئے پہلے یہ ضروری ہے کہ آدمی خود جنت اور دوزخ کی دل سے تصدیق کرے۔ اللہ تعالیٰ نے

قرآن شریف میں مومن کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ مصدق آخرت ہوتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ آخرت کی اگر تصدیق ہی نہ ہوگی تو ایمان ہی صحیح نہ ہوگا اور مومن ہونے کے بعد پھر متقی اور صالح ہونے کے لیئے ان سب اوصاف کے ساتھ اتصاف ضروری ہے جنھیں عباد الرحمٰن کی تعریف میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ جس قدر مفصل بیان عباد الرحمٰن کا اور ان کی صفات کا تفصیلی ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے یکجا اور کہیں نہیں ہے اور جیسا کہ میں نے شروع میں بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر تفصیل سے اس کو اس لئے بیان کیا ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کی اس صفت ہی کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وما الرحمٰن یعنی رحمٰن کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے پہلے تو اپنی عظمت وجلال کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ:

تَبَارَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجاً	بہت عالیشان ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بڑے بڑے
وَّجَعَلَ فِیْھَا سِرَاجاً وَّقَمَراً مُّنِیْراً ۝ وَ	ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک نورانی
ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ خِلْفَۃً	چاند بنایا اور وہ ایسا ہے جس نے رات و دن کو ایک دوسرے کے پیچھے
لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْراً ۝	آنے جانے والا بنایا اس شخص کے لیئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔

مقصد اس سے یہ ہے کہ تم اگر رحمٰن کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہو تو کیا تمھارے اس انکار کرنے سے اس کی عظمت اور قدرت میں کمی آجائے گی؟ پھر اس کے بعد عباد الرحمٰن اور ان کی صفات کو بیان فرمایا ہے مطلب یہ کہ تم اگر گستاخ اور نالائق ہو تو سن لو کہ سب لوگ تمھاری طرح نہیں ہیں بلکہ بہت سے اللہ کے نیک بندے اور عباد الرحمٰن ایسے ہیں جن کی یہ صفات ہیں ان مخلصین کو عباد الرحمٰن فرمایا اسی سے کفار کا خوب رد ہوگیا سبحان اللہ کیا عمدہ عنوان اختیار فرمایا ہے۔ انکی صفات شمار فرمانے کے بعد آخر میں ان کے اجر اور انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا	ایسے لوگوں کو بہشت میں رہنے کو بالاخانے ملیں گے بوجہ انکے
وَیُلَقَّوْنَ فِیْھَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰماً ۝ خٰلِدِیْنَ	دین اور طاعت پر ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس بہشت
فِیْھَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرّاً وَّمُقَاماً ۝	میں فرشتوں کی جانب سے بقا کی دعا اور سلام ملے گا اور اس
(سورۂ فرقان)	بہشت میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے کیا اچھا وہ ٹھکانہ ہے اور کیا ہی خوب مقام ہے۔

سبحان اللہ جس مقام کو اللہ تعالیٰ اچھا فرمائیں اسکی خوبی اور عمدگی کا کیا کہنا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ حَالِ اَھْلِ النَّارِ وَمِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْھَا اَنْتَھٰی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ ایک زمانہ سے جس چیز کی تمنا قلب میں موجزن تھی اور عرصہ دراز سے جس کا اشتیاق ناظرین کو محوِ انتظار بنائے ہوئے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بالآخر اس کو پورا فرما دیا ــــــ یعنی "تالیفات مصلح الامۃ حصہ اول" طبع ہو کر منصۂ شہود پر آ گئی۔ جو کہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مطالعہ کرنے والوں کے لئے اصلاحِ نفس کے باب میں اکسیر اور سالکین کے لئے طریقِ راہِ مولیٰ میں ایک بہترین رہبر اور رفیق ثابت ہوگی۔ یہ حصہ تو آپ کے سامنے ہی ہے۔

اب اس کے بعد حصہ دوم میں انشاء اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کی حسب ذیل چودہ کتابیں ہوں گی جس کے کل صفحات ۳۸۴ ہوں گے۔

مفتاح الرحمۃ۔ راہِ صفا۔ خوفِ آخرت۔ ایقاظ الافکار۔ اعترافِ الذنوب۔ الاصول النادرۃ۔ ایجادات کی حقیقت۔ حج رب البیت۔ مضمون طہارت۔ اخوت۔ تعلیم تربیت اولاد۔ سعادت حقیقیہ۔ اتباعِ سنت۔ جنت۔

اور حصہ سوم میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حسبِ ذیل آٹھ کتابیں ہونگی اور اس کے بھی کل صفحات ۳۸۴ ہونگے۔

مضمون ذکر۔ وصیۃ الذکر۔ ذکر اللہ تعالیٰ۔ التذکیر بالقرآن۔ تلاوت قرآن۔ وصیۃ التلاوۃ۔ مضمون تہجد۔ مسنون دعائیں۔

اور پھر اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حصہ چہارم کا نمبر ہے جسمیں حضرت مصلح الامۃؒ کی پانچ کتابیں ہونگی اور اس کا لقب "وصایائے خمسہ" مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسکے صفحات چار سو سے بھی متجاوز ہو جائیں۔ وہ کتابیں یہ ہیں۔

وصیۃ الاحسان۔ وصیۃ الاخلاق۔ وصیۃ الاخلاص۔ وصیۃ السنۃ۔ وصیۃ السالکین۔

نوٹ: خیال ہے کہ ایک آخری پانچواں حصہ اور مرتب کیا جائے جسمیں "تصوف اور نسبۃ صوفیہ" ہر دو حصہ کے ہمراہ "محبۃ اللہ وھوی النفس" اور بعض دیگر مضامین بھی شامل کر دئے جائیں۔ ابھی یہ حصہ زیر تجویز ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کار عظیم کو ہمارے لئے آسان فرما دے اور اس امرِ عظیم سے ہمکو جلد کامیابی کیساتھ سبکدوش فرما دے۔ آمین۔ والسلام دعا کا طالب

خانقاہ وصی اللّٰہی بخشی بازار۔ الہ آباد — عبد الرحمٰن جامی
۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ، ۲ فروری ۷۵ء — یکے از خدام